ہم محض رضائے الٰہی کے آرزومند ہیں، ہم اپنی آنکھوں اور کانوں کو غیر اللہ کی طرف بند کر چکے ہیں اور دنیا و مافیہا سے ہاتھ اُٹھا چکے ہیں، ہم نے محض اللہ کے لیے علم جہاد بلند کیا ہے، ہم مال منال، جاہ وجلال، امارت وریاست، حکومت وسیاست کی طلب و آرزو سے آگے نکل گئے ہیں، خدا کے سوا کوئی ہمارا مطلوب نہیں۔

اگرچہ ہم عاجز و خاکسار، ذرۂ بے مقدار ہیں، لیکن بلاشک محبت الٰہی سے سرشار اور غیر خدا کی محبت سے بالکل دستبردار ہیں۔ یہ سب کچھ محض اللہ کے لیے ہے، اس جذبہ الٰہیہ میں نفسانی خواہشات اور شیطانی وسوسے کا شائبہ بھی نہیں، اگرچہ یہ بات فقیر کے اکثر واقفانِ حال پر ظاہر ہے لیکن مزید تاکید کے لیے پھر نئے سرے سے کہتا ہوں کہ میں خدائے علام الغیوب کو گواہ بناتا ہوں کہ کفار اور دشمنوں کے ساتھ جو جذبۂ جہاد فقیر کے دل میں موجزن ہے، اس میں رضائے الٰہی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے مقصد کے سوا عزت وجاہ وجلال ومال ودولت، شہرت وناموری، امارت وسلطنت، برادران ومعاصرین پر فضیلت وبزرگی یا کسی اور چیز کا فاسد خیال ہرگز دل میں نہیں ہے اور ہم جو بات کہہ رہے ہیں، اللہ اس کا گواہ ہے۔

اگرچہ کفار اور سرکشوں سے ہر زمانے اور ہر مقام میں جنگ کرنا لازم ہے، لیکن خصوصیت کے ساتھ اس زمانے میں اہلِ کفر وطغیان کی سرکشی حد سے گزر چکی ہے، مظلوموں کی آہ وفریاد کا غلغلہ بلند ہے، شعائرِ اسلام کی توہین ان کے ہاتھوں صاف نظر آرہی ہے، اس بنا پر اب اقامتِ رُکن دین، یعنی اہلِ شرک سے جہاد عامۃ المسلمین کے ذمے کہیں زیادہ مؤکد اور واجب ہوگیا ہے۔

اس تمام معرکہ آرائی اور جنگ آزمائی کا مقصود صرف یہ ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، رسول اللہ ﷺ کی سنت زندہ ہو اور مسلمانوں کا ایک ایک ملک کفار مشرکین کے قبضہ سے نکل آئے، اس کے سوا کوئی مقصود نہیں۔ اس فقیر کو مال ودولت اور حصولِ سلطنت وحکومت سے کچھ غرض نہیں۔ دینی بھائیوں میں سے جو شخص بھی کفار کے ہاتھوں سے ملک کو آزاد کرے، رب العالمین کے احکام کو رواج دینے اور سید المرسلین ﷺ کی سنت پھیلانے کی کوشش کرے گا اور ریاست یا عدالت میں قوانینِ شریعت کی رعایت پسند کرے گا، فقیر کا مقصود حاصل ہوجائے گا اور میری کوشش کامیاب ہوجائے گی۔

حقیقت میں مطابقِ مقولہ ''سلطنت ومذہب جڑواں ہیں''، اگرچہ یہ قول حجت شرعی نہیں لیکن مدعا کے موافق ہے کہ دین کا قیام سلطنت سے ہے اور وہ دینی احکام جن کا تعلق سلطنت سے ہے، سلطنت کے نہ ہونے سے صاف ہاتھ سے نکل جاتے ہیں اور مسلمانوں کے کاموں کی خرابی اور سرکش کفار کے ہاتھوں ان کی ذلت و نکبت اور شریعت مقدسہ کے شعائر کی بے حرمتی اور مسلمانوں کی مساجد ومعابد کی تخریف ہوجاتی ہے، وہ بخوبی ظاہر ہے۔

میرا اس منصبِ (امامت) کے قبول کرنے سے اس کے سوا کوئی مقصود نہیں کہ جہاد کو شرعی طریقے پر قائم کیا جائے اور مسلمانوں کی فوجوں میں نظم قائم ہو، اس کے سوا کوئی دوسری نفسانی غرض مثلاً روپے پیسے کے خزانے یا مُلکوں اور شہروں پر تسلط یا حصولِ سلطنت وریاست یا اہلِ حکومت وصاحبِ اقتدار لوگوں کی تذلیل یا اپنے ہمسروں پر اپنے احکام کا اجرا یا اپنے ہم عصروں پر فوقیت وامتیاز قطعاً وبالکلیہ شامل نہیں، بلکہ ایسی بات نہ کبھی زبان پر آتی ہے، نہ کبھی خیال میں گزرتی ہے، تاجِ فریدوں وتختِ سکندری کی قیمت میرے نزدیک ایک جَو کے برابر بھی نہیں، کسریٰ وقیصر کی سلطنت میں خاطر میں بھی نہیں لاتا، ہاں اس قدر آرزو رکھتا ہوں کہ اکثر افرادِ انسانی بلکہ تمام ممالک عالم میں رب العالمین کے احکام جن کا نام شرع متین ہے، کسی کی مخالفت کے بغیر جاری ہوجائیں، خواہ میرے ہاتھ سے، خواہ کسی دوسرے کے ہاتھ سے!!! پس جب ہر ترکیب وتدبیر، جو اس مقصد کے حصول کے لیے مفید ہوگی عمل میں لاؤں گا۔

(تاریخ دعوت وعزیمت/ حصہ ششم/ سرتِ سید احمد شہیدؒ از مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ
اپریل ۲۰۲۰ء

بحمد اللہ...... مسلسل اشاعت کا تیرہواں (۱۳) سال!

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ

''اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے اللہ کی قسم کھا لوں کہ بے شک تمہارے سب سے بہتر اعمال میں جہاد اور مسجدوں کی طرف جانا ہے۔''

[کنز العمال (کتاب الجہاد)]

اس شمارے میں

افغانستان
کشمیر
پاکستان
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
بنگلہ دیش
برما
ہندوستان

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (Email) پر رابطہ کیجیے: editor@nawaighazwaehind.com

www.nawaighazwaehind.com
www.nawai.co/Twitter
www.nawai.co/Channel
www.nawai.co/Bot

قیمت فی شمارہ: ۲۵ روپے

قارئینِ کرام!

'غزوۂ ہند' تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس 'غزوے' کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّصغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ 'غزوۂ ہند' کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام 'نوائے غزوۂ ہند' ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّصغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے......اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

ادار یــــہ

مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے!

کورونا وائرس کی 'تباہ کاریاں' چشمِ بینا کیا، چشمِ نابینا کے بھی سامنے ہیں۔ چین کو 'نگلنے' کے بعد یہ وائرس امریکہ، اسرائیل، برطانیہ، جرمنی، اٹلی، سپین، فرانس...... الغرض دنیا کی ہر بڑی طاقت کو 'چاٹ' گیا ہے۔ کورونا وائرس مثلِ طاعون ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

"(طاعون بعض کے لیے) ایک طرح کا عذاب ہے کہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے (بطورِ عذاب) کے بھیجتا ہے!"[1]

اس حدیث کی شرح میں حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جن کے لیے یہاں عذاب کا ذکر ہوا ہے تو اس سے مراد کفار ہیں[2]۔ نیز حدیثِ مبارکہ ہی کے مطابق طاعون جیسی وبا اہلِ ایمان کے لیے رحمت بھی ہے[3]۔ یہ رحمت برائے اہلِ ایماں اور زحمت و عذاب برائے اہلِ کفر و عصیاں، ساری انسانیت ہی کے لیے رجوع الی اللہ کا ایک اشارہ ہے۔

کورونا کیسے چین کے ایک چھوٹے سے بازار سے نکلا اور کیسے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، یہ ظاہر و باہر ہے۔ ڈیڑھ ارب کی آبادی پر محیط دنیا کی عظیم ترین اقتصادی قوت چین کا چین مقبوضہ مشرقی ترکستان[4] کے مظلومین کی آہیں اور سسکیاں برباد کر گئیں۔

ایک ایسی وبا جس کے متعلق یورپ کے سربراہان کہہ رہے ہیں کہ جنگِ عظیم دوم کے بعد سب سے بڑی تباہی ہے اور جنگِ عظیم سوم جیسے حالات کا دنیا کو سامنا ہے۔

امریکہ، معلوم و مرقوم تاریخ میں جس سے بڑی کوئی مادی طاقت نہیں، اپنے غرور اور اپنی طاقت کے گھمنڈ میں یہ خیال کرتا تھا کہ میری حکومت خشکیوں پر بھی ہے اور پانیوں میں بھی، بلکہ خلا کا مالک بھی میں ہی ہوں...... کون مجھے شکست دے سکتا ہے؟ کون ہے جو میرے سامنے ٹکے؟ ہم ان مسائل کو بھی حل کر لیتے ہیں جو ابھی مرحلۂ پیدائش سے نہیں گزرے۔ مسائل کا حل اور بحرانوں پر قابو پانا تو ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، ہم تو وہ ہیں جو دنیا میں مسائل کی پنیریاں اپنے مقاصد کے لیے لگاتے ہیں اور پھر خود ہی ان کا حل بھی پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس مغرورِ اعظم کو ایک کے بعد دوسری عظیم شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

پہلی شکست اور اسلام کے لیے مثلِ فتحِ مبین امریکہ کا ایک معاہدہ کر کے افغانستان سے فرار تھا اور دوسری تباہ کن شکست 'کورونا'۔ ٹرمپ کے قول کو لوگ دیوانے کی بڑ کہہ کر ٹھکرا رہے تھے، جب وہ کہتا تھا کہ 'امریکہ کی معیشت boom (بے پناہ ترقی) کر رہی ہے!'...... لیکن کورونا کے ظہور اور امریکہ میں اس کے پھیلاؤ کے بعد ماہرینِ اقتصادیات بھی کہنے لگے کہ یہ دیوانے کی بڑ نہیں حقیقت 'تھی'!

---

[1] صحیح بخاری

[2] شوقِ وطن از مولانا اشرف علی تھانویؒ

[3] اس طرح کی وباؤں کے اہلِ ایمان کے لیے رحمت ہونے سے متعلق مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' کے زیرِ نظر شمارے میں ایک مستقل مضمون حضرت تھانویؒ رحمہ اللہ ہی کا شامل ہے جو 'تزکیہ و احسان' کے عنوان تلے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

[4] اس علاقے کو عرف میں سنکیانگ کہتے ہیں جو کئی دہائیوں سے چین کے زیرِ قبضہ ہے، لیکن اس کا اصل نام 'مشرقی ترکستان' ہے جہاں 'ایغور' مسلمان بستے ہیں۔

’تھی‘......ہے نہیں! عسکری میدان میں ہزیمت، سفارتی و سیاسی میدان میں طالبان کے ہاتھوں رسوائی اور پھر جس ’اقتصاد‘ کی خاطر سب کچھ کیا جا رہا تھا اس ’اقتصاد‘ کی تباہی محض ایک ذرّے سے بھی چھوٹے (microscopic) جرثومے سے واقع ہو گئی۔ روایات میں ہے کہ نمرود کی موت ایک مچھر سے ہوئی تھی، کہ وہ مچھر نمرود کے دماغ میں بذریعہ ناک گھس گیا تھا اور پھر اس کا مغز چاٹ گیا تھا۔

چھوٹا سا ’کورونا‘، یہ تحریر لکھے جانے کے وقت امریکہ کو دو ٹریلین ڈالر یعنی تین سو کھرب پاکستانی روپے کا اقتصادی نقصان دے چکا ہے۔ سادہ سا سمجھنے کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ یہ ہونے والا نقصان پاکستان کے سالانہ بجٹ کا چھ (۶) گنا ہے[1]، یعنی اگر پاکستان کی ضروریات آج سے دو تین سال پہلے جتنی تھیں (تقریباً پچاس کھرب روپے سالانہ) اگر اتنی ہی رہیں تو اگلے چھ سال پاکستان جیسا ملک اس رقم پر جی سکتا ہے جو چند ہفتے میں امریکہ میں برباد ہو چکی ہے۔

پچھلے چند ہفتوں میں امریکہ میں اب تک سترہ ملین لوگ[2] یعنی ایک کروڑ ستّر لاکھ لوگ بے روزگار ہو چکے ہیں۔ یہ کفار و طواغیت پر خدائی قہر اور رحمانی عذاب نہیں تو اور کیا ہے؟

ایک طرف عالمی و شیطانی عفریت اس صورت میں قید ہو رہے ہیں تو دوسری طرف رحمانی و الہامی شریعت کے نفاذ کی دنیا میں پھر داغ بیل ڈل رہی ہے۔ ایک ایسے امن کی فضا کے دنیا میں نفاذ کی بنا ڈل رہی ہے، جس کی موجودگی میں شیر اور بکری، افسانوی دنیا میں نہیں اسی دنیا میں جس میں ہم رہ بس رہے ہیں میں، ایک گھاٹ پر پانی پیتے ہیں۔ ایک عورت صنعاء سے حضرِ موت تک سونا اچھالتی جائے گی مگر اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا۔ ایک ایسی دنیا جہاں دریائے فرات کے کنارے اگر کوئی کتا پیاس سے مر جائے تو حکمرانِ وقت کو اس کی بابت باز پرس کا خطرہ لاحق ہو۔

جس اقامتِ دین اور جس نفاذِ شریعت کی ہم بات کر رہے ہیں، جس دار الاسلام کا قیام دنیا میں ہو چکا ہے وہ امارتِ اسلامیہ افغانستان کے نام و عنوان سے پورے عالَم کے سامنے اکیسویں صدی میں ہویدا ہے۔

اس امارتِ اسلامیہ کا طریق و منہج اور نعرہ و شعار بس اللہ کی بندگی ہے۔ اللہ کی عطا کردہ زندگی کو اسی اللہ کی بندگی میں ذاتی و اجتماعی زندگی میں کھپا دینا امارتِ اسلامیہ کا پیغام ہے۔ دین اللہ کی ذاتی و اجتماعی زندگی میں اقامت، اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد فی سبیل اللہ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا وہ فریضہ جس کی ادائیگی کے لیے ہم، امتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام) کو انسانیت کی نفع رسانی کے لیے بھیجا گیا ہے......امارتِ اسلامیہ کی جدوجہد کا عملی نتیجہ ہے اور آج امارتِ اسلامیہ کی قیادت میں اہلِ ایمان کی اخروی و دنیوی فوز و فلاح کا سفر ایک بار پھر رُو بہ منزل ہے اور ہم اہلِ ایمان سے تقاضہ کر رہا ہے کہ

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

پس پورے عالم میں بستے اہلِ ایمان اور خاص کر افغانستان کے پڑوس میں رہتے اہالیانِ برّ صغیر کے لیے لازم ہے کہ حمایت و تائید اسلام اور نفاذ و اقامتِ شریعتِ محمدی (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کے لیے امارتِ اسلامیہ کے اسوہ و منہج کو اپنائیں اور اپنی وابستگی و بیعت اس امارت کے ساتھ کر لیں جس نے ’جمہوریت‘، ’سیکولر ازم و ہیومن ازم‘، ’کیپٹل و سوشیو-کیپٹل ازم‘، ’چوتھے صنعتی انقلاب‘، ’مصنوعی ذہانت (آرٹیفیشل انٹیلی جنس)‘ اور اکیسویں صدی کے ’خدا فراموش‘ اور ’خود

---

[1] پاکستان کا سالانہ بجٹ برائے مالی سال ۲۰۱۷-۲۰۱۸ء تقریباً پچاس کھرب روپے تھا۔ (بحوالہ ایکسپریس ٹریبیون، ۲۶ مئی ۲۰۱۷ء)
[2] بحوالہ وائس آف امریکہ۔

پرستی' کے دور میں اقامتِ شریعت......دین کی اس تعبیر کے مطابق کر دی ہے کہ جو تعبیر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودہ صدیوں پہلے کر دی تھی(نحسبه كذلك والله حسيبه)۔ جس دین اور تعبیرِ دین کے متعلق اللہ نے اپنی رضا کا اعلان کر دیا تھا اور فرمایا تھا:

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيناً......(سورۃ المائدۃ: ۳)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کر لیا۔''

جس نعمتِ اسلام کا اتمام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے کر دیا اور جس دین و شریعت کو اس رحمان ورحیم نے ہمارے لیے پسند کر لیا، اس کی شریعت کا دنیا میں نفاذ، آخرت میں دیدارِ الٰہی، معیتِ نبویؐ اور حصولِ جنت کا زینہ ہے اور ساتھ ہی دنیا میں امن و آشتی، چین و سکون اور حیاتِ طیبہ کی ضمانت بھی۔ ایک ایسا امن و سکون کا معاشرہ جہاں مشیتِ ایزدی سے طاعون و کورونا جیسی وبائیں بھی پھیلیں تو بس رحمت ہی رحمت اور دخولِ بہشت کا ذریعہ ہوں۔

اللہ پاک ہمیں تمام آفات وبلیّات سے اپنی پناہ میں رکھے اور اپنی ہر صلاحیت و قوت اپنی بندگی میں صرف کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا ربّ العالمین!

◆◆◆◆◆

اہم اعلان

امارتِ اسلامیہ افغانستان کی اطاعت، نصرت اور اس عظیم قافلے سے اٹھتا نفاذِ شریعت کا مبارک پیغام عام کرنا ہم اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ اس ذمہ داری کی ادائیگی ہم پر لازم ہے اور چونکہ ہمارے مخاطبین برِّصغیر کے اہلِ ایمان ہیں، نیز برِّصغیر وہ سرزمین ہے جہاں وہ معرکہ بپا ہونا ہے، جس کی پیشین گوئی 'غزوۂ ہند' کی صورت میں احادیثِ مبارکہ میں موجود ہے...... پھر پورے برِّصغیر میں اللہ کے دین کو غالب کرنے اور مظلوم مسلمانوں کی نصرت کے لیے یہاں دعوت و جہاد کی تحریک بپا کرنا شرعی فریضہ بھی ہے۔

لہٰذا، مجلّہ 'نوائے افغان جہاد' کا نام مارچ ۲۰۲۰ء کے 'فتحِ مبین نمبر' کے بعد تبدیل کر کے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک الہامی پیشین گوئی ہی کے پیشِ نظر 'نوائے غزوۂ ہند' رکھ دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ امارتِ اسلامیہ افغانستان کی مدد و نصرت فرمائیں اور ہمیں اس کے لشکر کا سپاہی و پاسبان بنائے رکھیں۔ اللہ پاک برِّصغیر میں دعوت و جہاد کی مبارک محنت میں ہمیں قبول کر لیں اور اس مبارک جدوجہد کے ذریعے اسلام کی وہ بہاریں لائیں، جس کی خاطر سیّد احمد شہیدؒ نے برِّصغیر میں دعوت و جہاد کا عظمت و عزیمت والا معرکہ بپا کیا تھا۔

مخبرِ صادق محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری امت میں دو گروہ ایسے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے آگ سے محفوظ کر دیا ہے۔

ایک گروہ ہند پر چڑھائی کرے گا اور دوسرا گروہ جو عیسیٰ ابنِ مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوگا۔'' (صحیح حدیث بحوالہ مسندِ احمدؒ)

اور آپؐ نے فرمایا:

''میری امت کے کچھ لوگ ہند کے خلاف جنگ کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کو فتح عطا فرمائے گا،

حتیٰ کہ وہ ہند کے بادشاہوں (حاکموں) کو بیڑیوں میں جکڑے ہوئے پائیں گے، اللہ ان مجاہدین کی مغفرت فرمائے گا۔

(اور) جب وہ شام کی طرف پلٹیں گے تو عیسیٰ ابنِ مریم علیہ السلام کو وہاں پائیں گے۔'' (الفتن از امام نعیم بن حمادؒ)

شوقِ وطن

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ

ذیل میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز تالیف 'شوقِ وطن' نذرِ قارئین ہے۔ اس تحریر میں حضرت تھانویؒ نے انسان کو اس کے اصلی وطن یعنی آخرت کا شوق دلایا ہے۔ جیسا کہ اس تالیف کے شروع میں حضرت تھانویؒ نے خود فرمایا ہے کہ یہ انہوں نے ایک ایسے وقت میں تحریر فرمائی جب بعض علاقوں میں طاعون تیزی سے پھیل رہا تھا اور مسلمانوں میں بھی موت کا خوف عام تھا۔ اس وقت (۲۰۲۰ء میں) جب اس تالیف کو قسط وار مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں شائع کیا جا رہا ہے تو پوری دنیا کو طاعون ہی کی مثل ایک نئی وبا 'کورونا وائرس' نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ ایسے میں اس تالیف کو دوبارہ شائع کرنا اور عوام و خواص میں اس کی ترویج ایک صائب اقدام معلوم ہوتا ہے۔ حضرت تھانوی کے خلیفۂ خاص حضرت حکیم مصطفیٰ بجنوری رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تسہیل فرمائی تھی اور ذیل میں تسہیل ہی پیشِ خدمت ہے۔ اللہ جلّ جلالہ سے دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس تحریر کو پڑھنے سمجھنے اور اس کے ذریعے اپنے اصلی وطن یعنی آخرت کی تیاری کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین! (ادارہ)

الحمد لله الذي بشّر المؤمنين برضائه و سلّى المشتاقين بوعد لقائه والصلوٰة والسّلام على محمد الحبيب المحبوب الذي هو وُصلة بين الربِّ والمربوب و على آله و اصحابه الفائزين بالمطلب الاقصى والمقصد الاسنیٰ!

"تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے خوشخبری دی مومنین کو اپنی رضا کی اور تسلی دی عاشقوں کو اپنے دیدار کے وعدہ سے اور درود و سلام ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر جو پیارے محبوب ہیں، جو وسیلہ ہیں درمیان خالق اور مخلوق کے اور آپ کی آل و اصحاب پر جو کامیاب ہیں سب سے اعلیٰ مطلوب ہیں اور سب سے بلند مقصود ہیں۔"

اما بعد! غالباً تین سال کا عرصہ ہوا کہ ضلع مظفر نگر میں طاعون بشدت پھیلا اور ساتھ ہی وہ شدت کچھ عرصہ تک قائم بھی رہی اور ہمارا قصبہ تھانہ بھون بھی جو مظفر نگر ہی کے ضلع میں ہے، اسی میں شامل تھا۔ طاعون کی شدت و کثرت سے عام طور پر لوگوں میں پریشانی تھی۔ کوئی بستی چھوڑ کر بھاگ گیا اور کوئی بھاگنے کو تیار تھا، کوئی حیرت و وحشت میں مبتلا تھا۔ غرض عجیب سماں تھا۔ چونکہ شریعتِ مقدسۂ اسلامی نے تمام روحانی تکلیفوں اور باطنی امراض کے علاج کی ذمہ داری لی ہے اور یہ تکلیفیں پیدا ہوئی ہیں صبر کی کمی اور خدا تعالیٰ پر بھروسے میں کمزوری اور تقدیرِ الٰہی پر راضی نہ رہنے اور یقین کے نہ ہونے سے، اور ان سب کا اصل سبب صرف دنیا کی طرف رغبت اور آخرت کی طرف سے بے رغبتی ہے۔ اور سب جانتے ہیں کہ ہر بیماری کا علاج اس کے سبب کو دور کرنا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد حب الدنیا راس کل خطيئة (دنیا کی محبت جڑ ہے تمام گناہوں کی) کا اور ارشاد اكثروا ذكر باذم اللذات يعنی الموت (زیادہ کرو ذکر لذتوں کے فنا کرنے والی کا یعنی موت کا۔ ترمذی) کا راز یہی ہے۔

ان سب باتوں پر نظر کر کے بندے نے اسی قاعدہ کے موافق عام خلقت کی اصلاح کی طرف توجہ کی اور وعظ و نصیحت کے جلسوں میں آخرت کی نعمتوں کی طرف رغبت دلانا شروع کیا، جس سے دنیاوی لذتوں سے بے رغبتی پیدا ہو جانے کی خود بخود امید تھی۔ اور ان آخرت کی نعمتوں کے ملنے کا موت پر موقوف ہونا اور اس وجہ سے موت کا بھی نعمت ہونا بیان کیا گیا۔ نیز ان آخرت کی نعمتوں کی شرح میں قبر اور قیامت اور بہشت کے حالات اور مومن کے لیے جو خوشخبریاں آئی ہیں، ان کا بیان ہوا۔ اور اسی سلسلہ میں ہر قسم کی مصیبتوں اور بیماریوں کے، خصوصاً طاعون کے متعلق فضیلتیں اور ان سب پر جو آخرت کے اجر اور ثواب اور حق تعالیٰ کے قرب اور مقبولیت کے وعدے آئے ہیں جن پر ان آخرت کی نعمتوں اور خوشخبریوں کی بنا ہے۔ یہ سب مضمون وقتاً فوقتاً وعظوں میں ان بیچاروں کو سنائے جس سے کھویا ہوا اور فوری نفع دیکھنے میں آیا اور عام طور سے سننے والوں کی ڈھارس بندھ گئی اور خوشی اور اطمینان کے آثار ان میں نظر آنے لگے اور سب پریشانی سکون سے بدل گئی بلکہ لوگ کسی درجہ میں موت کے مشتاق نظر آنے لگے۔

جب ان لوگوں کے لیے وہ مضامین اس درجہ مفید ثابت ہوئے تو خیال ہوا کہ کئی برس سے ہندوستان میں وقتاً فوقتاً بہت جگہ طاعون کا غلبہ ہوتا رہتا ہے اور نہ معلوم کب تک ایسا رہے گا اور اکثر لوگ جہاں جہاں طاعون پھیلتا ہے، ان ہی پریشانیوں اور خوف میں مبتلا ہوتے ہیں جس سے نقصان آخرت کا تو ہوتا ہی ہے کہ صبر و توکل وغیرہ نہیں ہوتا، دنیا کی زندگی بھی تلخ ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہر جگہ کے لوگ اس مقویٔ روح اور مقویٔ قلب نسخے کے حاجت مند ہیں تو اگر وہ مضامین جن سے یہاں کے لوگوں کو نفع ہوا تحریر میں لا کر دیگر جگہ کے لوگوں کے پاس بھی پہنچائے جائیں تو حق تعالیٰ سے بہت امید ہے کہ ان کو بھی نفع ہو گا۔

لہٰذا ان مضامین کے جمع کرنے کا پختہ ارادہ ہوا لیکن اس وجہ سے کہ وہ مضامین مختلف وقتوں میں بیان ہوئے تھے یہ ناممکن تھا کہ وہ سب اسی شرح و بسط کے ساتھ لکھ لیے جائیں۔

لہٰذا ارادہ کیا کہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی ایک کتاب میں سے جس کا نام شرح الصدور ہے اس قسم کی حدیثیں چھانٹ کر اردو زبان میں ان کا عام فہم ترجمہ کر دیا جائے کیونکہ اس سے بھی اصل غرض پوری ہو جائے گی چنانچہ تقریباً تیس حدیثیں اس قسم کی جمع کرنے پایا تھا کہ جلدِ کتاب 'شرح الصدور' مذکور کی مصر کی چھپی ہوئی ایک دوست سے مل گئی، جس کے حاشیہ پر شیخ جلال الدین ہی کا ایک چھوٹا سا رسالہ "بشری الكتيب" چڑھا ہوا تھا، جس میں خاص وہی مضامین ہیں جو بعد موت کے بشارتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ رسالہ چونکہ میری مذکورہ غرض کے زیادہ موافق تھا اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ بجائے شرح الصدور سے مضامین منتخب کرنے کے اس رسالہ کے ایک کافی حصے کا اردو ترجمہ کر دیا جائے اور کہیں کہیں بطور کسی مضمون کی تائید کے یا کسی مضمون کو پورا کرنے کے یا کسی مضمون کی شرح کرنے کے دوسری

کتابوں سے بھی کچھ مضمون لے لیے جائیں جن کو اصل مضامین کا تابع اور ضمنی سمجھنا چاہیے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ جس مضمون کے ساتھ کسی کتاب کا حوالہ نہ ہو اس کو رسالہ ''بشریٰ الکتیب'' کا مضمون سمجھنا چاہیے۔ اور جس مضمون کو کسی دوسری کتاب سے لیا گیا ہو اس کے ساتھ اس کتاب کا نام بھی لکھ دیا جائے گا۔ اور میری اس کتاب کا نام ''شوق وطن'' اس وجہ سے اچھا معلوم ہوا کہ آخرت ہمارا اصلی وطن ہونے کی وجہ سے شوق کرنے کے قابل ہے جس کو ہماری غفلت نے بالکل بھلا دیا ہے اور اس کتاب میں اس غفلت کو دور کر کے اصلی گھر کا شوق دلایا گیا ہے۔

اب امید ہے کہ یہ کتاب بفضلہ تعالیٰ اس کام کی ہو گئی کہ ایسے خوف اور گھبراہٹ کے موقعوں پر اگر اس کو پڑھا یا سنا جائے یا چھوٹے یا بڑے مجمع میں پڑھ کر سنائی جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ بجائے غم کے خوشی، اور بجائے وحشت کے دل بستگی اور بجائے پریشانی کے اطمینان و سکون پیدا ہو جائے گا۔

اور اس کتاب میں کئی باب ہیں اور واضح رہے کہ گو مضمون اس کتاب کا عام فہم اور اردو میں ہے مگر ترجمہ کے ساتھ حدیثوں کی اصل عبارت بھی لکھی گئی ہے[1]۔ اس سے برکت کی امید بھی ہے اور یہ زیادہ اطمینان اور احتیاط کی بات بھی ہے۔ اور جہاں ترجمہ سے زیادہ کوئی بات لکھی گئی ہے اس کے شروع پر صرف فؔ اور ختم پر لفظ فقط آ لکھ دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو جس طرح کہ اس سے امید کی گئی ہے اس غرض کا، یعنی آخرت کے شوق کا ذریعہ بنائیں اور اس شوق کے ساتھ آخرت کے لیے تیاری کرنے کی توفیق دیں اور اس توفیق پر اپنا قرب اور مقبولیت عطا فرمائیں، آمین۔

(فقط اشرف علی)

پہلا باب: امراض و مصائب کے ثواب کے بیان میں

مسلمان کی ہر تکلیف گناہوں کا کفارہ ہے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ کسی مسلمان کو کوئی مشقت اور تعب اور فکر اور رنج اور اذیت اور غم نہیں پہنچتا یہاں تک کہ کانٹا بھی لگ جائے جس میں اس تکلیف و اذیت سے اس کے گناہوں کا کفارہ نہ ہو جاتا ہو۔ (بخاری و مسلم)

بخار مسلمانوں کے گناہوں کو دور کرتا ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سائب سے فرمایا کہ بخار کو برا مت کہو وہ بنی آدم کے گناہوں کو اس طرح دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو دور کرتی ہے۔ (مسلم)

آنکھوں کی مصیبت کے بدلے جنت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے بندے کو اس کی دو پیاری چیزوں یعنی آنکھوں کی مصیبت میں گرفتار کرتا ہوں پھر وہ صبر کرتا ہے تو اس کے عوض میں جنت دیتا ہوں۔ (بخاری)

بیماری کی حالت میں وفات پانے والے کے لیے جنت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسلمان کسی بلائے جسمانی یعنی مرض وغیرہ میں مبتلا ہوتا ہے تو فرشتے کو جو اس کے اعمال صالحہ لکھا کرتا تھا، حکم ہو جاتا ہے کہ جو نیک کام یہ پہلے سے (یعنی حالت صحت میں) کیا کرتا تھا وہ سب لکھتے رہو پھر اللہ تعالیٰ اگر اس کو شفا دیتا ہے تو اس کو پاک صاف کر دیتا ہے اور اگر وفات دیتا ہے تو اس کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرماتا ہے۔ (شرح السنۃ)

صبر کے ذریعے بلند مرتبہ تک پہنچنا:

محمد بن خالد رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ اور دادا کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندے کے لیے کوئی مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجویز ہوتا ہے جس پر وہ اپنے عمل کے ذریعے سے نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کے جسم یا اس کے مال یا اس کی اولاد میں کوئی بلا مسلط کر کے اس کو صبر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے۔ (مسند احمد، ابو داود)

بروز قیامت اہل مصیبت کو ثواب پہنچنا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز جس وقت اہل مصیبت کو ثواب عطا ہو گا اس وقت اہل عافیت تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھال قینچیوں سے کاٹی جاتی (تاکہ ہم کو بھی ایسا ہی ثواب ملتا)۔ (جامع ترمذی)

غموں کے ذریعہ گناہوں کا کفارہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندے کے گناہ بڑھ جاتے اور اس کے پاس کوئی نیک عمل ایسا ہوتا نہیں جو ان کا کفارہ ہو سکے تو خدا تعالیٰ اس کو کسی غم میں مبتلا فرماتا ہے تاکہ وہ ان کا کفارہ ہو جاوے۔ (مسند احمد)

دوسرا باب: طاعون کی فضیلت کا بیان

مسلمانوں کو طاعون سے شہادت کا درجہ ملتا ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طاعون (سے) مسلمان کے لیے شہادت (کا درجہ ملتا) ہے۔ (بخاری، مسلم)

---

[1] ہم نے کتاب کا متن 'انجمن احیاء السنۃ، لاہور' کے نسخے سے حاصل کیا ہے اور وہاں عربی عبارتیں درج نہیں ہیں۔ (ادارہ)

شہیدوں کی اقسام:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہدا پانچ قسم کے ہیں (۱)طاعون والا اور (۲) جس کو پیٹ کی بیماری ہو (جیسے اسہال و استسقا[1]) اور (۳)جو غرق ہو جائے؛ڈوب جائے اور (۴) جس پر مکان گر پڑے اور (۵) جو جہاد میں شہید ہو جائے۔(بخاری، مسلم)

طاعون اہل ایمان کے لیے رحمت ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کی نسبت دریافت کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (بعض کے لیے) ایک طرح کا عذاب ہے کہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے (بطور عذاب) کے بھیجتا ہے (اس بعض سے مراد کفار ہیں جیسا تقابل مقابلہ مومنین اس کا قرینہ ہے)اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اہل ایمان کے لیے رحمت بنایا ہے جو شخص وقوع طاعون کے وقت اپنی بستی میں صابر اور امیدوں پر اس اعتقاد سے کہ وہی ہو گا جو مقدر رہے ٹھہرا رہے گا تو اس کو شہید کے برابر ثواب ملے گا۔(بخاری)

یہ ثواب صرف وہاں ٹھہرے رہنے اور نہ بھاگنے سے ملتا ہے گو اس میں مرے نہیں اور طاعون میں مر جانے کے فضائل اس کے علاوہ ہیں۔فقط۔

طاعون میں ثابت قدم رہنے والے کے لیے درجۂ شہادت:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسا کہ جہاد سے بھاگنے والا اور اس میں ثابت قدم رہنے والے کو شہید کا ثواب ملتا ہے۔(مسند احمد)

اس کے دونوں جملوں سے معلوم ہوا کہ طاعون والوں کو گھر بیٹھے جہاد کا ثواب ملتا ہے۔ اور جہاد ثواب میں سب اعمال سے افضل ہے۔فقط۔

طاعون والے علاقہ میں ایک صحابی کا عمل:

علیم کندی سے روایت ہے کہ میں ابو عبس غفاری کے ساتھ ایک چھت پر تھا انہوں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ طاعون سے شہر چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ فرمانے لگے اے طاعون تو مجھ کو لے لے (کہ میں متمنی ہوں)۔(ابن عبدالبر، مروزی، طبرانی)

تیسرا باب: موت کو زندگی پر ترجیح دینے کا بیان

موت مومن کے لیے تحفہ ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحفہ "مرغوبہ"(دل پسند) مسلمان کا موت ہے۔(طبرانی)

دین میں خرابی پیدا ہونے سے بہتر موت ہے:

محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی موت کو ناگوار سمجھتا ہے حالانکہ موت اس کے لیے دین میں خرابی پڑنے سے بہتر ہے۔(مسند احمد)

یعنی موت میں یہ نفع ہے کہ پھر دین بگڑنے کا اندیشہ نہیں اور حیات میں اس کا خوف لگا ہے۔ خصوصاً جب اس کے اسباب بھی جمع ہوں، نعوذ باللہ منہ۔فقط۔

دنیا مسلمان کے لیے قید اور مقام قحط ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا مومن کا جیل خانہ اور مقام قحط ہے (کہ راحت اور نعمت دونوں کم ہیں) سو جب دنیا کو چھوڑتا ہے تو جیل خانہ اور مقام قحط کو چھوڑتا ہے۔ کیونکہ آخرت میں راحت اور نعمت دونوں کامل ہیں۔(طبرانی)

مسلمان کے لیے موت گناہوں کا کفارہ ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت ہر مسلمان کے (گناہوں) کا کفارہ ہے۔

کہ اس کی تکالیف سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ کل[2] یا بعض علی اختلاف الاحوال۔(ابو نعیم)

موت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا:

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ الٰہی جو شخص میرے رسول ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے موت کو اس کا محبوب بنا دیجیے۔(طبرانی)

موت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نصیحت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری نصیحت یاد رکھو تو تم کو موت سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہ ہونا چاہیے۔(الاصبہانی)

موت اور دنیا کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عجیب مثال:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا سے آدمی کے انتقال کرنے کو پس اس مثال کے مشابہ پاتا ہوں جیسے بچہ ماں کے پیٹ سے یعنی اس تنگی و تاریکی سے دنیا کی کشادگی میں آتا ہے (کہ آنے کے) قبل اس کو بڑی راحت کی جگہ سمجھتا تھا۔ مگر دنیا کی راحت و لذت دیکھ کر پھر وہاں جانا نہیں چاہتا۔ اسی طرح دنیا میں وہ آخرت سے گھبراتا ہے مگر وہاں جا کر پھر یہاں آنا پسند نہ کرے گا۔ یہ تفسیر خود ایک حدیث میں آئی ہے۔(ترمذی)

[1] اسہال یعنی دستوں کی بیماری اور استسقا یعنی جو جتنا بھی پانی پی لیتا ہو پیاس نہ بجھتی ہو۔

[2] یعنی بعض کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور بعض کے تھوڑے۔

دو شبہات اور ان کے جوابات:

پہلا شبہ: یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کو حیات پر ترجیح ہے اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات کو موت پر ترجیح ہے مثلاً بخاری اور مسلم کی حدیث ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ تمنا کرے کوئی تم میں موت کی، کیونکہ اگر وہ نیکوکار ہے تو زندگی بڑھنے سے اور نیکیاں اس کی بڑھ جاویں گی اور اگر گنہگار ہے تو شاید توبہ کی توفیق ہو جائے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ موت سے زندگی ہی بہتر ہے۔ اس شبہ کا حل یہ ہے کہ مختلف اعتبارات سے احکام بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔ زندگی میں نیکیاں بڑھ سکتی ہیں اور گناہوں سے توبہ ہو سکتی ہے جیسا کہ حدیث مذکور میں بھی یہی وجہ بیان کی گئی ہے۔ اور موت اس کے برعکس ہے، مگر یہ وجہ ترجیح کی ایک عارضی اور چند روزہ ہے اور اس اعتبار سے کہ دنیا آخرت کے مقابلے میں ایسی ہی تنگ و تاریک ہے جیسے دنیا کے مقابلے میں ماں کا پیٹ ہے اس اعتبار سے موت ہی کو ترجیح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ دنیا سے چھوٹنا اور اس تیرہ و تاریک[1] گھر سے نکل کر فراخ اور اچھے گھر میں پہنچنا بلا موت کے ممکن نہیں اور دار آخرت کا یہ وصف کہ دنیا سے بدرجہا بہتر ہے اور دنیا اس کے سامنے کوئی چیز نہیں یہ وصف عارضی نہیں بلکہ ذاتی اور دائمی ہے اور ذاتی اور دائمی کی ترجیح عارضی اور فانی پر ظاہر ہے تو اس جواب سے دونوں حدیثوں میں مخالفت بھی نہیں رہی اور موت کو زندگی کے ساتھ برابری بھی نہیں رہی بلکہ موت ہی کو ترجیح ہوئی۔

دوسرا شبہ: یہ ہے کہ حدیث میں موت کی تمنا کرنے سے بھی ممانعت آئی ہے تو اگر موت اچھی چیز ہوتی تو اس کی تمنا سے کیوں منع کیا جاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسی حدیث میں یہ لفظ بھی ہے من ضراصابہ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ یہ تمنا کرے موت کی بوجہ کسی مصیبت کے جو اس پر آپڑی ہو یعنی کسی دنیوی تکلیف سے گھبرا کر موت کی تمنا نہ کرنی چاہیے کیونکہ یہ علامت ہے حکم الٰہی پر راضی نہ ہونے کی، تو اگر موت کی تمنا آخرت کے شوق کی وجہ سے ہو یا دنیا کے فتنوں سے بچنے کے لیے ہو تو منع نہ ہو گی۔ فقط۔ اور ایک جواب اس کا اخیر کتاب میں زیر عنوان (زیادتی عمر کے متعلق تحقیق) بھی آتا ہے۔

چوتھا باب: بعض مومنین پر موت کی شدت کا بیان

مومن کے لیے موت کی سختی گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (بعض اوقات) مومن سے کوئی گناہ ہو جاتا ہے سو اس کے کفارہ کے لیے اس پر موت کے وقت (نزع میں) شدت کی جاتی ہے اور (بعض اوقات) کافر سے کوئی نیک کام ہو جاتا ہے تو اس کا صلہ دینے کے لیے موت کے وقت اس پر سہولت کی جاتی ہے۔ (طبرانی، ابونعیم)

پس نہ شدتِ موت علامتِ مذمومہ ہے اور نہ سہولت مطلقاً علامت محمودہ ہے۔ پس اس شدت سے مدح موت میں جو کہ اوپر مذکور ہے شبہ نہ کیا جاوے۔ فقط۔

پانچواں باب: موت کے وقت مومن کی عزت اور اس کے لیے بشارت

مرتے وقت مسلمان کے لیے بشارت:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن دنیا سے رخصت اور آخرت کی آمد کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے فرشتے آتے ہیں جن کے چہرے آفتاب کی طرح روشن ہوتے ہیں ان کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے یہاں تک کہ منتہائے نظر کے فاصلے پر بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت اس کے سر کے پاس آکر بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں، 'اے جان جس کو خدا کے حکموں پر اطمینان تھا، اللہ کی مغفرت اور رضامندی کی طرف چل'۔ وہ اس طرح (آسانی سے) نکلتی ہے جیسا مشک سے (پانی کا) قطرہ ڈھلک آتا ہے گو تم (ظاہر میں) اس کے خلاف حالت دیکھو (کہ شدت سے جان نکلی تو وہ شدت جسم پر ہوتی ہے روح کو راحت ہوتی ہے) غرض فرشتے اس روح کو نکالتے ہیں اور نکالنے کے بعد ملک الموت کے ہاتھ میں بھی چشم زدن کے لیے بھی نہیں چھوڑتے بلکہ اس (بہشتی) کفن اور خوشبو میں رکھ لیتے ہیں اور اس سے ایسی خوشبو نکلتی ہے جیسے دنیا میں مشک کی تیز سے تیز خوشبو ہو پھر وہ اس کو لے کر اوپر کو چڑھتے ہیں سو فرشتوں کے جس گروہ پر ان کا گزر ہوتا ہے وہ پوچھتے ہیں یہ پاکیزہ روح ہے، وہ اس کے اچھے سے اچھے نام سے جو دنیا میں مشہور تھا، بتلاتے ہیں کہ فلاں بن فلاں ہے یہاں تک کہ (اسی حالت سے) وہ اس کو اس قرب والے آسمان (یعنی سمائے دنیا) کی طرف پھر وہاں سے (سب آسمانوں سے گزر کر) ساتویں آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے اس کا نام علیین میں لکھ دو اور اس کو (سوالِ قبر کے لیے) پھر زمین کی طرف لے جاؤ۔ سو اس کی (یہ) روح بدن میں لوٹائی جاتی ہے (برزخ کے مناسب نہ کہ دنیا کی طرح) پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں وہ اس کو بٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کون تھے جو تمہاری طرف اور تم میں مبعوث ہوئے؟ وہ کہتا ہے کہ یہ اللہ کے پیغمبر ہیں وہ کہتے ہیں تجھ کو کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہتا ہے کہ میں نے قرآن شریف پڑھا اور اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی پھر آسمان سے ایک منادی (منجانب اللہ) ندا دیتا ہے کہ میرے بندے نے صحیح جواب دیا، اس کے لیے جنت کا فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے واسطے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو، پس اس کو جنت کی ہوا اور خوشبو پہنچتی ہے اور منتہائے نظر تک اس کے لیے قبر میں کشادگی ہو جاتی ہے اور اس کے پاس ایک شخص عمدہ لباس عمدہ خوشبو والا آتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تجھ کو خیر و مسرت کا مژدہ ہو، یہ وہ ہی ہے جس کا تجھ سے وعدہ ہوتا تھا۔ وہ پوچھتا

[1] تنگ و تاریک

ہے تو کون ہے تیرے تو چہرے سے خیر معلوم ہوتی ہے وہ کہتا ہے میں تیرا عملِ صالح ہوں۔ میت بار بار کہتا ہے کہ اے رب (جلدی قیامت قائم کر دیجیے کہ میں اپنے اہل و اموال میں جاؤں (جو قیامت میں ملیں گے)۔(احمد، ابوداؤد، حاکم، بیہقی)

موت کا فرشتہ ہر مسلمان کے ساتھ نرم ہے:

جعفر محمد رضی اللہ عنہ سے، وہ اپنے باپ ابن الخزج سے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے ملک الموت کو ایک انصاری کے سرہانے دیکھا اور فرمایا 'اے ملک الموت! میرے صحابی سے نرمی کرو کہ وہ مومن ہے'۔ ملک الموت نے کہا کہ آپ دل خوش رکھیے اور آنکھیں ٹھنڈی رکھیے اور یقین کیجیے کہ میں ہر مسلمان کے ساتھ نرم ہوں۔(طبرانی)

مومن کی روح نرمی سے نکلتی ہے:

براء رضی اللہ عنہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس فرشتے ایک حریر لے کر آتے ہیں، جس میں مشک و عنبر اور ریحان بسا ہوتا ہے اور اس کی روح اس طرح نرمی سے نکل آتی ہے جیسے آٹے سے بال نکل آتا ہے۔ اور اس سے کہا جاتا ہے 'اے جان جس کو خدا کے حکموں پر اطمینان تھا، تو حق تعالیٰ کی رحمت اور سامان عزت کی طرف سے اس حالت میں چل کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی'، پھر جب روح نکلتی ہے تو اسے مشک و ریحان پر رکھ کر اوپر سے وہ حریر لپیٹ دیا جاتا ہے اور علیین کی طرف اس کو لے جاتے ہیں۔

مرتے وقت مسلمان کی خواہش:

ابن جریج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جب مومن ملائکہ کو دیکھتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم تجھ کو پھر دنیا کی طرف واپس کر دیں (یعنی روح نہ نکالیں)۔ وہ کہتا ہے کہ مقام ہموم و غموم کی طرف (واپس کرتے ہو) مجھ کو تو اللہ تعالیٰ کے پاس لے چلو۔(شرح الصدور)

ملک الموت نیک بندوں کو سلام کرتا ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ملک الموت خدا کے مقبول بندے کے پاس آتے ہیں تو اس کو سلام کرتے ہیں اور ان کا سلام یہ ہے کہ کہتے ہیں السلام علیک یا ولی اللہ، اٹھو اور اس گھر سے جس کو خالی کر دیا ہے اس گھر کی طرف چلو جس کو معمور کر دیا ہے (یعنی دار دنیا سے دار آخرت کی طرف)۔(شرح الصدور)

موت سے پہلے مومن کو اللہ تعالیٰ سلام بھیجتے ہیں:

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی مومن کی روح قبض کرنا چاہتا ہے تو ملک الموت کو حکم ہوتا ہے کہ اس کو میرا اسلام کہنا۔ سو جب ملک الموت اس کی قبضِ روح کے واسطے آتے ہیں اس سے کہتے ہیں کہ تیرا رب تجھ کو سلام فرماتا ہے (سبحان اللہ کیا دولت ہے ایسی موت پر ہزاروں زندگی قربان)۔(شرح الصدور)

مرتے وقت اللہ تعالیٰ مسلمان کی آنکھوں کو ٹھنڈا فرما دیتے ہیں:

زید بن اسلم سے روایت ہے کہ مومن کے پاس موت کے وقت فرشتوں کو بھیجا جاتا ہے اور ان کی معرفت کہا جاتا ہے کہ جہاں تو جاتا ہے وہاں سے ڈرنا نہیں۔ سو اس کا خوف جاتا رہتا ہے اور دنیا اور اہل دنیا کی مفارقت پر غم مت کرنا اور جنت کے مژدے سے خوش ہو، سو وہ ایسی حالت میں مرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا ہے (یعنی اس کو چین دیتا ہے) اور ان ہی سے آیت 'ان الذین قالوا...... الخ'[5] کی تفسیر میں منقول ہے کہ اوقاتِ موت و دفن و حشر میں اس کو بشارت دی جاتی ہے، سو جنت میں جانے پر بھی اس بشارت کی فرحت اس کے قلب سے نہ جائے گی۔(شرح الصدور)

چھٹا باب: مرنے کے بعد ارواح کی باہمی ملاقات اور بات چیت کا بیان

مرنے والے شخص سے پہلے سے فوت شدہ لوگ پچھلوں کا حال دریافت کرتے ہیں:

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن کی روح قبض کی جاتی ہے تو خدا کے مرحوم بندے اس طرح آگے بڑھ کر اس سے ملتے ہیں جیسے دنیا میں کسی خوشخبری لانے والے سے ملا کرتے ہیں۔ پھر (ان سے بعضے) کہتے ہیں کہ ذرا اس کو مہلت دو کہ دم لے لے، کیونکہ (دنیا میں) یہ بڑے کرب میں تھا۔ بعد اس کے اس سے پوچھنا شروع کرتے ہیں کہ فلانے شخص کا کیا حال ہے اور فلاں عورت کا کیا حال ہے، کہ کیا اس نے نکاح کر لیا ہے؟ پھر اگر ایسے شخص کا حال پوچھ بیٹھے جو اس شخص سے پہلے مر چکا ہے اور اس نے کہہ دیا کہ وہ تو مجھ سے پہلے مر چکا ہے، تو اناللہ پڑھ کر کہتے ہیں کہ بس اس کو اس کے ٹھکانے یعنی دوزخ کی طرف لے جایا گیا، سو وہ جانے کی بھی بری جگہ ہے اور رہنے کی بھی بری جگہ ہے۔ اور ارشاد فرمایا ہے کہ تمہارے اعمال تمہارے رشتہ دار اور خاندان والوں کے سامنے جو کہ آخرت میں ہیں، پیش کیے جاتے ہیں۔ اگر عمل نیک ہوا تو خوش اور بشاش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ! یہ آپ کا فضل اور رحمت ہے سو اپنی یہ نعمت اس پر پوری کیجیے اور اسی پر اس کو موت دیجیے۔

(باقی صفحہ نمبر 33 پر)

[5] اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ (سورۃ فصلت: ۳۰)

"جن لوگوں نے (دل سے) اقرار کر لیا کہ ہمارا رب اللہ ہے (ف ۴) پھر (اس پر) مستقیم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم اندیشہ نہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت (کے ملنے) پر خوش رہو جس کا تم سے (پیغمبروں کی معرفت) وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں دنیا کی حقیقت

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر نوّر اللہ مرقدہٗ

80۔وَعَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَسَنَتُهٗ وَاِذَا فَارَقَ الدُّنْيَا فَارَقَ السِّجْنَ وَالسَّنَةَ

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور قحط ہے، جب وہ دنیا سے جدا ہوتا ہے تو قید خانہ اور قحط سے نجات پاتا ہے۔

تشریح: قید خانہ اور قحط ہے کہ ہمیشہ محنت اور تنگیٔ معاش میں رہتا ہے یعنی اگر دنیا کی نعمت بھی مومن کو مل جاوے پھر بھی آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں یہاں کی راحتیں اور نعمتیں قید خانہ اور قحط کا حکم رکھتی ہیں، یامراد یہ ہے کہ مومن ہمیشہ طاعت اور عبادت اور مجاہدہ کی زندگی گزارتا ہے اور اس محنت آباد سے خلاصی کا شوق رکھتا ہے۔ اور روایت کیا گیا ہے کہ

لَايَخْلُو الْمُؤْمِنُ مِنْ قِلَّةٍ اَوْ عِلَّةٍ اَوْ ذِلَّةٍ وَقَدْ يَجْتَمِعُ لِلْمُؤْمِنِ الْكَامِلِ جَمِيْعُ ذٰلِكَ

ترجمہ: نہیں خالی ہوتا مومن مال کی کمی یا بیماری یا ذلت سے، کبھی مومنِ کامل میں یہ سب جمع ہوتے ہیں۔

81۔وَعَنْ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَحَبَّ اللهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا كَمَا يَظَلُّ اَحَدُكُمْ يَحْمِيْ سَقِيْمَهُ الْمَاءَ۔رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ

ترجمہ: حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے اس کو دنیا سے بچاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے۔

تشریح: یعنی جس طرح استسقاء اور ضعفِ معدہ وغیرہ کے مریضوں کو پانی سے بچایا جاتا ہے بوجہ نقصان کرنے کے اسی طرح حق تعالیٰ جس بندے سے محبت فرماتے ہیں اس کو دنیا کے مال اور جاہ اور منصب اور تمام اُن باتوں سے بچاتے ہیں جو اس بندے کے دین کے لیے نقصان کا سبب ہونے والی ہوں اور جس سے اس کی آخرت کا نقصان ہو۔

82۔ وَعَنْ مَحْمُوْدِ ابْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِثْنَتَانِ يَكْرَ هُهُمَا ابْنُ اٰدَمَ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِّلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَيَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ وَقِلَّةُ الْمَالِ اَقَلُّ لِلْحِسَابِ

ترجمہ: حضرت محمود ابنِ لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو چیزیں ہیں جن کو آدم کا بیٹا بُرا سمجھتا ہے۔ ایک تو موت کو حالاں کہ موت مومن کے لیے فتنہ سے بہتر ہے، دوسرے مال کی کمی کو حالاں کہ مال کی کمی حساب میں کمی کی موجب ہے۔

تشریح: فتنہ سے مراد گرفتاریٔ شرک اور کفر اور گناہ ہے، اس فتنہ سے مومن کی موت بہتر ہے، لیکن اگر دنیا کی کوئی مصیبت اور تکلیف ہے تو یہ مومن کے لیے گناہوں کے معاف ہونے کا کفارہ ہے اور درجات بلند ہونے کا سبب ہے پس ایسی صورت میں موت کی تمنا جائز نہیں۔ اسی طرح مال کی کمی سے مومن کو خوش ہونا چاہیے کہ قیامت کے دن حساب مختصر ہوگا، نیز مال زیادہ کمانے کی مشقت اور فکر وپریشانی فقر کی محنت سے کم نہیں، اور بقدرِ ضرورت پر قناعت میں آخرت کی تیاری کا وقت زیادہ ملتا ہے اور دل میں نرمی اور صفائی خوب رہتی ہے۔

83۔وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اُخِفْتُ فِي اللهِ وَمَايُخَافُ اَحَدٌ وَّلَقَدْ اُوْذِيْتُ فِي اللهِ وَمَا يُوْذٰى اَحَدٌ وَّلَقَدْ اَتَتْ عَلَيَّ ثَلٰثُوْنَ مِنْ بَيْنِ لَيْلَةٍ وَّيَوْمٍ وَّمَالِيْ وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَّاْكُلُهٗ ذُوْكَبِدٍ اِلَّا شَيْءٌ يُّوَارِيْهِ اِبْطُ بِلَالٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ:وَمَعْنٰى هٰذَا الْحَدِيْثِ حِيْنَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَارِبًا مِّنْ مَّكَّةَ وَمَعَهٗ بِلَالٌ اِنَّمَا كَانَ مَعَ بِلَالٍ مِّنَ الطَّعَامِ مَايَحْمِلُ تَحْتَ اِبْطِهٖ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں (اللہ کے دین کے اظہار کے سبب) ڈرایا گیا اور (میرے ساتھ) کسی اور کو نہیں ڈرایا گیا (یعنی ابتدائے اظہارِ اسلام میں کوئی میرے ساتھ نہ تھا) اور مجھ کو اللہ کے دین میں ایذا دی گئی اور کسی کو ایذا نہیں دی گئی میرے ساتھ، اور البتہ مجھ پر تیس دن اور تیس راتیں اس طرح گزریں کہ میرے اور بلال کے لیے کھانا نہ تھا وہ کھانا جس کو ہر جگر رکھنے والا کھاتا ہے مگر ایک نہایت خفیف سی چیز جس کو بلال بغل میں چھپائے رہتے تھے۔ ترمذی نے اس حدیث کے معنیٰ یہ بیان کیے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے تیزی سے باہر نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کھانے کی چیزوں میں سے صرف اتنا تھا جس کو وہ بغل میں دبائے رہتے تھے۔

تشریح: مراد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قدر میں ڈرایا گیا دین کی راہ میں اور جس قدر اذیت دیا گیا اس قدر کوئی نبی نہ تو ڈرایا گیا اور نہ اذیت دیا گیا، اس لیے کہ ایذا ہر شخص کو اس کے مرتبہ کے مطابق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ سب سے عالی تر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر خواہش اُمت کے ایمان اور ہدایت کی سب سے زیادہ تھی۔ اور یہ جو روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ساتھ تھے حالاں کہ ہجرت کے وقت حضرت بلال نہ تھے تو یہ قصہ غالباً اس وقت کا ہے جب ابو طالب کا انتقال ہوا اور اسی کے قریب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا اس سال کو عام الحزن یعنی غم کا سال کہا جاتا ہے، اس وقت ابتلا اور اذیت کفار کی طرف سے بہت بڑھ گئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے تین ماہ بعد مکہ سے طائف تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے۔ ایک ماہ تک وہاں تبلیغ فرمائی لیکن کسی نے نہ مانا اور اپنے لڑکوں کو اور نادانوں کو لگا دیا یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مارتے تھے حتیٰ کہ آپ کے خون مبارک سے آپ کے نعلین مبارک آلودہ ہوگئے اور یہ لوگ خوب ہنستے۔ پروردگارِ عالم نے ایک ابر بھیجا

جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کیا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا کہ اگر آپ فرمائیں تو پہاڑوں کو ملا دیا جاوے اور ان کفار کو پیس دیا جاوے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اُمید کرتا ہوں کہ ان کفار کی پشتوں سے ایسی اولاد پیدا ہو جو ایمان لاوے۔ اس وقت آپ کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہونے کا امکان ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

84۔وَعَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ قَالَ شَکَوْنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْجُوْعَ فَرَفَعْنَا عَنْ بُطُوْنِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ حَجَرَیْنِ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ

ترجمہ: حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا دکھایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیٹ کھول کر دکھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقر اختیاری تھا اضطراری نہ تھا۔ اور آپ کے اس طرزِ عمل میں مساکین و فقرائے اُمت کے لیے بڑی تسلی ہے۔

85۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ اَصَابَہُمْ جُوْعٌ فَاَعْطَاھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَمْرَۃً تَمْرَۃً

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فقراء صحابہ کو جب بھوک نے ستایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک ایک کھجور عطا فرمائی۔

تشریح: یعنی فقر و تنگیٔ رزق ان حضرات پر اس قدر زیادہ تھی کہ کبھی ایک ہی کھجور پر گزارا کرتے تھے۔

86۔وَعَنْ عَمْرِوابْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خَصْلَتَانِ مَنْ کَانَتَافِیْہِ کَتَبَہُ اللّٰہُ شَاکِرًا صَابِرًا مَّنْ نَّظَرَ فِیْ دِیْنِہٖ اِلٰی مَنْ ھُوَ فَوْقَہٗ فَاقْتَدٰی بِہٖ وَنَظَرَ فِیْ دُنْیَاہُ اِلٰی مَنْ ھُوَ دُوْنَہٗ فَحَمِدَ اللّٰہَ عَلٰی مَا فَضَّلَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ کَتَبَہُ اللّٰہُ شاکِرًا صَابِرًا وَّمَنْ نَّظَرَ فِیْ دِیْنِہٖ اِلٰی مَنْ ھُوَ دُوْنَہٗ وَنَظَرَ فِیْ دُنْیَاہُ اِلٰی مَنْ ھُوَ فَوْقَہٗ فَاَسِفَ عَلٰی مَا فَاتَہٗ مِنْہُ لَمْ یَکْتُبْہُ اللّٰہُ شَاکِرًا وَّلَا صَابِرًا۔رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو خصلتیں جس شخص میں پائی جائیں اللہ تعالیٰ اس کو شاکر اور صابر لوگوں میں لکھ دیتا ہے۔ ایک تو یہ کہ دینی اُمور میں جو کسی شخص کو اپنے سے بہتر و برتر دیکھے تو اس کی اقتدا کرے اور دنیاوی اُمور میں اُس شخص کو دیکھے جو اس سے کم تر درجہ کا ہے پھر وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے کہ اس نے اس شخص پر اس کو فضیلت بخشی ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کو شاکر (اس لیے کہ اس نے کم تر درجہ کے شخص کو دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کیا ہے) اور صابر (اس لیے کہ اس نے اپنے سے بالاتر شخص کو دیکھ کر صبر کیا) لکھ دیتا ہے، اور جو شخص دین میں اس شخص کو دیکھے جو اس سے کم ہے اور دنیا میں اس شخص کو دیکھے جو اس سے بالاتر ہے پھر غم کرے اس چیز پر جو اس سے فوت ہوئی یعنی مال وغیرہ تو اللہ تعالیٰ اس کو صابر اور شاکر قرار نہیں دیتا۔

تشریح: صابر و شاکر لکھتا ہے یعنی حق تعالیٰ اس پر عمل کرنے والے کو مومنِ کامل کرتا ہے۔ حدیثِ مذکور میں تعلیم ہے کہ اُمورِ دنیا میں اپنے سے کم تر انسان کو دیکھے اور دین کے معاملے میں اپنے سے بہتر انسان کو دیکھے۔ اس کا انعام اور ثمرہ یہ ہوگا کہ اپنے سے کم تر اور غریب کو دیکھ کر اس کو شکر کی توفیق ہوگی اور قلب حسرت اور رنج اور غم سے امن اور سکون میں رہے گا برعکس اگر اپنے سے امیر اور مال دار اور عیش والے کو دیکھتا تو حسرت اور غم سے قلب بے سکون ہو جاتا اور ناشکری سے نعمتِ موجودہ کے زوال کا اور عذابِ الٰہی کا خطرہ الگ۔ اس طرح دین کے معاملے میں اپنے سے زیادہ علم اور عبادت والے کو دیکھنے سے اپنی عبادت سے ناز اور غرور ٹوٹ جاوے گا اور زیادہ عبادت کی حرص پیدا ہوگی۔ تو عجب اور تکبر سے نجات اور توفیق زیادتیٔ عبادت کی کس قدر بڑی نعمت ہے۔ احقر عرض کرتا ہے کہ اس اُصول پر زندگی گزارنے سے روح اور قلب کو جو سکون ملتا ہے وہ دنیا کے کسی اُصول سے نہیں حاصل ہو سکتا۔ یہی وہ علومِ نبوت ہیں جو حضرت نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان کو قوی تر کرتے ہیں کہ اُمّی ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ علم حق تعالیٰ کے سرچشمۂ علم سے منعکس ہو کر ہم تک پہنچا۔

فصلِ سوم

87۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ بَیْنَمَا اَنَا قَاعِدٌ فِی الْمَسْجِدِ وَحَلْقَۃٌ مِّنْ فُقَرَاءِ الْمُھَاجِرِیْنَ قُعُوْدٌ اِذْ دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَعَدَ اِلَیْھِمْ فَقُمْتُ اِلَیْھِمْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِیُبَشَّرْ فُقَرَاءُ الْمُھَاجِرِیْنَ بِمَا یَسُرُّ وُجُوْھَھُمْ فَاِنَّھُمْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ قَبْلَ الْاَغْنِیَاءِ بِاَرْبَعِیْنَ عَامًا قَالَ فَلَقَدْ رَاَیْتُ اَلْوَانَھُمْ اَسْفَرَتْ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ حَتّٰی تَمَنَّیْتُ اَنْ اَکُوْنَ مَعَھُمْ اَوْ مِنْھُمْ۔ رَوَاہُ الدَّارَمِیُّ

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم مسجدِ نبوی میں بیٹھے تھے اور فقرائے مہاجرین کا حلقہ جما ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فقرائے مہاجرین کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے میں اٹھا اور فقرائے مہاجرین کی طرف متوجہ ہو گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فقرائے مہاجرین کو وہ بشارت پہنچا دینی چاہیے جو ان کے چہروں کو شگفتہ کر دے۔ (اور وہ بشارت یہ ہے کہ) وہ جنّت میں دولت مندوں سے چالیس برس پہلے داخل ہوں گے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا (یہ سن کر) فقرائے مہاجرین کے چہروں کا رنگ روشن ہو گیا۔ عبد اللہ ابنِ عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ فقرائے مہاجرین کو خوش پا کر میں نے اپنے دل میں یہ آرزو کی کہ میں بھی ان کے ساتھ ہوتا یا ان میں سے ہوتا۔

تشریح: اسی باب میں فصلِ دوم کی حدیث نمبر 75 اور 76 میں ہو چکی ہے۔

88۔ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اَمَرَنِیْ خَلِیْلِیْ بِسَبْعٍ اَمَرَنِیْ بِحُبِّ الْمَسٰکِیْنِ وَالدُّنُوِّ مِنْهُمْ وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَنْظُرَ اِلٰی مَنْ هُوَ دُوْنِیْ وَلَا اَنْظُرَ اِلٰی مَنْ هُوَ فَوْقِیْ وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَصِلَ الرَّحِمَ وَاِنْ اَدْبَرَتْ وَاَمَرَنِیْ اَنْ لَّا اَسْاَلَ اَحَدًا شَیْئًاوَّاَمَرَنِیْ اَنْاَقُوْلَ بِالْحَقِّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا وَّاَمَرَنِیْ اَنْ لَّا اَخَافَ فِی اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَّاَمَرَنِیْ اَنْ اُکْثِرَ مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ فَاِنَّهُنَّ مِنْ کَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میرے خلیل جانی دوست نے مجھ کو سات باتوں کا حکم دیا ہے: حکم دیا مجھ کو یہ کہ میں مساکین سے محبت کروں اور ان سے قریب رہوں، اور یہ حکم دیا کہ میں اپنے سے کم درجہ کے لوگوں کو دیکھوں اور اپنے سے بالاتر لوگوں کو نہ دیکھوں، اور یہ حکم دیا کہ میں قرابت داروں سے ناتے بندی کو قائم رکھوں اگرچہ خود رشتہ دار ہی قرابت داری کو منقطع کر دیں، اور یہ حکم دیا کہ میں کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کروں، اور یہ حکم دیا کہ میں سچی بات کہوں اگرچہ وہ تلخ ہو، اور حکم دیا کہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کسی کی ملامت سے نہ ڈروں، اور یہ حکم دیا کہ میں اکثر لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہتا رہوں۔ یہ تمام عادتیں اور باتیں اس خزانہ کی ہیں جو عرشِ الٰہی کے نیچے ہے۔

تشریح: حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ یہ معنوی خزانہ ہے جو عرشِ رحمٰن کے نیچے ہے اور وہاں تک کوئی نہ پہنچے گا مگر لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ کی برکت سے، یا خزانہ سے مراد جنّت کے خزانے ہیں جو عرشِ الٰہی کے نیچے ہیں اس لیے جنّت کی چھت عرش ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب اس کلمہ کو پڑھا تو ارشاد فرمایا کہ اے عبد اللہ بن مسعود! جانتے ہو کہ کیا تفسیر ہے اس کی؟ عرض کیا کہ اللہ اور رسول خوب جانتے ہیں اس کو۔ ارشاد فرمایا کہ اس کلمہ کا مفہوم یہ ہے کہ نہیں کوئی گناہوں سے محفوظ رہ سکتا مگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے اور نہیں کوئی نیک عمل ہو سکتا ہے مگر حق تعالیٰ کی مدد سے۔ ہم نے اپنے طالبین کو وصیت فرمائی کہ اس کلمہ کا زیادہ وِرد رکھیں اور فرمایا کہ توفیقِ عمل کے لیے اس سے زیادہ بہتر کوئی کلمہ نہیں۔ احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ کا ورد طالبین کو بہت تاکید سے کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جب تک بندہ اپنی طاقت پر نظر رکھتا ہے حق تعالیٰ کی مدد نہیں آتی۔ لیکن جب کہ کہتا ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ تو گویا اس کلمہ سے اقرار کرتا ہے کہ میں ضعیف ہوں اور میرے اندر گناہوں سے بچنے کی طاقت اور نیک اعمال کرنے کی طاقت آپ ہی کی مدد سے آئے گی، ہم ضعیف ہیں آپ قوی ہیں پس حق تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور توفیق کا خزانہ بھیج دیتے ہیں اور یہی توفیق جنّت تک رسائی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اگر ہر روز ستر مرتبہ یہ کلمہ پڑھ لیا جاوے تو عمل کی توفیق کے لیے اکسیر ہے اور نماز سے پہلے پڑھ لے تو نماز عمدہ ادا ہو۔

89۔ وَعَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَ بِهٖ اِلَی الْیَمَنِ قَالَ اِیَّاکَ وَالتَّنَعُّمَ فَاِنَّ عِبَادَ اللهِ لَیْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِیْنَ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن روانہ فرمایا تو یہ نصیحت فرمائی کہ اپنے آپ کو استراحت و تن آسانی سے بچا اس لیے کہ اللہ کے (خاص) بندے آرام و آسائش حاصل نہیں کرتے۔

تشریح: اس حدیث میں جس آرام و آسائش سے منع فرمایا گیا ہے اس سے مراد وہ عیش و آرام ہے جس کے لیے ہر وقت ایسی فکر اور کاوش اور حرص کرنی پڑے جو آخرت کی طرف سے انسان کو غافل کر دے، اور اگر بے تکلف کیے اور بغیر کاوش و اہتمام و حرص حق تعالیٰ کوئی راحت عطا فرما دیں اور اس پر شکر کی توفیق ہو اور آخرت سے غافل نہ کرے تو اس کی اجازت ہے مگر حق تعالیٰ کے اولیاء و عاشقین نے سادی زندگی کو پسند فرمایا ہے اور عیش کی زندگی سے کنارہ کش رہے ہیں۔

90۔ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَّضِیَ مِنَ اللهِ بِالْیَسِیْرِ مِنَ الرِّزْقِ رَضِیَ اللهُ مِنْهُ بِالْقَلِیْلِ مِنَ الْعَمَلِ

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کے دیے ہوئے تھوڑے سے رزق پر راضی ہو جائے اللہ تعالیٰ اس سے تھوڑے عمل پر راضی ہو جاتا ہے۔

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ زیادہ مال جو ضرورت سے زائد ہو اس کا حساب دینا پڑے گا اور بقدرِ ضرورت تھوڑی دنیا پر اگر راضی رہے تو اس کے تھوڑے عمل سے حق تعالیٰ راضی ہو جاویں گے۔

ع سبکسار مردم سبکتر روند

ترجمہ: جس مسافر کے پاس سامان کم ہوتا ہے وہ سفر کو راحت سے طے کرتا ہے۔

91۔وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَیْنٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ یُحِبُّ عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ الْفَقِیْرَالْمُتَعَفِّفَ اَبَا الْعَیَالِ

ترجمہ: حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس مومن بندے کو دوست رکھتا ہے جو فقیر پارسا اور عیال دار ہو۔

تشریح: یعنی باوجود عیالدار ہونے کے اور فقیر ہونے کے حرام سے اور سوال کرنے سے بچتا ہے۔ پس ایسے شخص کو حق تعالیٰ دوست رکھتے ہیں بوجہ اس کے مومنِ کامل ہونے کے۔

92۔وَعَنْ زَیْدِ ابْنِ اَسْلَمَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ اِسْتَسْقٰی یَوْمًا عُمَرُ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ فَجِیْءَ بِمَاءٍ قَدْ شِیْبَ بِعَسَلٍ فَقَالَ اِنَّهٗ لَطَیِّبٌ لٰکِنِّیْ اَسْمَعُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ نَعٰی عَلٰی قَوْمٍ شَهَوَاتِهِمْ فَقَالَ اَذْهَبْتُمْ طَیِّبٰتِکُمْ فِیْ حَیٰوتِکُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَاَخَافُ اَنْ تَکُوْنَ حَسَنٰتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا فَلَمْ یَشْرَبْهُ

ترجمہ: حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز پانی مانگا، آپ رضی اللہ عنہ کے پاس پانی لایا گیا جس میں شہد ملا ہوا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ پاک (اور حلال اور لذیذ و خوشگوار) ہے لیکن میں اس کو نہیں پیتا

اس لیے کہ میں خداوند بزرگ وبرتر سے یہ سنتا ہوں کہ اس نے ایک قوم پر عیب لگایا تھا خواہشاتِ نفس کے اتباع کا اور فرمایا: تم نے اپنی لذتوں اور نعمتوں کا پورا پورا فائدہ اپنی دنیاوی زندگی میں پالیا، پس میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ہماری نیکیاں بھی ایسی نہ ہوں جن کا ثواب جلد دیا گیا ہو یعنی دنیا ہی میں، پس اس پانی کو نہیں پیا۔

تشریح: یہ عمل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بلندیٔ مرتبتِ شانِ تقویٰ پر دلالت کرتا ہے۔ یہ حضرات تھے کہ حلال اور جائز لذتوں سے بھی ڈرتے تھے کہیں آخرت کا ثواب ان نعمتوں کے بدلے کم نہ ہو جاوے اور آج ہمارے ایمان ہیں کہ حرام سے بچنے کا حکم بھی مشکل اور گراں محسوس کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ اپنی توفیق سے ہماری مدد فرمائیں، آمین۔

93۔وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَاشَبِعْنَا مِنْ تَمْرٍ حَتّٰى فَتَحْنَا خَيْبَرَ

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم نے کبھی کھجوروں سے پیٹ نہیں بھرا یہاں تک کہ ہم نے خیبر فتح کرلیا۔

حرص وآرزو کا بیان فصلِ اوّل

94۔وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ خَطَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا مُّرَبَّعًا وَّخَطَّ خَطًّا فِي الْوَسَطِ خَارِجًا مِّنْهُ وَخَطَّ خُطَطًا صِغَارًا اِلٰى هٰذَا الَّذِيْ فِي الْوَسْطِ مِنْ جَانِبِهِ الَّذِيْ هُوَ فِي الْوَسَطِ فَقَالَ هٰذَا الْاِنْسَانُ وَهٰذَا اَجَلُهٗ مُحِيْطٌ بِهٖ وَهٰذَاالَّذِيْ هُوَ خَارِجٌ اَمَلُهٗ وَهٰذِهِ الْخُطَطُ الصِّغَارُ الْاَعْرَاضُ فَاِنْ اَخْطَاَهٗ هٰذَا نَهَسَهٗ هٰذَا وَاِنْ اَخْطَاَهٗ هٰذَا نَهَسَهٗ هٰذَا۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

ترجمہ: حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار خط کھینچ کر ایک مربع بنایا اور ایک خط مربع کے درمیان کھینچا جو مربع سے باہر نکلا ہوا تھا اور پھر چھوٹے چھوٹے خط درمیان کے خط میں اس کے دونوں جانب کھینچے: اور فرمایا: یہ درمیانی خط انسان ہے اور یہ مربع اس کی موت ہے جو چاروں طرف سے اس کو گھیرے ہوئے ہے اور یہ درمیانی خط کا حصہ جو مربع سے باہر ہے وہ اس کی آرزو ہے اور درمیانی خط میں دونوں طرف جو چھوٹے چھوٹے خط ہیں وہ عوارض ہیں (یعنی آفات وبلیلات وامراض وغیرہ جو ہر جانب سے آدمی پر متوجہ ہیں کہ اس کو پیش آویں اور ہلاک کریں) پس اگر ایک عارضہ اور حادثہ سے انسان بچ گیا تو پھر دوسرا ہے اور دوسرے سے بچ گیا تو تیسرا ہے (اسی طرح متعدد عوارض وحوادث تاک میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ موت آجاتی ہے۔)

تشریح: حاصل یہ کہ آدمی اُمیدیں دراز رکھتا ہے۔ اور ایک آرزو پوری ہو جاتی ہے تو دوسری آرزو کو پورا کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے اور ان ہی اُمیدوں میں پھنس کر آخرت کی تیاری سے غافل رہتا ہے کہ اچانک اسے موت پکڑ لیتی ہے اور بہت سی تمناؤں کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ ”اے بسا آرزو کہ خاک شدہ“ پس عقل مند وہ ہے جو آخرت کے کاموں میں غفلت نہ کرے اور اپنے اعمال کو درست رکھے۔

95۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهْرَمُ ابْنُ اٰدَمَ وَيَشِبُّ مِنْهُ اثْنَانِ الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمْرِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان بوڑھا ہوتا ہے اور دو چیزیں اس میں جوان ہوتی ہیں یعنی مال اور عمر کی زیادتی کی حرص۔

تشریح: انسان بوڑھا ہوتا ہے تو اس کی قوت اور ارادے میں کمزوری آجاتی ہے اور مال اور عمر کی حرص قوی تر ہو جاتی ہے جیسا کہ حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

بیخ ہائے خوئے بد محکم شدہ
قوتِ بر کندنِ اوکم شدہ

ترجمہ: بُری عادتوں کی جڑیں تو مضبوط ہو گئیں اور ان کو اکھاڑنے والی قوت گھٹ گئی اور کمزور پڑ گئی۔

آں درختِ بد قوی تر می شود
بر کنندہ پیر و مضطری شود

ترجمہ: بُرائی کا درخت تو مضبوط ہوتا ہے اور اکھاڑنے والا روز بروز بوڑھا اور کمزور ہوتا جاتا ہے۔

96۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَزَالُ قَلْبُ الْكَبِيْرِ شَابًّا فِي اثْنَيْنِ فِيْ حُبِّ الدُّنْيَا وَطُوْلِ الْاَمَلِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ فرمایا بوڑھے کا دل ہمیشہ دو باتوں میں جوان رہتا ہے یعنی دنیا کی محبت میں اور آرزو کی درازی میں۔

تشریح: دنیا کی محبت کے سبب اس کو موت سے کراہت ہوتی ہے اور آرزو کی درازی سے نیک اعمال میں تاخیر کرتا ہے۔

97۔وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْذَرَ اللّٰهُ اِلَى امْرِءٍ اَخَّرَ اَجَلَهٗ حَتّٰى بَلَّغَهٗ سِتِّيْنَ سَنَةً۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس آدمی کے لیے اللہ تعالیٰ نے عذر کا کوئی موقع نہیں رکھا جس کی موت میں مہلت دی یہاں تک کہ ساٹھ سال کی عمر عطا فرمائی۔

تشریح: یعنی اتنی عمر بخشی اور فرصت دی اور پھر بھی توبہ اور عذر خواہی اپنے رب سے نہ کی اور نہ گناہ چھوڑا۔ آخر عذر کے لیے کیا گنجائش اب اس کے پاس ہے جو کہتا ہے کہ جب بڈھا ہوں گا تو توبہ کرلوں گا۔ اس حدیث سے ساٹھ (۶۰) برس کی عمر والے بوڑھوں کو عمل کی فکر تیز کر دینی چاہیے اور عمل کا احساس پیدا ہو جانا چاہیے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

اللہ کے دین کی حاکمیت تک جہاد جاری رہے گا![۱]

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبوی ہدایت کی روشنی میں اس بات کو سمجھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد مسلمانوں کو عزت دلانے کا ایک بہترین وسیلہ ہے۔ جہاد مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اور انفرادی زندگی کو ذلت اور ہلاکت سے اپنی حفاظت میں رکھتا ہے، کیونکہ عزت اللہ تعالیٰ کے دین میں ہے اور اصل عزت و احترام کے لائق مسلمان ہیں اور ذلت و رسوائی کے لائق کفار و منافقین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلِلّٰہِ الۡعِزَّۃُ وَلِرَسُوۡلِہٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَلٰکِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ○(سورۃ المنافقون:۸)

”عزت تو اللہ ہی کو حاصل ہے اور اس کے رسول کو، اور ایمان والوں کو، لیکن منافق لوگ نہیں جانتے (کہ عزت والے اور بے عزت لوگ کون ہیں)۔“

قال اللہ تعالیٰ:

وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ○(سورۃ آل عمران:۱۳۹)

”اگر تم واقعی مومن رہو تو تم ہی سربلند ہو گے۔“

تنبیہ: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی عزت و کامیابی کو ایمان کے ساتھ جوڑ دیا ہے، کیونکہ جس شخص میں ایمان ہو وہ ہر حال میں کامیاب و محترم ہے۔

جب مسلمان جہاد چھوڑ کر آخرت کی بجائے دنیا میں مگن ہو جائے تو اس کے اوپر خوف، ذلت اور اس طرح کی دیگر آفتیں مسلط ہو جائیں گی، جیسا کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

”جب تم لوگ بیع العینہ (سودی کاروبار کی ایک قسم) کرنے لگو گے اور گائے بیل کی دُمیں پکڑ لو گے اور کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد کو ترک کر دو گے، تو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر ذلت طاری کر دے گا۔ یہاں تک کہ تم اپنے دین (جہاد) کی طرف لوٹ جاؤ۔“

جو شخص جہاد چھوڑ کر دنیا میں مگن ہو جائے اس کے بارے میں نفاق کا خوف ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرمایا:

من مات ولم يغز ولم يحدث بي نفسه مات على شعبة من نفاق۔ (رواہُ مسلم)

”جو شخص (مومن) مر جائے اور جہاد نہ کرے اور نہ اس کے دل میں جہاد کرنے کا خیال گزرا ہو تو اس کی موت ایک طرح کے نفاق پر ہو گی۔“

یہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے جنہوں نے جہاد کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے نہ صرف یہ کہ طرح طرح کے عزت و احترام سے انہیں نوازا، بلکہ ان کو بشارتیں دیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالَّذِیۡنَ جَاہَدُوۡا فِیۡنَا لَنَہۡدِیَنَّہُمۡ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ○(سورۃ العنکبوت: ۶۹)

”اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، ہم انہیں ضرور بالضرور اپنے راستوں پر پہنچائیں گے، اور یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

جہاد دائمی عبادت ہے، جو قیامت تک جاری رہے گا۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا اور اس کے قیام کے لیے مسلمانوں کی ایک جماعت روز قیامت تک جہاد کرتی رہے گی۔“

حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میری امت کی کوئی نہ کوئی جماعت ہمیشہ حق کی حمایت و حفاظت کے لیے برسرِ جنگ رہے گی اور جو شخص بھی اس جماعت سے دشمنی کرے گا، اس پر وہ غالب رہے گی، یہاں تک کہ اس امت کے آخری لوگ مسیحِ دجال سے جنگ کریں گے۔“

و ما علينا الا البلاغ!

شک کو چھوڑ کر یقین پر چلنا

الحمدللہ ثم الحمدللہ وبعد!

اس زمین پر بڑے بڑے صلحائے امت رہ کر گئے ہیں۔ بہت سے آج کے اِس دورِ پر فتن میں بھی موجود ہیں...... لیکن یہ ''اصحابِ ورع'' کہاں ہیں؟ ''ورع'' اور تقویٰ جیسی صفات سے متصف ایسے لوگ کہاں ہیں؟

وہ کہاں ہیں جو طمع کے پھندوں سے بچ نکلے؟

وہ کہاں ہیں جو دنیا کے ''دامِ ہم رنگِ زمیں'' سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے؟

شہوات اور شبہات کی سرحدوں پر رک جانے والے کہاں ہیں؟

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کہتے ہیں:

''ہم نے بعض حلال چیزیں محض حرام کے خوف سے چھوڑ دیں...... کہ اگر دس حصوں میں ایک حصے کے بارے میں بھی اندیشہ ہو تا کہ وہ حرام ہے تو ہم باقی نو حصے جو حلال ہوتے؛ وہ بھی چھوڑ دیا کرتے تھے۔''

آپ بھی اپنے اور حلال کے درمیان ایک خطِ تقسیم کھینچیے۔

اپنے اور حرام کے درمیان ایک حد طے کیجیے تاکہ اپنا دین، اپنی عزت، اپنا مال، اپنا وقار اور اپنا دل برائی کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے بچا سکیں۔ جس معاشرے میں ''اصحابِ ورع'' زیادہ ہو جاتے ہیں، وہ معاشرہ اتنا ہی زیادہ پھلتا، پھولتا اور ترقی کرتا ہے۔

اور جس معاشرے میں ایسے لوگوں کی قلت ہو جاتی ہے، وہ ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے، تباہ ہو جاتا ہے۔

پس خبر دار!

پیارے بھائی! خدا کا شکر ادا کرو جس نے تم پر کرم کیا اور تمہیں اس مقام تک پہنچایا۔

اللہ سے دعا کرنی چاہیے کہ مجھے اور آپ کو ''رباط'' کے اجر سے محروم نہ کرے اور جہاد کے ثواب سے نوازے۔

اپنے نفس کی طرف سے محتاط رہیے۔ اپنے دل کا خیال رکھیے۔ خیال کیجیے کہیں آپ کو عہدے اور مال کا لالچ نہ کھا جائے۔ کہیں سٹیٹس (status) کا بھیڑیا نہ کھا جائے۔

کیونکہ یہ دوسرا بھیڑیا آپ کے دل کے لیے بڑا خطرناک ہے۔ یہ ان دو بھیڑیوں میں سے ایک اور زیادہ خطرناک ہے جو سردیوں کی راتوں میں آپ کی بھیڑوں کے گلّے پر حملہ کرنے کے لیے بھیجے گئے ہوں۔ فرمایا:

''ما ذئبان جائعان ارسلا فی غنم، بافسد لها من حرص المرء علی الشرف والمال لدینه .''

''انسان کے دین کے لیے...... عہدے کے لالچ اور مال کی حرص اس سے بڑے اور زیادہ نقصان دہ بھیڑیے ہیں جتنے دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے گلّے کے لیے ہو سکتے ہیں۔''

جی ہاں! آج کے دور میں بھی کچھ ''صاحب ورع'' موجود ہیں۔

ہاں! البتہ یہ بہت کم ہیں۔ میں نے ان کو ہزاروں، لاکھوں بلکہ کروڑوں خرچ کرتے دیکھا۔

لیکن وہ پرائے درہم پر...... مشتبہ درہم کو لینے سے اسی طرح گریزاں رہتے ہیں کہ کہیں یہ اُن کے پیٹ میں داخل نہ ہو جائے۔

میں نے اُن کو جہاد پر ہزاروں لاکھوں لٹاتے دیکھا۔

لیکن وہ خود پر اور اپنے اہل وعیال پر شاید کوڑیاں خرچ کرتے ہیں۔

حالانکہ مال...... اُن کا مال ہے۔

اُن کے خون پسینے کی کمائی ہے۔

لیکن وہ اپنی جانوں کے ساتھ ذرا سخت رویہ پسند کرتے ہیں۔

میں ایک دوست کو جانتا ہوں جو ایک امدادی ادارے میں مندوب تھا۔ اس کی بیوی اس سے مختلف مطالبے کرتی تو وہ کہتا:

''ہمیں ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں 'مباحات' میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

یہ شخص اپنی مندوبیت کی خاطر ہر روز ایک ہزار ریال خرچ کرتا تھا۔

بیگم کہا کرتی:

''ہمیں بھی تم افغانی ہی سمجھ لو اور ہمارے ساتھ کم از کم افغانیوں والا معاملہ ہی کرو...... اور ہمارے اوپر بھی صدقہ وخیرات کے دروازے اسی طرح کھول دو جس طرح تم اِن لوگوں پر صبح وشام لنڈھاتے رہتے ہو۔''

نفس کے ساتھ یہ معاملہ...... اُف!

اس شخص نے اس مشن کی خاطر اپنا شہر چھوڑ دیا۔ لیکن اس کی عزت تو ہر دل میں رہی۔ وہ جہاں گیا، الحمدللہ، خیر وبرکت چھوڑ آیا۔

اُس کے اندر یہ تبدیلی افغان مہاجرین اور مجاہدین کے درمیان رہ کر آئی۔

تو برادران کرام!

اپنے نفس کی طرف توجہ دیجیے۔ اپنے دلوں کی طرف توجہ کیجیے۔ شہوات اور شبہات سے بچیے اور امام المتقین کے درجے تک پہنچنے کی کوشش کیجیے، یہ بڑا آسان ہے۔

اس کا خلاصہ اور ستون یہی دونوں چیزیں ہیں کہ

"دع ما یریبک الی ما لا یریبک."

"شک کو چھوڑ کر یقین پر چلنا اور لایعنی اور فضول چیزوں سے اجتناب!"

زیادہ سنیے، کم بولیے...... نجات پائیے گا۔

مباحات میں کھلے نہ پھریے، ضروریات زندگی پر اکتفا کیجیے۔

اور باقی مال اللہ کے راستے میں لگا دیجیے۔

اور پھر دیکھیے اللہ کس طرح آپ پر خیر اور رحمت کی بارش برساتا ہے۔

باب ششم: قربانی اور فداکاری

اے خدا کو اپنا رب ماننے والو!

اسلام کے پیروکارو!

محمد ﷺ کو نبی اور رسول ماننے والو!

جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا فرمایا... فرمایا:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُم مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ○(سورۃ البقرۃ:۲۱۴)

"کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اپنے پیش رووں کی طرح کی آزمائشوں سے گزرے بغیر ایسے ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ اُن کو تو تکلیفیں آئیں، پریشانیوں نے گھیرا اور وہ ہلا مارے گئے یہاں تک کہ رسول اور اُس کے مومن ساتھی پکار اُٹھے کہ آخر خدا کی مدد کب آئے گی...... خبردار! اللہ کی مدد آنے ہی والی ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عظیم الشان سے "دعوت" کی قیمتِ گراں واضح ہو گئی ہے۔ اس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ کی زبانی بھی کر دی گئی کہ عقائد کی ذمہ داری قبول کرنے اور انہیں افکار کی دنیا سے نکال کر عملی اور واقعاتی زندگی میں لانے میں کتنی قربانیوں کی ضرورت پڑتی ہے اور تب کہیں جا کر یہ عقائد زمین کے سینے پر زندہ حقیقت کا روپ دھارتے ہیں۔

"دعوت" کا تقاضا

کوئی دعوت ...... قربانیوں کے بغیر...... کبھی کامیاب نہیں ہوتی ...... خواہ یہ دعوت زمینی ہو یا آسمانی......ربانی ہو یا انسانی......لہو......لاشے......پھڑکتے جسم......تڑپتی روحیں......شہید......زخمی......

ہمیشہ اس معرکے کا ایندھن بنتے ہیں۔

عقائد کے معرکے کا......

افکار کے معرکے کا......

یہ آیت اس سلسلے کے ایک اہم مسئلے کی طرف توجہ دلاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو قربانیاں دینے اور پیش قدمی کرنے کا حوصلہ نہ رکھتا ہو، وہ جنت کا مستحق بھی نہیں ہو سکتا۔ أَمْ حَسِبْتُمْ...... کا مطلب یہی ہے کہ کیا تم نے یہ سوچ رکھا ہے کہ تم وہ تکلیفیں سہے بغیر جنت میں چلے جاؤ گے جو تم سے پہلے لوگ برداشت کرتے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک اہم معاملے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم اللہ کے محبوب اور منتخب بندوں سے بہتر نہیں ہو۔

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ○(سورۃ الحج:۷۵)

"اللہ فرشتوں میں سے بھی اپنا پیغام پہنچانے والے منتخب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔ یقیناً اللہ ہر بات سنتا ہر چیز دیکھتا ہے۔"

اس صفحۂ زمین پر آج تک محمد ﷺ سے بڑھ کر کوئی معزز و محترم نہیں گزرا لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ پہلے لوگوں کا حوالہ دے کر فرما رہا ہے کہ "اُن کو تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں، جنگیں لڑنا پڑیں، فقر و فاقہ سہنا پڑا اور وہ ہلا مارے گئے اور دیکھیے بشر انسانی کی طرف دیکھیے اس کے دل کی طرف! دیکھیے جب یہ ہلتا ہے تو اس پر شدید قسم کا زلزلہ طاری ہو جاتا ہے گویا زمین پر کوئی طوفان آ گیا ہو اور اس کے لیے اس کی زد سے بچنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔ اس طوفان نے زمین کے سب سے زیادہ صابر انسان محمد ﷺ کو اللہ سے التجا کرتے ہوئے گڑگڑا کر یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ اے ہمارے رب! آپ کی مدد و نصرت کب آئے گی؟

اگر دنیا کا سب سے بڑا صابر...... سب سے نیک...... سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا...... زمین پر اللہ کی امانت کا سب سے بڑا محافظ...... جو آسمان کے امین سے صبح و شام ملتا ہو...... ہل جاتا ہو...... اور گڑگڑا کر...... اللہ کی سکھائی ہوئی دعاؤں کے حوالے سے چپکے چپکے پکارتا ہو...... اے رب! فتح و نصرت کہاں ہے؟ قرآن کی آیت کہتی ہے کہ، حتیٰ کہ جب رسول بھی مایوس ہونے لگے اور سوچنے لگے کہ اب وہ جھٹلا دیے جائیں گے...... تب اچانک ہماری مدد آ پہنچی۔

بات مایوسی کے کنارے تک پہنچ جاتی ہے۔ اللہ کے رسول مایوس (ہوئے نہیں) ہونے لگے۔ ہر چند کہ

لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ○(سورۃ یوسف:۸۷)

"اللہ کی رحمت سے کافروں کے علاوہ کوئی مایوس نہیں ہوتا۔"

لیکن جب ساری دنیا کے دروازے اُن پر بند ہو گئے، دنیا اُن کے لیے تنگ ہو گئی اور زمین نے اُن کی دعوت قبول کرنے والا ایک بھی شخص پیدا نہ ہونے دیا تو وہ مایوس ہونے لگے۔ اس موقع پر اچانک

جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَن نَّشَاءُ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ○لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ○ (سورۃ یوسف:۱۱۰،۱۱۱)

”ہماری مدد آپہنچی، تب ہم نے جسے چاہا بچا لیا اور مجرم لوگوں سے ہمارا عذاب کسی طور نہیں ٹالا جاسکتا۔ اِن کے قصوں میں اہلِ علم و عقل کے لیے ہدایت اور عبرت ہے اور یہ گھڑی ہوئی بات نہیں۔“

نبی کریم ﷺ کی قربانی

قرآن دل بہلانے کے لیے نہیں ہے، یہ فرصت کے اوقات کا مشغلہ بھی نہیں ہے بلکہ یہ اس دین پر چلنے والے داعیوں کا منشور اور پروگرام ہے اور قیامت تک نبی کریم ﷺ کی اتباع کرنے والوں کے لیے روشنی اور ہدایت ہے۔ آپ خود اپنے فرمان کے مطابق......

”انا سید ولد آدم ... ولا فخر .“

”میں اولادِ آدم کا سردار ہوں لیکن اس پر مجھے کوئی فخر نہیں۔“

بلکہ آپ کے بقول صحیح حدیث میں ہے کہ:

”لقد اوذیت فی اللہ وما یوذی احد واخفت فی اللہ وما یخاف احد ولقد اتت علی ثلاثون من بین یوم ولیلة وما لی ولبلال ما یاکله ذوکبد الا ما یواری ابط بلال من الطعام.“ (ہذا الحدیث حسن صحیح رواہ الترمذی واحمد وغیرہ)

”مجھے اللہ کے راستے میں اتنی تکلیفیں دی گئی ہیں جتنی آج تک کسی کو نہیں دی گئیں اور مجھے اللہ کے راستے میں اتنے اندیشوں کا سامنا کرنا پڑا جتنا آج تک کسی کو نہیں کرنا پڑا۔ ہم پر (کم از کم) تیس دن اور راتیں ایسی گزری ہیں جب میرے اور بلال کے پاس کھانے کے لیے کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے کوئی جگر والا ذی حیات کھا سکتا......ہاں البتہ کھانے کی اتنی مقدار کبھی ضرور پیدا ہو جاتی جتنی بلال کی بغل میں چھپ سکتی ہو۔“

جب قریش ابو طالب سے یہ سودا بازی کرنے آئے کہ وہ انہیں ان مشرکین کے لیے پریشانیاں کھڑی کرنے سے منع فرمائیں تو آپ نے عقیل کے ذریعے حضور ﷺ کو کہلوایا کہ قوم کے لوگ یہ اور یہ کہنے آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس پیغام کے جواب میں فرمایا:

”واللہ ما انا باقدر ان ادع ما بعثت به من ان یشعل احدہم من ہذہ الشمس شعلة من النار .“

”خدا کی قسم! میں اتنا بھی نہیں کر سکتا کہ اپنی دعوت میں سے کوئی اتنی سی بات بھی چھوڑ دوں جو سورج کی نسبت چراغ جلانے کے برابر ہی ہو۔“

ایک دوسری......نسبتاً ضعیف......روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

”واللہ یا عم لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی شمالی علی ان ادع ہذا الامر ما ترکته حتی یظہرہ اللہ او اہلک دونه.“

”پیارے چچا! خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لا رکھیں تب بھی میں یہ کام اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک کہ یا تو اللہ اس کو پورا نہیں کر دیتا......یا میں اس کام کو پورا کرنے کی کوشش میں مارا نہیں جاتا۔“

دعوتوں کی تبلیغ ”آسان کام“ اور ”خالہ جی کا گھر“ نہیں ہے۔

لَوْ كَانَ عَرَضاً قَرِيباً وَسَفَراً قَاصِداً لَّاتَّبَعُوكَ......(سورۃ التوبہ: ۴۲)

”اگر بات قریب کی ہوتی یا سفر تھوڑا ہوتا تو یہ تمہاری بات مان بھی لیتے۔“

لیکن یہ تو لمبا، جاں توڑ اور مشکل رستہ ہے جو خار زاروں سے بھرا پڑا ہے...... جو قربانیاں ہی قربانیاں مانگتا ہے۔ جس میں بعض اوقات آدمی چلتے چلتے تھک کر گر اور مر جاتا ہے لیکن اُس کے عمل کا کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہو پاتا۔

ابن عوفؓ کا گریہ:

عبد الرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک بار عمدہ قسم کا کھانا چنا گیا تو آپ رو پڑے......اور روتے روتے دستر خوان سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

”لقد خرج اصحابنا من الدنیا ولم یروا ہذا، لقد کان مصعب بن عمیر خیر منا وما رای مثل ہذا .“

”ہمارے ساتھی دنیا سے یہ سب کچھ دیکھے بغیر رخصت ہو گئے۔ مصعب بن عمیرؓ ہم سے اچھا تھا لیکن اُسے یہ نصیب نہ ہو سکا۔“

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

”نبی کریم ﷺ نے آخری دم تک بھنی ہوئی بکری کا گوشت نہیں چکھا اور آپ کے اہل خانہ نے کبھی دو روز تک متواتر جو کی روٹی نہ کھائی۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”خدا کی قسم! ہم نے فتح خیبر سے پہلے کبھی کھجوریں سیر ہو کر نہیں کھائیں۔“

آپ کا خیال ہے کہ عقائد کھیل کھلونا ہیں، گپ شپ ہیں، تفریح ہیں؟ محض خوش نما اور خوش الحان تقریر سے اس کی تبلیغ ممکن ہے یا محض کتاب لکھنے، چھپوانے اور اسے لائبریریوں میں تقسیم کرنے سے تبلیغ کا حق ادا ہو سکتا ہے! اہل دعوت کا یہ طریقہ کبھی نہیں رہا۔ دعوتوں کو ناپنے کے پیمانے اور ہوتے ہیں۔ دعوتیں اس طرح ناپی جاتی ہیں کہ پہلی نسل اپنے آپ کو تبلیغ میں فنا کر ڈالتی ہے اور......

سید قطب رحمۃ اللہ علیہ کا قول

”پہلی نسل تو پوری کی پوری 'تبلیغ کا ایندھن' بن جاتی ہے اور اس کا کام صرف اس کلام کو لوگوں تک پہنچانا ہوتا ہے جو لوگوں کے دلوں میں جگہ بناتا ہے اور تازہ خون سے سینچنے کے بعد زندہ ہوتا ہے۔ ہم جو 'بات' کر رہے ہیں، ہمارے جملے، ہمارے کلمات......خوبصورت فانوسوں کی طرح مردہ پڑے رہتے ہیں۔ اُن کے اندر کوئی حرکت نہیں ہوتی لیکن جب ہم اُن کی خاطر......اپنے الفاظ کی آن کی

خاطر کٹ مرتے ہیں تو یہ فانوس یک دم زندہ ہو جاتے ہیں، چمک اٹھتے ہیں اور معاشرے پر چھا جاتے ہیں۔

ہر بات جس نے کسی کے دل میں جگہ بنائی ہوتی ہے، وہ زندہ ہو اُٹھتی ہے۔ وہ زندہ لوگوں کی زندگی میں داخل ہو جاتی ہے اور زندہ لوگ مُردوں کی بات نہیں مانتے، مُردوں سے تعلقات نہیں رکھتے...... وہ صرف زندوں کو قبول کرتے ہیں۔ میت کو تو زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے خواہ وہ کسی بڑے سے بڑے عزت دار شخص کی ہی کیوں نہ ہو۔"

دعوتوں کا طریق

برداران عزیز!

دعوتوں کا طریق "مکارہ" اور طبیعت پر ناگوار گزرنے والی چیزوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ خطرات سے پُر ہے۔ اس کے رستے میں جیل خانے آتے ہیں، قتل ہونا پڑتا ہے، جلاوطن ہونا پڑتا ہے، پریشانیاں اٹھانی پڑتی ہیں۔ جو عقیدے کا جھنڈا بلند کرنا چاہتا ہو...... وہ ان مشکلات کا حساب کرلے اور جو اس کام کو بطور تفریح کرنا چاہتا ہو...... تقریبات کا موضوع سمجھتا ہو، "اچھی بات" سمجھتا ہو، اپنی تقریروں کے لیے اقتباس کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہو... وہ اللہ کے رسولوں اوران کے پیروکاروں کے رجسٹر اٹھا کر دیکھ لے۔ جس روز سے یہ دین آیا ہے بلکہ جس روز سے انبیا کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا ہے، آج کے اس دن تک وہ انبیا، رسولوں، داعیوں اور ولیوں کا ریکارڈ چیک کرلے۔

کمیونسٹوں نے اپنے سرخ انقلاب کے لیے کتنی قربانیاں نہیں دیں! لینن اور ٹروٹسکی کے علاوہ کتنے لوگوں کو قید ہوئی، کتنوں کو شہر بدر اور ملک بدر کیا گیا!

آج ہمیں مغربی جمہوریت کس قدر پسند ہے۔

آج ایک دنیا کس طرح "قانون مغرب" کی پیروکار ہے۔

آج آپ ریاست کے سربراہ کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کر سکتے ہیں، اس سے اپنا حق مانگ اور لے سکتے ہیں۔

(کہنے کو) قانون اور جج کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہیں۔

یہاں دنیا کی سب سے بڑی مملکت کے سربراہ نکسن کی مثال کافی ہے جس کے خلاف مخالف پارٹی نے اس بنیاد پر دعویٰ کر دیا کہ وہ کئی سال پہلے انتخابات کے دوران حزب مخالف کی جاسوسی کرتا رہا ہے۔

اسی ذرا سی بات پر نکسن کو استعفیٰ دینا پڑ گیا۔

آج وہ قانون کے دیو سے بچنے کے لیے تاریخ کے پردوں کے پیچھے چھپا بیٹھا ہے۔

کیا آپ کا خیال ہے، یہ مثال ایسے ہی پیدا ہو گئی ہے؟

ایسے ہی... حادثاتی طور پر؟

جی نہیں...... ہر گز نہیں...... اور ہر گز ہر گز نہیں۔

امریکی معاشرے کو اس مرحلے تک پہنچانے میں مفکرین کی کھوپڑیاں کام آئی ہیں۔

امریکہ کے باشندوں کا خون بہا ہے۔

اس کے لیے تیس لاکھ سے زائد افراد کو تحقیقاتی عدالتوں کے ہاتھوں قتل ہونا پڑا ہے۔ ان میں سے تیس ہزار کو تو زندہ جلا دیا گیا۔

مغرب کے انسان کو کلیسا کے قاہرانہ قبضے سے نکالنے کے لیے یہ ساری قربانیاں دی گئی ہیں اور آخر کار انہوں نے مغربی انسان کو کلیسا کے زبردست پنجے سے چھڑا لیا۔ اس آزادی کے لیے برونو کو قتل ہونا پڑا...... کوپرنیکس کو قید کاٹنی پڑی...... گلیلیو کو عذاب جھیلنے پڑے...... صرف اس لیے کہ وہ اپنے عقیدے کو صراحت کے ساتھ بیان کرنے کے قائل تھے۔ برونو نے کلیسا کی عدالت کے سامنے اپنے قتل کا فیصلہ سننے کے بعد کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ "زمین گول" ہے۔ اس نے کہا: "چاہے تم مجھے قتل کر دو...... لیکن اس کے باوجود بھی زمین گول ہی رہے گی۔"

مغرب کے مفکرین اور دانش مندوں نے مسلسل تین صدیوں تک کلیسا کی مزاحمت کی۔ مونٹیسکیو، جون لاک، روسو، جان لائل وغیرہ نے اپنی قوموں کو کٹھ ملاؤں اور مذہبی جنونیوں کے نرغے میں سے نکالنے کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں...... ورنہ کلیسا کے پیروکار تو انہیں اپنے کوڑوں کے بل پر گھسیٹ گھسیٹ کر جہنم میں ڈالے چلے جا رہے تھے۔

کلیسا سے جنگ میں مختلف سختیاں اور شدائد سہنے کے بعد ہی یہ لوگ مغربی انسان کو کلیسائی خدا کی قید سے نکالنے اور "پوپ" کا بت پاش پاش کرنے میں کامیاب ہو سکے۔

دو بڑے انقلاب

مغرب کے لوگ آج جس جمہوریت کے (ظاہراً) مزے لوٹ رہے ہیں، وہ ایک دم اچانک وجود میں نہیں آگئی۔ وہ ایک دن کی محنت کا نتیجہ نہیں ہے۔ وہ قربانیاں دینے والے عوام کے خون کا نتیجہ ہے۔ ان لوگوں نے کس چیز کی خاطر قربانیاں دیں؟ محض اپنے 'خیال' اپنی 'رائے' کی خاطر...... انہیں جنت کا لالچ نہیں تھا۔ انہیں جہنم کا خوف بھی نہیں تھا بلکہ اپنے انقلاب کی کامیابی کی فکر تھی۔

مغربی دنیا اس بات پر متفق ہے کہ دنیا کے دو بڑے انقلاب یہ تھے:

انقلاب فرانس ۱۷۸۹ء

بالشویکی انقلاب ۱۹۱۷ء

فرانسیسی انقلابی...... پکار اٹھے: "ہر بادشاہ کا گلا پادری کی آنتوں سے گھونٹ ڈالو۔"

یعنی مذہب کو ختم کر دو...... بادشاہوں کو مار ڈالو۔

کیونکہ ان دونوں نے انسان کو منشیات کا عادی بنا دیا ہے۔ انہوں نے انسانیت کو تباہ کر دیا ہے۔

ان انقلابیوں نے ہر پادری اور ہر پوپ کی آنتیں پھاڑ ڈالیں اور ہر بادشاہ، نائٹ اور شہزادے کا گلا گھونٹ دیا۔

کلیسا کے جہنم اور قیصر کی حکومت سے بھاگے ہوئے بالشویکی انقلاب کا نعرہ تھا:

''کوئی خدا نہیں ہے......زندگی......مادی زندگی ہے۔''

وہ اللہ کے وجود کا انکار نہیں کر رہے تھے (میرے مطالعے کے مطابق ڈارون اور مارکس خدا کے منکر نہیں تھے)۔

لیکن ان انقلابیوں نے کلیسا کا محل گرانے کے چکر میں 'خدا' کو بھی رگید ڈالا۔ کلیسا کے کوڑوں سے بچ کر بھاگتے ہوئے اور اپنا دفاع کرتے ہوئے انہوں نے کلیسا کے رب کو بھی زندگی سے خارج کر دیا......یہاں سے الحاد پیدا ہوا......اور عالم میں پھیل گیا۔

میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ کوئی عقیدہ قربانیوں کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ خون کے بغیر جِلا نہیں پا سکتا۔

عالمِ عرب میں ۱۹۵۴ء میں اردن میں جب ایک کمیونسٹ کو عدالت نے پچیس سال قید کی سزا سنائی تو اس نے وہیں باآوازِ بلند نعرہ لگایا:

زندہ باد......روسیا!

لینن......زندہ باد!

اس نے وہیں عدالت میں کہا: کیا تمہارا خیال ہے کہ تم اپنی کمزور سلطنت کو دس پندرہ سال تک بچائے رکھو گے؟

یہ اہلِ عقیدہ......اللہ سے کسی مدد کے طلب گار نہیں تھے۔

انہیں کسی مدد کی توقع نہیں تھی......بلکہ وہ اللہ کو سرے سے جانتے ہی نہیں تھے۔

ان کی دنیا اور آخرت بس ان کی دنیا ہی تھی۔

بس یہی زندگی کے ایام......ان کی کُل متاع تھے۔

لیکن اس کے باوجود......انہوں نے یہ ''متاع'' بھی اپنے نظریے پر قربان کر دی۔

کچھ مثالیں

لیکن یہ قربانیاں صرف غیر مسلم اور ملحد ہی نہیں دیتے رہے۔ دعوت اسلامی نے بھی تاریخ کے سینے پر قربانی کی ایک سے بڑھ کر ایک مثال چھوڑی ہے۔ وہ بھی تاریخ کے مختلف ادوار میں قربانیوں کے ڈھیر کے ڈھیر پیش کرتی رہی ہے۔ ان کے خون......ان کے بعد آنے والی نسلوں کے لیے ''شعلۂ حیات'' بنے۔

جب حسن البنا رحمۃ اللہ علیہ قاہرہ کی سب سے بڑی شاہراہ پر میدانِ رعمسیس کے قریب قتل کر دیے گئے اور جب آپریشن تھیٹر میں ان کی زندگی کا ڈگمگاتا چراغ گل کر دیا گیا تو ہر چند کہ ان کا جنازہ پڑھنے کے لیے چار عورتوں کے علاوہ کوئی بندہ بشر موجود نہیں تھا، لیکن آج ان کے خون کی برکت سے زمین کے سینے نے کئی ایسی نسلیں اگا ڈالی ہیں۔ اسی طرح عبد القادر عودہ، محمد فرغلی، یوسف طلعت، ہنداوی دویر، ابراہیم طیب، محمود عبد اللطیف، سید قطب، عبد الفتاح اسماعیل، محمد یوسف ھواش، صالح سریہ اور کارم اناصندلی وغیرہ کا خون اصل میں اللہ کے دین کو زمین پر از سر نو قائم کرنے کا عزم لے کر اٹھنے والی ایک پوری نسلِ نو کے سینوں کو جگمگانے کا سبب بنا۔ اسی طرح کی مثالیں اس سے پہلے قسام، سلامت، عز بن عبد السلام وغیرہ پیش کر چکے ہیں۔ ان لوگوں نے ہمیں ایک مشعل تھمائی تھی کہ ہم اسے نظریے کے راستے پر آگے تک لے جا سکیں۔ ان کے خون ہدایت تلاش کرنے والی نسلوں کے لیے نور کا مینارہ بنے۔ حمیدہ قطب نے مجھ سے کہا: ۲۸ اپریل ۱۹۶۶ء فوجی جیل کے سپرنٹنڈنٹ حمزہ سیونی نے مجھے بلا کر سید قطب اور ان کے ساتھیوں کو پھانسی کے فیصلے کی خبر دی اور کہا:

''اب ہمارے پاس سید کو بچانے کا ایک آخری موقع رہ گیا ہے اور وہ یہ کہ سید صاحب معذرت کر لیں...... ان کی معذرت کے بعد ان کی صحت کی خرابی کے بہانے ان کی پھانسی کے حکم میں رعایت کی جا سکتی ہے......اور اسی بہانے چھ ماہ بعد وہ جیل سے چھوٹ سکتے ہیں۔ ان کا قتل پوری دنیا کے لیے ایک زبردست نقصان ہے۔ آؤ! اس کے پاس چلو......شاید وہ تمہاری بات مان کر معذرت کر لے۔''

وہ کہتی ہیں، میں اس کے ساتھ سید کے پاس گئی۔

میں نے انہیں چپکے سے بتایا......میں نے ان سے کہا:

''یہ لوگ کہتے ہیں، اگر آپ معذرت کر لیں تو پھانسی کے حکم میں تخفیف ہو سکتی ہے۔''

سید صاحب نے فرمایا:

''حمیدہ! میں کس بات پر معذرت کروں؟ کیا میں اس چیز سے توبہ کر لوں کہ اللہ رب العالمین کا آئندہ کوئی کام نہ کروں گا؟ خدا کی قسم! اگر میں نے اللہ کے سوا کسی کی وجہ سے یہ سب کچھ کیا ہوتا تو ضرور معذرت کر لیتا...... لیکن میں اللہ کی خاطر عمل کرنے کے بعد معذرت نہیں کر سکتا۔

تم مطمئن رہو، اگر عمر ختم ہو چکی ہو گی تو پھانسی کے حکم پر عمل کیا جائے گا اور اگر عمر ابھی باقی ہوئی تو یہ مجھے پھانسی کبھی نہ دے سکیں گے اور معذرت سے موت کو آگے یا پیچھے نہیں کیا جا سکتا۔''

یہ کیسے لوگ تھے جنہیں ایمان نے بنایا تھا؟

یہ کیسی قوت تھی؟

یہ کیسی ثابت قدمی تھی جو آنکھوں کے سامنے پھانسی کا پھندہ دیکھنے کے بعد بھی مسکرا رہی تھی؟

زندہ لوگ......اللہ کی قدرت اور اپنی تقدیر پر مطمئن تھے۔

بشیر ابراہیمی کہتے ہیں:

''ایک دفعہ میں شاہ فاروق کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ میں نے ان کو حسن البنا کے قتل کے بارے میں سرگوشیاں کرتے ہوئے سنا تو حسن البنا کو جا کر خبر دی کہ

(باقی صفحہ نمبر 36 پر)
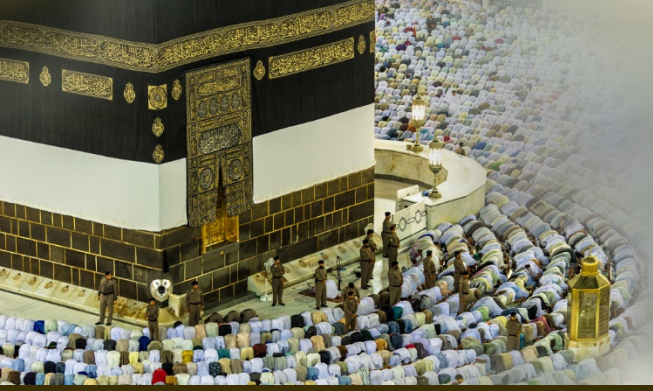
قیامت سے پہلے کچھ حالات و معاملات ایسے برپا ہونے ہیں جن سے اہلِ ایمان کی جنت و جہنم وابستہ ہے۔ مخبر صادق، نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک کا مفہوم ہے کہ ’آخری زمانے میں دنیا دو خیموں میں بٹ جائے گی، ایک خیمہ اہلِ ایمان کا ہو گا جس میں نفاق نہ ہو گا اور ایک خیمہ اہلِ نفاق کا ہو گا جس میں ایمان نہ ہو گا‘۔ مولانا مسعود کوثر صاحب مدّظلہ کے یہ دروس اسی کامیابی یا ناکامی سے متعلق ہیں اور ان میں اہلِ ایمان کو لائحۂ فکر و عمل فراہم کرنے کا سامان ہے۔ مولانا موصوف نے یہ دروس ایک عوامی مجلس میں ارشاد فرمائے تھے، جہاں برادرِ عزیز حافظ شہزاد (محب اللہ) شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، برادر حافظ شہزاد شہید نے ہی بڑے اہتمام سے ان دروس کو ریکارڈ کیا تھا۔ ان صوتی دروس کو تحریری شکل میں بھائی خیر الدین درانی نے ڈھالا ہے، باذن اللہ یہ دروس قسط وار، مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں نشر کیے جائیں گے۔ (ادارہ)

إنّ الحمد للہ نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه و نعوذ باللہ من شرور أنفسنا و من سيئاتِ اعمالنا من يهده اللہ فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له و نشهد ان لا اله الا اللہ وحده لا شريك له و نشهد أنّ سيدنا و مولانا محمداً عبده و رسوله اما بعد.

حضرت مہدیؒ آئیں گے کب؟

یہ بہت بڑا سوال ہے کہ وہ کب آئیں گے؟

نبی کریم ﷺ نے بہت سی احادیث میں ان کے آنے سے قبل کی علامات بتائی ہیں کہ...... تم یہ واقعہ دیکھ لو، یہ دیکھ لو، یہ دیکھ لو، یہ دیکھ لو...... جب یہ واقعات پورے ہوں گے تو حضرت مہدی دنیا میں آجائیں گے۔ ان کی تعداد سات سے زیادہ ہے، جو کتبِ احادیث میں مذکور ہیں۔ لیکن وہ علامات جو سندِ صحیح کے ساتھ ثابت ہیں، زیادہ تر صحاحِ ستہ میں موجود ہیں یا حدیث کی دوسری مستند کتابوں میں موجود ہیں۔ وہ چار پانچ علامات آپ کے سامنے ضرور عرض کر دیتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ان کے آنے کا زمانہ کیا ہے، کب آئیں گے۔ اُن میں ایک علامت الگ ہے اور تین چار علامات ایسی ہیں جس کو رسولِ اقدس ﷺ نے ترتیب کے ساتھ مرحلہ وار بیان کیا ہے کیونکہ وہ زمانی ترتیب کے ساتھ ہیں۔

ایک علامت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظہورِ مہدی سے قبل دنیا میں مہنگائی، بے روزگاری و فاقہ عام ہو جائے گا۔ جامع ترمذی کی روایت ہے کہ دنیا میں فقر و فاقہ اور غربت کی شرح بڑھ جائے گی۔ اب یہ علامت تقریباً پوری ہو چکی ہے۔ اس کی تکمیل ہوتی رہے گی، یہ چیز بڑھتی سے بڑھتی چلے جائے گی۔

نبی کریم ﷺ کی یہ بتائی ہوئی علامت پوری ہو چکی ہے۔ اور دنیا کے غریب سے غریب ملک سے لے کر امیر سے امیر ملک تک اس بات کا رونا رو رہے ہیں کہ مہنگائی کی شرح بڑھتی سے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ بے روزگاری عام ہے، تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود روزگار کا نہ ملنا، یہ متوسط اور پسماندہ ملکوں کا ہی نہیں امیر اور خوشحال ملکوں کا بھی مسئلہ ہے۔

دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچویں علامتیں ایک چین (chain/ زنجیر یا سلسلے) کی شکل میں ہیں، جو ایک خاص ترتیب اور وقت کے ساتھ ساتھ پوری ہوں گی۔

دوسری علامت یہ ہے کہ۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو ایک لڑی کی شکل میں زمانی ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے۔ دو یا تین احادیث کو ملا کر ہم اس کا خلاصہ یہ نکالتے ہیں کہ۔ حضرت مہدیؒ کا ظہور دس محرم یا نو محرم کو ہونا ہے، سال کوئی بھی ہو۔ اور ان علامات کی ترتیب چار ماہ قبل سے شروع ہو جائے گی۔ محرم سے پیچھے آیئے، محرم سے پہلے کون سا مہینہ ہے؟ ذوالحج، ذوالحج سے پہلے ذوالقعدہ، ذوالقعدہ سے پہلے شوال، شوال سے پہلے رمضان، رمضان سے پہلے شعبان۔ یعنی جس محرم میں حضرت مہدیؒ کا ظہور ہونا ہے اس محرم سے قبل ذوالحج میں کچھ نشانیاں ہیں، ذوالحج سے پہلے ذوالقعدہ میں کچھ نشانیاں ہیں اور شوال میں کچھ نشانیاں ہیں، رمضان میں کچھ نشانیاں ہیں اور شعبان میں کچھ نشانیاں ہیں۔ یہ اسی ترتیب کے ساتھ ہو گا۔ ان میں ایک علامت ظہورِ مہدی کی اس زمانی ترتیب سے الگ ہے، اور وہ دریائے فرات کا خشک ہونا ہے۔ ایک علامت پہلے بتائی کہ غربت اور فقر و فاقہ کا عام ہونا۔ دوسری دریائے فرات کا خشک ہونا ہے۔ دریائے فرات دنیا کے بڑے دریاؤں میں سے ایک ہے۔ معروف یہ ہے کہ جب سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو آباد کیا، کچھ دریا ہیں جو تب سے دنیا میں رواں ہیں۔ خود حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ’اللہ نے چار نہروں (دریاؤں) کو پیدا کیا، دو نہریں جنت میں چلائیں اور دو نہریں دنیا میں بھیجیں۔ جنت میں جو دو نہریں بھیجیں: ”الجیحون والسیحون“ اور دنیا میں جو دو نہریں

ظہورِ مہدی کی پہلی علامت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظہورِ مہدی سے قبل دنیا میں مہنگائی، بے روزگاری و فاقہ عام ہو جائے گا۔ جامع ترمذی کی روایت ہے کہ دنیا میں فقر و فاقہ اور غربت کی شرح بڑھ جائے گی۔

جاری کیں: ”النیل والفرات“ یعنی دریائے نیل اور فرات۔ مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث موجود ہے۔

فرات...... قدیم دریا ہے اور ہم سنتے ہیں کہ یہ عراق سے گزرتا ہے۔ اس کا جو منبع ہے، جو مرکز ہے وہ ترکی کا آرمینیا پہاڑی سلسلہ ہے۔ ترکی کے آرمینیا پہاڑی سلسلے سے جو برف پگھل کر آتی ہے اس سے یہ دریا وجود میں آتا ہے۔ ترکی سے اس کا مخرج، کوہِ عرارات آرمینیا کا سلسلہ ہے۔ یہ وہ پہاڑی سلسلہ ہے جس میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی آکے رکی تھی۔ جودی پہاڑ جو ہے وہ بھی آرمینیا و ترکی کی سرحد پر واقع ہے۔ یہیں نوح علیہ السلام کی کشتی بھی آکے لگی تھی۔ یہاں سے دریائے فرات نکلتا ہے اور ترکی کو سیراب کرتا ہوا یہ عراق سے گزرتا ہے اور پھر یہ سمندر میں گر جاتا ہے۔ یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اس کا زیادہ تر حصہ جو سیرابی کا ہے اس سے اہلِ عراق سیراب ہوتے ہیں لیکن اس کا مخرج جو ہے وہ ترکی ہے۔ یہ علامت، فرات کے خشک ہونے کی، کثیر روایات میں کتبِ احادیث میں موجود ہے۔ دریائے فرات خشک کیسے ہو سکتا ہے جو تاریخِ انسانیت کے ساتھ ساتھ سے چل رہا ہے؟ لیکن آج کے زمانے میں اس کی ایک امکانی صورت بنتی ہوئی واضح نظر آرہی ہے۔ جس طرح پاکستان اور انڈیا کے مابین پانی کے مسئلے پر بحث ہے اور مذاکرات ہوئے ہیں، اسی طرح پانی کے مسئلے پر جنگ کی حد تک گفتگو اور مسئلہ ترکی اور عراق کے مابین ہے۔ ترکی کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ دریا ترکی سے نکلتا ہے تو ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں، ہم اگر سارا پانی روک دیں تو ہماری مرضی، ہم سارا پانی چھوڑ دیں تو ہماری مرضی۔ کبھی روک لیں اور کبھی چھوڑ دیں تو بھی ہماری مرضی، جب دل چاہا پانی روک لیا۔ ترکی کے اندر دریائے فرات کے کنارے ترکی کی حکومت دنیا کا بہت بڑا، بلکہ سب سے بڑا ڈیم تعمیر کر رہی ہے جو تکمیل کے آخری مراحل میں ہے اور تازہ اطلاعات کے مطابق اس ڈیم کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے اور کسی بھی وقت ڈیم کو پانی سے بھرنے کے لیے دریائے فرات کو اس میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا ڈیم ہے۔ ۸۱۶ مربع کلو میٹر پر کمال اتاترک کے نام سے یہ ڈیم موجود ہے۔ اگر ترکی کی حکومت دریائے فرات کو اس ڈیم میں ڈالتی ہے تو اس کو بھرنے کے لیے، جس طرح کہ ان کا ارادہ ہے، چند گھنٹوں کے اندر عراق میں دریائے فرات کا پانی خشک ہو جائے گا۔ رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق امکانی صورت میں ایسا ہی ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ گلیشیئر پگھلنا بند ہو جائے، یہ بھی صورت ہے۔ اللہ اپنی قدرت سے کچھ بھی کر سکتے ہیں لیکن امکانی حد تک یہ نظر آرہا ہے کہ دریائے فرات کے خشک ہونے کی امکانی صورت یہ بن سکتی ہے جو ہم نے بیان کی، جو آج کی اس دنیا میں ہمیں نظر آرہا ہے۔

اس کے بعد جو علاماتِ ظہورِ مہدی ہیں کہ حضرت مہدیؓ کب ظاہر ہوں گے، دریائے فرات کے خشک ہو جانے کے بعد، وہ ان کے ظہور کے قریب کے وقت کی ہیں؛ محرم میں ان کا ظہور ہے تو ذوالحج، ذوالقعدہ، شوال، رمضان، شعبان میں۔ رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس محرم میں ظہورِ مہدی ہونا ہے اس سے پہلے کے شعبان میں مسلمانوں اور کافروں کے مابین ایک بڑی اور انتہائی تباہ کن جنگ ہو گی۔ ایک جنگ ہے جس کو حدیث شریف میں الملحمة العظمیٰ یا الملحمة الکبریٰ کہتے ہیں، وہ (ایک) اور جنگ ہے (یہ نہیں ہے)۔ اس جنگ، جس کو رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تباہ کن جنگ فرمایا، کو ”معماہا“ کی جنگ فرمایا۔ طبرانی شریف المعجم الکبیر کی حدیث میں ہے، وہ اور جنگ ہے۔ (یہ وہ جنگ ہے) جس کو ہرمجدون کی جنگ یا انگلش میں Armageddon کہتے ہیں۔ یہ جنگ حضرتِ مہدیؓ کے ظہور سے چند مہینے قبل لڑی جائے گی اور مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ہو گی۔ اس کی امکانی صورت بھی بن چکی ہے۔ شام کی سرزمین جو ہے وہ جنگ میں ہے اور اس کو ہرمجدون کہتے ہیں۔ ’و‘، ’ن‘ کا اضافہ زبان کی وجہ سے ہے۔ ’ہر‘ جو ہے وہ پہاڑ کو کہتے ہیں، وہاں کی مقامی زبان میں۔ ’مجیدو‘ جو ہے وہ فلسطین کی ایک بستی...... کھلی میدانی بستی کا نام ہے۔ اس کو مجیدو کہتے ہیں۔ تو ہرمجدون کا معنی فلسطین کی مجیدو بستی کے ’ہر‘ یعنی پہاڑی سلسلے کے دامن میں لڑی جانے والی اسلام اور کفر کے درمیان تباہ کن جنگ ہے، یہ ظہور مہدی کی ایک نشانی ہے۔ جب شعبان یا اس کے قریب قریب تاریخوں میں یہ جنگ لڑی گئی تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ ہرمجدون کی جنگ ہو چکی اب حضرت مہدیؓ کا ظہور جو ہے وہ بالکل قریب ہے۔ یہ طبرانی شریف کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور یہ جنگ جو ہے کچھ عرصہ تک جاری رہے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شعبان کے بعد رمضان، رمضان میں دو تین نشانیاں ہوں گی جو اس بات کی علامت ہوں گی کہ یہ ظہور مہدیؓ سے قبل والا رمضان ہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الاول من رمضان رمضان کی پہلی تاریخ کو قد خسف القمر چاند گرہن ہو گا۔ رمضان المبارک کی پہلی تاریخ کو چاند گرہن ہو گا اور یہ بتاتے ہوئے تعجب ہوتا ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ پہلی کا چاند کتنا ہوتا ہے جو کہ گرہن ہو۔ دوسری بات کہ فلکیات کے علم کے مطابق پہلی کا چاند کبھی گرہن ہو سکتا ہی نہیں۔ چاند ہمیشہ اپنی درمیانی تاریخوں کو گرہن ہوتا ہے۔ تو ماہرین فلکیات یہ کہتے ہیں علم الفتن اور اس حدیث کے حوالے سے کہ ہمارا علم، علم الفلکیات جو ہے، یہ تجربے پر قائم ہے، جبکہ علم الفتن اور علم الحدیث وحی پر قائم ہے۔ اور جہاں وحی کا سلسلہ ہے وہاں عقل کے گھوڑے نہیں دوڑائے جا سکتے، یہ بات طے ہے۔ یہ حالات و واقعات سے اور روٹین سے الگ چاند گرہن ہی تو علامت ہے۔ اگر چاند اپنی درمیانی تاریخوں میں گرہن ہو تو عام چاند گرہن ہے جس کو آپ علامت نہیں کہہ سکتے۔ پہلی کا چاند گرہن ہونا، جو ناممکن کا ممکن ہونا ہے، وہی اس بات کی علامت ہے کہ دنیا میں اب وہ کچھ ہونے جا رہا ہے جو ناممکن سے ممکن ہو گا اور دنیا ایک الگ موڑ لے رہی ہے، دنیا ایک الگ ماحول میں داخل ہو رہی ہے۔ وہ اس بات کی علامت ہو گی۔ اور یہ دفعتاً اتنا اچانک ہو گا کہ علمائے فتن، علمائے امت کہتے ہیں کہ ماہرین فلکیات دم بخود...... حیران و پریشان رہ جائیں گے۔ سالہا سال پہلے سے چاند گرہن کی اطلاع دینے والے اور وقت متعین کرنے والے بھی پریشان رہ جائیں گے کہ یہ اچانک چاند کے نظام میں تبدیلی کیونکر ہو گئی۔ یہ اچانک تبدیلی اور خلاف واقعہ تبدیلی اور پہلی تاریخ کو چاند کا گرہن ہونا، یہی اس بات کی علامت ہے کہ یہ چاند گرہن عام چاند گرہن نہیں، لہٰذا آنے

والے ایام عام ایام نہیں، یہ دنیا کے خاص ایام شروع ہونے والے ہیں جس میں دنیا کی تاریخ ایک نیا موڑ لینے والی ہے۔

اسی طرح دوسری علامت نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی کہ پندرہ تاریخ کو سورج گرہن ہوگا۔ اور سورج ان درمیانی ایام میں گرہن نہیں ہوتا بلکہ چاند کی آخری تاریخوں میں جاکر سورج گرہن ہوتا ہے اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ چاند دو دفعہ گرہن ہوگا رمضان المبارک میں اور ایسا گرہن تاریخِ عالم میں، تاریخِ انسانیت میں کبھی ہوا نہیں ہے۔ اور ایک اور علامت، وہ بھی رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمائی کہ جب رمضان کا آدھا مہینہ گزر چکا ہوگا اور آدھے مہینے کی رات ہوگی، یعنی پندرہ، نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کی پندرہ تاریخ کی رات ہوگی، آسمان سے ایک بہت تیز آواز شروع ہوگی اور وہ آواز آہستہ آہستہ بڑھتی چلی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ لوگوں کے کانوں کو اور ان کے دلوں کو پھاڑ کر رکھ دے گی۔ بعض جگہ یہ آواز بلند ہوگی اور بعض جگہ یہ آواز پست ہوگی۔ رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس آواز کی تیزی اور تلخی سے ستّر ہزار لوگ اسی رات کو مر جائیں گے۔ اگلے دن صبح لوگ اٹھیں گے تو یہ خبر پائیں گے کہ ستّر ہزار لوگ اس آواز کی تلخی سے مر گئے۔ معجم الکبیر کی ساتویں جلد میں یہ حدیث تفصیل کے ساتھ پوری شرح کے ساتھ موجود ہے، طبرانی کی روایت سے۔ اور اس آواز سے جو لوگوں کا مرنا ہے یہ واقعات قوموں میں گزر چکے ہیں۔ قیامت کی ابتدا بھی ایسے ہی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں: فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ، ہم نے قوم کو چیخ کے ذریعے تباہ کیا اور کوئی عذاب نہیں لائے۔ نہ پتھر برسے، نہ زلزلہ آیا، نہ کوئی اور عذاب آئے، نہ پتھروں کی بارش ہوئی، نہ بستیاں اوندھی کی گئیں۔ کیا ہوا فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ، چیخ آئی آہستہ آہستہ ان کے کانوں اور ان کے دلوں کو بند کر دیا اور قیامت کا آغاز جو ہے وہ صورِ اسرافیل سے، اسی آواز اور اسی چیخ سے ہوگا۔ اور انسانی فطرت جو ہے، انسانی مزاج جو ہے ایک خاص معیار پر ایک آواز کو برداشت کرتا ہے۔ آپ کے کان کے قریب شور ہو یا بار بار کوئی ہارن بجائے تو انسانی مزاج اس کو گوارا نہیں کرتا، وہ دلوں اور دماغ پر اثر کرتا ہے۔ یہی اس آواز کا تسلسل اور اس کا بڑھ جانا جو دلوں اور دماغ کو کاٹ کے رکھ دے گا اور انتہائی دردناک موت ہوتی ہے جو دل کے پھٹنے سے واقع ہو۔ دل پر اتنا پریشر ہو، دماغ کی رگوں پر اتنا پریشر ہو، اس آواز کا کہ اس دباؤ کی وجہ سے اس پریشر کی وجہ سے موت آجائے، یہ ایک بڑی علامت ہے ظہورِ مہدی سے قبل کی۔

رمضان کے بعد شوال، شوال میں کیا ہوتا ہے ہم سب جانتے ہیں کہ حج کی تیاری ہوتی ہے اور حج کے قافلے رمضان کے متصل بعد حج کے لیے روانہ ہوتے ہیں۔ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ جو بیچ کا زمانہ ہے، شعبان اور رمضان کے بیچ کا زمانہ، اس میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عرب کا حکمران انتقال کر جائے گا اور اس کے بعد اس کے تین بیٹے اس کی بادشاہت پر جھگڑ رہے ہوں گے۔ کون امیر بنے! کون بادشاہ بنے! اس پر جھگڑا ہوگا اور اس کے تین بیٹے آپس میں جھگڑ پڑیں گے۔ ہر ایک کا دعویٰ ہوگا کہ وہ حکمران ہے۔ اور یہ ذوالحجہ میں ہونے والا حج بغیر بادشاہ کے ہوگا۔ جنگ اتنی طویل ہو جائے گی اور اتنی زیادہ ہو جائے گی کہ اس کا فیصلہ تب تک نہیں ہوگا۔ حج آئے گا اور حج کا موسم گزر جائے گا اور حج جو ہے وہ بغیر بادشاہ کے ہوگا۔ اس میں عرب کا حکمران کوئی بھی نہیں ہوگا۔ اب تین شہزادے جب جھگڑ رہے ہوں تو امن تو لازماً مفقود ہو جائے گا، امن کی صورت حال مفقود ہو جائے گی۔ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حج کے رستے امن والے نہیں ہوں گے اور کم لوگ حج کے لیے جائیں گے امن نہ ہونے کی وجہ سے اور جنگ کی وجہ سے۔ اور جو لوگ حج کے لیے جا رہے ہوں گے وہاں چونکہ قانون ختم ہو جائے گا، گورنمنٹ کی اتھارٹی ختم ہو جائے گی اور وہاں گروہ و قبائل آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے، کوئی آئین نہیں ہوگا لہٰذا شوال میں حج کے لیے جانے والے قافلوں کو لوٹ لیا جائے گا۔

شوال کے بعد ذوالقعدہ، نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: 'ذوالقعدہ میں، جو ٹھہرے ہوئے حاجیوں کے قافلے ہوں گے، وہ آپس میں جھگڑ پڑیں گے'۔ کوئی پاکستان سے آیا ہے کوئی کہیں سے آیا ہے، ایک کہتا ہے فلاں کو بادشاہ ہونا چاہیے دوسرا کہتا ہے اس کو ہونا چاہیے۔ تو جس طرح پارٹی ور کر جھگڑ پڑتے ہیں اس طرح وہ ایک دوسرے کی حمایت میں آپس میں جھگڑ پڑیں گے۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس زمانے کو دیکھ رہا ہوں اپنے نورِ نبوت سے کہ میں مدینہ کی سرزمین پر اپنی اُمت کا بہتا ہوا خون دیکھ رہا ہوں جو آپس میں جھگڑیں گے۔

> مہدی کے ہاتھ پر نہ صرف خلافت کی بیعت ہے، نہ صرف جہاد کی بیعت ہے، بلکہ یہ بیعت علی الموت ہے، کہ جب تک اس جان میں جان ہے، جب تک اس بدن میں سانس ہے، ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور جہاد میں آپ کا ساتھ دیں گے، وہ بیعت جو نبیٔ کریم ﷺ نے اہلِ حدیبیہ سے بیعت رضوان کے موقع پر لی تھی یہ موت کی بیعت ہے، جہاد کی بیعت ہے، خلافت کی بیعت ہے۔

ذوالقعدہ کے بعد ذوالحج؛ ذوالحج آئے گا تو بہت کم لوگ ہیں جو حج میں شریک ہوں گے۔ وہ حج کریں گے اور حج، جیسا کہ عرض کیا کہ بغیر بادشاہ کے، بغیر امیر کے اور بغیر حکمران کے ہوگا اور انتہائی مخدوش حالت میں، بغیر امن کے، لوگ جتنے ہوں گے وہ حج کو ادا کریں گے، قتلِ عام ہو چکا ہوگا اور انتہائی دردناک حالت میں، انتہائی ناگفتہ بہ حالت میں جیسے تیسے فریضۂ حج جو ہے وہ ادا ہوگا، بنا امن کے۔ قتل، غارت گری، خون ریزی، لوٹ مار، فساد... اس شکل میں حج ہوگا اور امت کا بہت سارا خون جو ہے وہ اس حج کے موسم میں بہہ چکا ہوگا، انتہائی مخدوش حالت کا حج ہوگا۔ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذوالحجہ کے بعد محرم، میری امت کے لیے رحمت بن کر آئے گا۔ جب محرم آئے گا تو امت کے سرکردہ افراد جو ہیں، جو ان علامات کو جانتے ہیں، جو اللہ کی طرف سے ان تمام حالات و واقعات کو جانتے ہوں گے، وہ اس بات کے منتظر ہوں گے

کہ تمام نشانیاں، تمام علامات پوری ہو چکیں، احادیث یہ بتاتی ہیں کہ اس محرم میں ظہورِ مہدی ہونا ہے، جس نے امت کی اس بگڑی ہوئی حالت کو سنوارنا ہے۔

نو یا دس محرم الحرام کو حضرت مہدیؓ کا ظہور ہے اور ابو داؤد میں نبی کریم ﷺ نے ظہور مہدی کی پوری کیفیت، پورا نقشہ بتایا ہے، اتنی تفصیل کے ساتھ کہ اس سے زیادہ تفصیل بتانا ممکن نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ پریشان ہوں گے۔ مستدرک حاکم کی حدیث ہے کہ میری امت کے سات بڑے افراد حضرت مہدیؓ کی تلاش میں پھر رہے ہوں گے اور وہ تعلق رکھتے ہوں گے علما اور ابدال کی جماعت سے۔ ابدال بھی مقام ولایت ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ ولایت کے آخری مقام تک پہنچاتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دنیا میں ستر ابدال ہیں؛ ان میں سے چالیس علاقۂ شام میں ہوتے ہیں اور تیس دنیا کے باقی خطوں میں، جب ان میں سے کسی ایک کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ اس کے بدلے میں، اس کی جگہ پر دوسرا شخص لاتے ہیں، تو اس کی جگہ چونکہ ہر وقت پُر ہو جاتی ہے، بدلے میں فوراً اس کے مقام پر فائز کر دیا جاتا ہے، اس لیے اس کا نام ابدال رکھا گیا، جو ہر وقت پورے ہوتے ہیں اور ان کے بدلے میں کوئی نہ کوئی آتا رہتا ہے۔ ابدال یعنی جس کا بدل اللہ ہر وقت تیار رکھتا ہے۔ ان کی دعائیں اللہ قبول فرماتے ہیں، جن کی برکت سے بارشیں اترتی ہیں اور جن کی برکت سے اللہ مسلمانوں کو دشمنوں پر فتح عطا فرماتے ہیں۔ تو یہ سات علما و اولیا کی جماعت، صلحا کی جماعت حضرت مہدیؓ کی تلاش میں ہو گی۔ اس کی کیفیت نبی کریم ﷺ نے تفصیل کے ساتھ ارشاد فرمائی، بڑی دلچسپ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ پریشان ہوں گے امت کے حالات سے، عرب کے حالات سے، مسلمانوں کے قتل عام سے، اس سے پہلے امت کن حالات سے گزر رہی ہو گی، کوئی ان کو سنبھالنے والا نہیں، امت کا کوئی متفقہ قائد نہیں ہے، اور امت کو اتفاق و اتحاد کی لڑی میں پرونے والا کوئی ایسا شخص نہیں جس کے جھنڈے تلے سارے جمع ہو جائیں اور امت مسلمہ یکجا ہو جائے اور اپنی عظمتِ رفتہ کو بحال کرے، امت ایسی بکھر چکی ہو گی۔ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ سات افراد ان علامات کی وجہ سے اس حلیے کو جو حدیث شریف میں آیا ہے اس کو سامنے رکھ کر حضرت مہدی کی تلاش کر رہے ہوں گے۔ اور ادھر محمد بن عبد اللہ المہدیؓ جو عرض کیا کہ مدینہ کے رہنے والے ہیں یہ حج کے موسم میں بیت اللہ آئیں گے اور بیت اللہ کا طواف کر رہے ہوں گے تو رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان حضرات کی پہلی ملاقات جو ہے وہ مکہ میں ہے۔ اور یہ ان کے پاس جائیں گے کہ ہمارے علم کے مطابق آپ مہدی ہیں، آپ اعلان کریں ہم سب آپ کے حامی ہیں۔ اور رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان میں سے ہر ہر شخص اپنا ایک مقام رکھتا ہے یعنی وہ خود علمی اور روحانی صلاحیت رکھتا ہے اور اپنے علاقے میں اپنا ایک اثر و سوخ رکھتا ہے۔ اپنے علاقے کی بڑی دینی اور روحانی شخصیت ہو گا۔ تو حضرت مہدی کہیں گے کہ میں تو ایک امتی ہوں رسول اللہ ﷺ کے دین کا ایک مددگار ہوں میں تو مہدی نہیں ہوں۔ تب تک ان کی طرف جو مہدویت ہے وہ الہام نہیں ہوئی ہو گی۔ یہ (مہدی کے متلاشی)

لوگ مکہ میں رہیں گے۔ چونکہ حج کرنے والے مکہ میں رہتے ہیں جبکہ حضرت مہدیؓ حج سے فارغ ہونے کے بعد چونکہ مدینہ کے باسی ہیں، مدینہ کے باشندہ ہیں وہ اپنے گھر واپس مدینہ چلے جائیں گے۔

اب آپ بھی سمجھتے ہیں کہ جو حج کرنے جاتا ہے وہ حج کرنے کے بعد حج سے فارغ ہونے کے بعد کہاں جاتا ہے؛ مدینہ منورہ۔ یہ علما و اولیا کی جماعت مدینہ منورہ جائے گی اور رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوسری ملاقات مسجد نبوی مدینہ میں ہو گی۔ یہ پھر کہیں گے کہ علامات پوری ہو چکیں، زمانہ یہی ہے، حلیہ یہی ہے، اور ہمارا علم ہمیں بتاتا ہے کہ آپ ہی مہدی ہیں، آپ کیوں نہیں اعلان کرتے؟ وہ بر آت کا اعلان کر دیں گے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خبر نہیں، میں رسول اقدس ﷺ کا اُمتی، ایک حامی اور عام مددگار ہوں۔ کچھ عرصہ، جیسے حاجی مدینہ میں کچھ آٹھ دن، دس دن، بارہ دن، پندرہ دن رہنے کے بعد عموماً واپس آتا ہے مکہ میں، یہ علما و اولیا کی جماعت واپس مکہ میں آ جائے گی۔ یہ وہ ایام ہیں جو گزر رہے ہیں حج کے بعد کے، دس ذوالحجہ سے لے کر محرم کے بیچ کا یہ تقریباً پچیس دن یا ایک مہینہ کے لگ بھگ کا فاصلہ ہے، یہ یوں پورا ہو رہا ہے۔ کیونکہ رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ محرم کا دسواں دن ہو گا یا دسویں رات ہو گی تو ایک مہینہ یوں پورا ہو رہا ہے ملاقاتوں کے آنے اور جانے میں۔ اب یہ حج کرنے والے علما و اولیا جو سات ہیں، مدینہ سے واپس کہاں جانا ہے انہوں نے؟ مکہ مکرمہ میں۔ تو رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس دن یہ مکہ مکرمہ پہنچیں گے وہ رات فیصلے کی رات ہو گی۔ ابن ماجہ کی روایت ہے کہ اس فیصلہ کن رات میں اللہ تبارک وتعالیٰ محمد بن عبد اللہ المہدیؓ کو وہ مقام مہدویت، وہ صلاحیتیں، وہ صفات ان میں ودیعت کر دے گا۔ اب ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حکم ہو گا کہ مکہ جائیے اور اعلانِ مہدویت کیجیے۔ علما و اولیا پہلے سے فارغ ہو کر مکہ پہنچ چکے ہیں۔

اب تیسری ملاقات ان کی مکہ مکرمہ میں ہو رہی ہے اور حدیث شریف کے الفاظ ہیں کہ یہ علما و اولیا انتہائی سختی کے ساتھ جا کر ان کو جھنجھوڑیں گے اور رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت مہدیؓ بیت اللہ سے چمٹ کر رو رو کر دعا کر رہے ہوں گے کہ اے اللہ تو نے مجھے مقامِ مہدویت پر فائز کر دیا ہے، مجھ سے امت کے اتحاد و اتفاق اور غلبۂ اسلام کا کام لے لے۔ آپ امت کے احوال پر رو رہے ہوں گے کہ علما و اولیا ان کو کہیں گے کہ دیکھیں! آپ کی ہماری تیسری ملاقات ہے اور آپ آج اگر ہماری بات کو نہیں مانیں گے تو امت میں جتنا فساد اور جتنا خون ہو رہا ہے اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔ حدیث شریف میں الفاظ موجود ہیں کہ وہ ان کو پکڑ کر، ان کے کندھوں سے پکڑ کر ان کو جھنجھوڑیں گے تو رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت مہدیؓ ان سے کہیں گے کہ اللہ کی طرف سے اعلان ہو چکا ہے اور مجھے خبر ہو چکی ہے۔ میں مقامِ مہدویت پر فائز کر دیا گیا ہوں۔ تم اگر میرے حامی و مددگار ہو اور تم اس سے پہلے ملاقات کر چکے ہو، لہٰذا میرے ہاتھ پر بیعت کرو کہ تم میرا ساتھ نہیں چھوڑو گے، تمہاری بیعت کرنے کے بعد میں اعلانِ مہدویت کروں گا۔ تو رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

یہ بیعت عام بیعت سے پہلے خاص بیعت ہوگی جو نہ صرف خلافت کی بیعت ہے، نہ صرف جہاد کی بیعت ہے، بلکہ یہ بیعت علی الموت ہے، کہ جب تک اس جان میں جان ہے، جب تک اس بدن میں سانس ہے، ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور جہاد میں آپ کا ساتھ دیں گے، وہ بیعت جو نبیٔ کریم ﷺ نے اہلِ حدیبیہ سے بیعت رضوان کے موقع پر لی تھی یہ موت کی بیعت ہے، جہاد کی بیعت ہے، خلافت کی بیعت ہے۔

رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس بیعت کے لینے کے بعد، عشاء کے وقت کے قریب، ابو داؤد شریف کی حدیث ہے کہ حضرت مہدی چلتے ہوئے آئیں گے، چند لوگ ہوں گے، حج کا موسم ختم ہو رہا ہے، ویسے بھی حج میں لوگ کم آئے فساد اور امن نہ ہونے کی وجہ سے، عرب میں جنگ ہو رہی ہے تو حضرت مہدیؒ ما بین الرکن والمقام؛ "الرکن" جب آتا ہے تو اس سے مراد رکن یمانی نہیں ہوتا، "الرکن" سے مراد حجر اسود ہوتا ہے۔ رکن یمانی آئے یا اکیلا رکن آئے تو رکن یمانی مراد ہے اور جب الرکن آئے تو اس سے حجرِ اسود مراد ہے، ما بین الرکن والمقام، حجر اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان کھڑے ہو کر حضرت مہدیؒ اپنے مہدی ہونے کا اعلان کریں گے۔ نبیٔ کریم ﷺ کی رحمت پہ قربان جایئے، کہ نبیٔ کریم ﷺ نے وقت، حالات، علامات اور کس جگہ پر، عین اس جگہ کا تعین بھی بتا دیا کہ اس جگہ پر کھڑے ہو کر انہوں نے اعلان کرنا ہے اور نہ صرف علامات، واقعات، تاریخ، ان کی ملاقات، اس کی کیفیت، اس کا مقام، بلکہ یہی نہیں صرف بیعت نہیں، حضرت مہدیؒ نے کیا خطبہ ارشاد فرمانا ہے، پہلی تقریر کتب احادیث میں پوری، پورے الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ حضرت مہدیؒ جو خطبہ ارشاد فرمائیں گے، وہ آدھے صفحے کا خطبہ کتب احادیث میں موجود ہے۔ جس کا مفہوم، جس کا ترجمہ یہ ہے، حضرت مہدیؒ اپنا نام بتائیں گے کہ میں محمد بن عبد اللہ المہدی ہوں، اللہ ذوالجلال نے مجھے مقامِ مہدویت پر فائز کیا ہے اور میں تم سے اس بات کا وعدہ کرنے آیا ہوں کہ ہم قرآن و سنت پر عمل کریں گے، قرآن و سنت نے جس چیز کو باقی رکھا ہے ہم اس کو باقی رکھیں گے، جس چیز کو مٹایا ہے ہم اس چیز کو مٹائیں گے، ہر بدعت کا خاتمہ کریں گے، کفریہ نظام کا خاتمہ کرنا ہے اور یہ صورت جو ہے وہ جہاد کے ذریعے ہوگی، کون ہے جو میرے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کرتا ہے۔ تو نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا سب سے پہلے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کی تعداد، اصحابِ بدر کی گنتی کے برابر ہوگی، تین سو تیرہ افراد۔ سوال یہ ہے کہ حج کے ایام ہوں، حرم بیت اللہ ہو اور مسلمان ہر وقت اتنی تعداد میں ادھر ہوتے ہیں تو تین سو تیرہ بہت کم تعداد ہے، تو جواب یہ ہے کہ اس زمانہ میں وہاں چونکہ فتنہ ہے، جنگ ہے، امن نہیں، شامل ہونے والوں کی تعداد چونکہ پہلے کم ہے اور دوسرا یہ کہ حالات و واقعات کی خبر رکھنے والوں کی تعداد کم ہے، وہ سمجھیں گے کہ شاید یہ بھی ممکن ہے کہ مہدی کا دعویٰ کرنے والے اس سے پہلے بھی بہت آئے جو لوگ شکوک و شبہات کا شکار ہیں جن کو حالات و واقعات کا پورا علم نہیں، تو نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت مہدیؒ مہدویت کے اعلان کے بعد کہیں گے کہ میرے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کرو۔ دیکھیے! اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو ساری صلاحیتیں ودیعت کر دی ہیں۔ آکر ان کا جو طریقہ ہے وہ مذاکرات کا نہیں ہے، آکر ان کا جو طریقہ ہے وہ انتظام و انصرام کا نہیں، آتے ہی انہوں نے تبدیلی کی جو شکل ہے اور اسلام کے غلبے کی جو صورت ہے وہ یہ بتائی کہ انہوں نے کہا کہ میرے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کرو، جہاد کے ذریعے ہی اسلام کی بقا ہے اور جہاد کے ذریعے ہی اسلام کی نشر و اشاعت ہے۔ ہمیشہ اسلام اول تا آخر جہاد کے ذریعے غالب آیا ہے، ہمیشہ اسلام فاتح رہا ہے جہاد کے ذریعے اور ہمیشہ اسلام باقی رہا ہے جہاد کے ذریعے، کوئی اور صورت ممکن نہیں۔ یہی نبیٔ کریم ﷺ کا طریق، یہی انبیا کا طریق، یہی اللہ کی طرف سے المہدی خاص جو ہدایت لے کر آنے والوں کا طریق، اور یہی طریق حضرت عیسیٰؑ کا ہوگا جب وہ قتلِ دجال کے لیے آئیں گے۔ نبیٔ کریم ﷺ کی یہ طویل روایت جو ابو داؤد شریف میں ہے یہ یہاں ختم ہوتی ہے۔

آکر جنگوں میں ان کی ترتیب کیا ہوگی۔ کوئی طویل انتظار نہیں ہے، کوئی ترتیب کے نام پر وقت کا ضیاع نہیں، نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آتے ہی حضرتِ مہدیؒ اس بیعت کے بعد اعلانِ جہاد کر دیں گے اور پوری دنیا کو خبر کر دیں گے کہ پوری دنیا کی حکومتیں اور پوری دنیا کی حکمرانیاں ختم ہوتی ہیں میں ان سب کو اعلان کرتا ہوں کہ یہ زمین اللہ کی ہے اللہ کا حکم نافذ ہونا ہے، اپنا امر ختم، حکومت اور گورنمنٹ ختم، یہاں اللہ کا قانون نافذ ہوگا جو اللہ کی زمین کو اللہ کے دین کے محافظ کے سپرد کرتا ہے وہ ٹھیک جو سپرد نہیں کرے گا اس کے خلاف اعلانِ جہاد ہے۔

رسولِ اقدس ﷺ نے صحیح مسلم میں جو جنگیں ارشاد فرمائیں وہ چار بڑی جنگیں ہیں، پہلی جنگ حضرت مہدیؒ کی جزیرۃ العرب میں نام نہاد مسلمانوں کے ساتھ ہوگی۔ جو تین بھائی آپس میں جھگڑ رہے ہیں ایک بادشاہت کے لیے وہ کسی چوتھے کی بادشاہت کو کیسے قبول کریں گے؟ اور یہ لڑائی اور یہ جھگڑا، باخبر لوگ جانتے ہیں کہ عرب کی رائل فیملی میں اس وقت کتنے اختلافات ہیں اور عرب کے کتنے ہی خاندان اور کتنے ہی افراد ہیں جو اس لیے ملک بدر کر دیے گئے کہ وہ اپنی بادشاہی کے لیے راستہ ہموار کر رہے ہیں؛ یہ ایک امکانی صورت ہے

جاری ہے، ان شاء اللہ

امام مہدی کے پہلے خطبے کے الفاظ کا مفہوم ہوگا کہ:

"میں محمد بن عبد اللہ المہدی ہوں، اللہ ذوالجلال نے مجھے مقامِ مہدویت پر فائز کیا ہے اور میں تم سے اس بات کا وعدہ کرنے آیا ہوں کہ ہم قرآن و سنت پر عمل کریں گے، قرآن و سنت نے جس چیز کو باقی رکھا ہے ہم اس کو باقی رکھیں گے، جس چیز کو مٹایا ہے ہم اس چیز کو مٹائیں گے، ہر بدعت کا خاتمہ کریں گے، کفریہ نظام کا خاتمہ کرنا ہے اور یہ صورت جو ہے وہ جہاد کے ذریعے ہوگی، کون ہے جو میرے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کرتا ہے۔"

رمضان المبارک کی آمد پر سرورِ دو عالم ﷺ کا خطبۂ استقبالیہ

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری (نوّر اللہ مرقدہٗ)

[ایک بار رمضان المبارک کی آمد پر حضور سرورِ دو عالم، محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل خطبہ ارشاد فرمایا]

عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهُ ﷺ فِيْ اٰخِرِ يَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ فَقَالَ......

يٰاَيُّهَاالنَّاسُ! قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ، شَهْرٌ مُّبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ، جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَقِيَامَ لَيْلَه تَطَوُّعًا. مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنْ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ. وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ، وَالصَّبْرُ ثَوَابُهٗ الْجَنَّةُ، وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ، وَشَهْرٌ يُزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ. مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ لَهٗ مَغْفِرَةً لِذُنُوْبِهٖ وَعِتْقُ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُنْقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْءٌ.

قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ كُلُّنَا نَجْدُ مَا نُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ......

يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذَقَةِ لَبَنٍ اَوْ تَمْرَةٍ اَوْ شَرْبَةٍ مِّنْ مَّآءٍ، وَمَنْ اَشْبَعَ صَآئِمًا، سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ.

وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَاٰخِرُه عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ.

مَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِه فِيْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَاَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ .

كَذَا فِي الْمِشْكٰوةِ عَنِ الْبَيْهَقِيْ فِيْ شَعْبِ الْاِيْمَانِ وَزَادَ الْمُنْذِرِيْ فِي التَّرْغِيْبِ فَاسْتَكْثِرُوْا فِيْهِ مِنْ اَرْبَعِ خِصَالٍ خَصْلَتَيْنِ تَرْضَوْنَ بِهِمَا رَبَّكُمْ، وَخَصْلَتَيْنِ لَاغِنَاءَ بِكُمْ عَنْهُمَا. فَاَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ تَرْضَوْنَ بِهِمَا رَبَّكُمْ: فَشَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَتَسْتَغْفِرُوْنَهٗ، وَاَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ لَاغِنَاءَ بِكُمْ عَنْهُمَا: فَتَسْئَلُوْنَ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَتَعُوْذُوْنَ بِهٖ مِنَ النَّارِ۔

حضرت سلمان فارسیؓ نے بیان فرمایا کہ حضور سرورِ عالم ﷺ نے شعبان کی آخری تاریخ میں ہم کو خطاب فرمایا کہ......

اے لوگو! ایک باعظمت مہینہ آپہنچا ہے، جو ماہ مبارک ہے، اس میں ایک رات ہے جو ہزار ماہ سے بہتر ہے، اس ماہ کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض فرمائے ہیں اور اس کی تمام راتوں میں قیام کرنا تطوع (غیر فرض) قرار دیا ہے۔ اس ماہ میں جو شخص کوئی نیک کام کرے گا اس کو ایسا اجر و ثواب ملے گا جیسے اس کے علاوہ دوسرے مہینہ میں فرض ادا کرتا اور فرض کا ثواب ملتا اور جو شخص اس ماہ میں ایک فرض ادا کرے تو اس کو ستّر فرضوں کے برابر ثواب ملے گا۔

یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ اور یہ آپس کی غم خواری کا مہینہ ہے، اس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس ماہ میں جو شخص کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دے تو یہ اس کی مغفرت کا اور دوزخ سے اس کی گردن کی آزادی کا سامان بن جائے گا اور اس کو اسی قدر ثواب ملے گا جتنا روزہ دار کو ملے گا، مگر روزہ دار کے ثواب میں سے کچھ کمی نہ ہو گی۔

(حضرت سلمان فارسیؓ کا بیان ہے کہ) ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں ہر شخص تو اتنا مقدور نہیں جو روزہ افطار کرا دے۔ آپ نے فرمایا کہ......

اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس کو (بھی) دے گا جو پانی ملے ہوئے تھوڑے سے دودھ یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی سے افطار کرا دے (سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید فرمایا کہ) جو شخص (افطار کے بعد) کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کے کھانا کھلا دے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض سے ایسا سیراب کریں گے کہ جنت میں داخل ہونے تک پیاسا نہ ہو گا اور جنت میں تو بھوک پیاس کا نام ہی نہیں۔

اس ماہ کا اوّل حصہ رحمت ہے، دوسرا حصہ مغفرت ہے، تیسرا حصہ دوزخ سے آزادی کا ہے۔

جس نے اس ماہ میں اپنے غلام کا کام ہلکا کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیں گے۔

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ اس ماہ میں چار کاموں کی کثرت کرو، ان میں سے دو کام ایسے ہیں کہ ان کے ذریعہ تم اپنے پروردگار کو راضی کرو گے اور دو کام ایسے ہیں جن سے تم بے نیاز نہیں ہو سکتے ہو، وہ دو کام جن کے ذریعے خدائے پاک کی خوش نودی حاصل ہو گی یہ ہیں:

1. 'لا الٰہ الا اللہ' کا ورد رکھنا۔
2. خدائے پاک سے مغفرت طلب کرتے رہنا۔

اور وہ دو چیزیں جن سے تم بے نیاز نہیں رہ سکتے ہو:

3. جنت کا سوال کرنا۔
4. دوزخ سے پناہ مانگنا۔

(مشكوة المصابيح ص ۱۷۳ بحواله بيهقى شعب الايمان والترغيب والتربيب للمنذرى)

پیغامِ رمضان

مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی، زید مجدہٗ

روز و شب کی گردش اپنی ہمیشہ کی رفتار کے مطابق چلتے ہوئے پھر رمضان المبارک کے مقدس مہینہ تک آپہنچی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کو اور اس مہینہ کے دن اور اس کی راتوں کو دوسرے دنوں اور راتوں سے ایک خاص امتیاز بخشا ہے۔ یہ نیکیوں کی سوداگری کا مہینہ ہے، اس ماہ میں ہر نیکی اور طاعت کا بھاؤ بڑھا دیا جاتا ہے، اور بڑھانے والا وہ ہے جس کے یہاں لامحدود خزانہ ہے، جس کے یہاں لیت و لعل نہیں ہے، جس کے یہاں بخل و امساک نہیں ہے، جس سے عہد شکنی کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، جس کے یہاں سود وزیاں کا کوئی مسئلہ نہیں۔ اس کے دربار سے جو وعدہ صادر ہوتا ہے وہ بڑھ چڑھ کر پورا ہوتا ہے۔ عالم قدس میں اس مہینہ کا خاص اہتمام ہے۔ اہل ایمان کی دائمی قیام گاہ "جنت" کو اس ماہ میں نیا رنگ و روغن بخشا جاتا ہے۔ یہ مہینہ ایمان و عمل کی بادبہاری کا مہینہ ہے۔ اس مہینہ میں صرف آنے والوں کا ہی اعزاز واکرام نہیں کیا جاتا، بلکہ منہ موڑنے والوں کو بھی پکار پکار کر بلایا جاتا ہے، کہ برائی کی طرف دوڑنے والے ٹھہرو، ذرا دیکھو تمہارے لیے کیا کیا انتظام ہے؟

اللہ اللہ! کیا شانِ کریمی ہے کہ جو آقا ہے، خالق ومالک ہے، قادر مطلق ہے، سب کچھ اختیار رکھتا ہے، سب سے بے نیاز ہے، وہ اپنے بندوں کو، غلاموں کو، بندیوں کو، باندیوں کو پکارتا ہے، بلاتا ہے، ان کو بلاتا ہے جو بے بس اور محتاج ہیں، لیکن مالک کی شانِ رحیمی نے ایک محدود اور مختصر سا اختیار بخش دیا ہے تو اسی کے بل پر لگتے ہیں سرکشی کرنے، انھیں بھاگنے والے غلاموں کو اپنے لطف و کرم سے بلاتا ہے کہ آؤ میں تمہیں معاف کرنے کے لیے تیار ہوں۔

قربان ہونے اور مر مٹنے کا مقام ہے! کہاں ہیں بوجھ سے دبے ہوئے بندے؟ کہاں ہیں آفت کے مارے ہوئے غلام؟ کہاں ہیں روزی سے پریشان بھوکے؟ کہاں ہیں رحم و کرم کی آس لگائے ہوئے مساکین؟ کہاں ہیں زمانے کے ٹھکرائے ہوئے فقرا؟

آئیں! آگے بڑھیں، قریب ہو جائیں، ہاتھ بڑھائیں، دامن پھیلائیں، مانگتے جائیں اور پاتے جائیں، بخشش عام ہے، رحمت تمام ہے، محروم وہی ہے جو اس دریائے فیض کو بھی پا کر محروم رہے، بدقسمت وہی ہے جو رب عالی کی پکار پر بھی سوتا رہے اور اس کی آنکھ نہ کھلے۔

اے دنیاوی آفات میں مبتلا انسانو! تم اپنے مصائب کا علاج اور مشکلات کا حل کہاں ڈھونڈھ رہے ہو؟ تمہارے معاملات کا سرا یہاں اس عالم میں نہیں ہے، ان کا سرا عالم غیب میں ہے، عالم غیب ہی کے اشارے پر یہاں سب کچھ ظاہر ہوتا ہے، یہاں کی تدبیریں کچھ نہیں ہیں اگر وہاں کا اشارہ صادر نہ ہو!

اپنی جدوجہد کا رخ ادھر ہی پھیر دینے کی ضرورت ہے، عالم غیب تک رسائی اعمال غیب ہی سے ہوتی ہے، خواہ وہ ذکر و عبادت ہو یا حسن سلوک اور اخلاق حسنہ ہوں، یا دعا و مناجات ہو۔

إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ (سورۃ الفاطر: ۱۰)

"اسی کی جناب میں کلمۂ طیبہ پہنچتا ہے اور عمل صالح اس کو اوپر اٹھاتا ہے۔"

کلمۂ خبیثہ (کفر) اور اعمالِ بد تو پستی میں پھینک دیے جاتے ہیں، ان کے لیے آسمان کے دروازے کھولے نہیں جاتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ (سورۃ الاعراف: ۴۰)

"بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا، ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے، تاوقتیکہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔"

تو ایمان والو! اصول یہی ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کلمۂ طیبہ اور اعمال صالحہ عالم غیب کے حدودِ مملکت میں داخلہ پاتے ہیں، ہر الجھاؤ کے سلجھاؤ اور ہر مصیبت سے راحت اور ہر کلفت سے نجات کا واحد راستہ یہی ہے کہ آدمی کے قلب سے، زبان سے، ہاتھ پاؤں سے، آنکھ کان سے اور جسم و جان سے اچھے اعمال کا صدور ہو۔ یہی اعمال آغوشِ رحمت میں پہنچ کر اس دنیا کے حالات کو درست کرائیں گے، اور اس کے لیے رمضان کا مبارک مہینہ بہت ہی سازگار ہے۔

یہ تجربہ ہے کہ اعمالِ خیر کے اعتبار سے جس کا رمضان بخیر وعافیت گزر گیا وہ پورے سال اس خیر وعافیت کا فائدہ پاتا رہتا ہے۔

روزے کا اہتمام کریں، روزے کو مکروہات سے بچانے کا اہتمام کریں، یہ عبادت دن کی ہمہ وقت عبادت ہے، اس کو فضولیات اور گناہ کے کاموں میں مبتلا ہو کر برباد اور بے روح نہ بنائیں، دنیاوی کاموں کو گھٹا کر عبادت کے کاموں کو بڑھا دیں، قرآن کریم کی تلاوت، ذکر اللہ کی کثرت، مساجد میں حاضری اور تراویح کی پابندی کا اہتمام کریں۔

ہو سکتا ہے کہ یہی محنت سال بھر کی برکتوں کو سمیٹ کر آپ کے دامن میں ڈال دے، اور پھر پورے سال اس سے آپ مستفید ہوتے رہیں، یہ تجربہ ہے کہ اعمالِ خیر کے اعتبار سے جس کا رمضان بخیر وعافیت گزر گیا وہ پورے سال اس خیر وعافیت کا فائدہ پاتا رہتا ہے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امارتِ اسلامیہ افغانستان

وزارتِ صحت

کوروناوائرس سے بچنے کی احتیاطی تدابیر

اولاً، امارتِ اسلامیہ افغانستان کا 'کمیسیون برائے صحت' اپنی عوام کو کوروناوائرس سے پیدا ہونے والی مشکلات کی بابت اطمینان دلاتا ہے کہ ہر مشکل اور بیماری اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، لہٰذا اسی کی طرف رجوع ہو نیز اس بیماری کے متعلق ضرورت سے زیادہ پریشان نہ ہوں اور اپنے حواس پر قابو رکھیں۔

ثانیاً، کوروناوائرس کی علامات میں بخار، کھانسی، زکام اور سانس لینے میں دشواری شامل ہیں۔

ثالثاً، درجِ ذیل تدابیر کوروناوائرس کے حملے کی صورت میں حفاظت میں ہماری معاون و مددگار ہو سکتی ہیں:

۱. صفائی ایمان کا حصہ ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنے آپ، گھر اور ارد گرد کے ماحول کی صفائی کا خیال رکھے۔

۲. تمام فرائض کی پابندی، قرآنِ کریم کی تلاوت، مسنون اذکار اور دعاؤں کا اہتمام۔

۳. مسلمانوں کو چاہیے کہ حلال اشیائے خور د و نوش استعمال کریں اور حرام، ناپاک اور مشکوک اشیاء سے اپنے آپ کو بچائیں۔

۴. ہر روز پابندی کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو صابن سے دھوئیں۔

۵. دورانِ سفر یا چلنے پھرنے کے دوران طبی ماسک استعمال کریں اور ایک ماسک بار بار نہ استعمال کیا جائے۔

۶. کھانسنے اور چھینکنے کے دوران اپنے منہ اور ناک کو کپڑے سے ڈھکا جائے۔

۷. اپنے جسم کی قوتِ مدافعت کو بڑھانے کے لیے ان پھلوں اور سبزیوں کو استعمال میں لائیں جن میں 'وٹامن سی' کی مقدار زیادہ ہو۔

۸. کھانسی، بخار اور سر درد کی شکایت پر اپنے قریبی صحت کے مرکز کی طرف رجوع کریں اور اس دوران سفر نہ کریں۔

بوقتِ ضرورت افغانستان میں امارت اسلامیہ کے صحت کے کمیسیون کے مسئولین اور کارکنوں سے رابطہ کریں تاکہ مسئولِ صحت کی طرف سے دی گئی ہدایات کی روشنی میں فوری طور پر آپ کی مدد کی جاسکے۔

وزارتِ صحت

امارتِ اسلامیہ افغانستان

*نوٹ: یہ اعلامیہ اصلاً پشتو اور دری (افغانی فارسی) زبان میں نشر کیا گیا تھا، جس کی اردو ترجمانی ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' نے کی ہے۔

کورونا وائرس کا پیغام

ابو عمر عبد الرحمٰن

وبائیں پہلے بھی انسان نے دیکھی ہیں، اصحابِ خیر کے لیے یہ وبائیں سببِ خیر بنیں، ان کی وجہ سے ان کی ہدایت اور اللہ کے ساتھ تعلق میں اضافہ ہوا اور یوں یہ مصائب بھی ان کے لیے توبہ و استغفار اور پھر فوز و فلاح کا ذریعہ ثابت ہوئے۔ جو لوگ ان وباؤں میں ایمان و صبر کے ساتھ لقمۂ اجل بنے، ان کے لیے بھی مخبرِ صادق ﷺ نے موت کے بعد اعلیٰ مراتب کی خوشخبری دی ہے۔ مگر جہاں تک ظلم و طغیان کے راستوں پر بھٹکنے والوں کا تعلق ہے، وہ جو اللہ کے باغی، اپنی حقیقت سے انکاری اور انسانیت کے لیے باعث فتنہ تھے، یہ وبائیں ان کے لیے حجت، پھر تباہی، بربادی اور عذاب کا پیغام لے کر آئیں۔ ان کا امن خوف اور چین بے چینی میں بدلا اور وہ باقیوں کے لیے بھی نشانِ عبرت بن گئے۔

حالیہ کورونا وائرس کا بھی یہی معاملہ ہے۔ اللہ کے اطاعت گزاروں کے لیے یہ بہر حال خیر کا باعث ہے اور نافرمانوں کے لیے عذاب کا ذریعہ ہے..... کورونا ایک لحاظ سے ماضی کی وباؤں سے منفرد بھی ہے، اس کا دور مختلف ہے، یہ سولہویں سترھویں صدی نہیں، اکیسویں صدی ہے۔ پھر جہاں یہ پیدا ہوا، اور جنہوں نے سب سے زیادہ اس سے نقصان اٹھایا اور ابھی تک اٹھا رہے ہیں، یہ اقوام بھی آج اپنے ماضی سے ایک لحاظ سے مختلف ہیں۔ آج یہ وہ اقوام ہیں کہ جنہوں نے دنیاوی علوم اور ٹیکنالوجی میں ایسی ترقی کی ہے کہ شاید تاریخ انسانی میں کوئی اور قوم کبھی اس مقام تک نہیں پہنچ پائی ہو۔ فضاؤں پر ان کا قبضہ ہے، سمندر ان کے قابو میں ہیں اور زمین پر بھی ان کا دعویٰ ہے کہ ان کے علم میں آئے بغیر کوئی اس پر نہیں چل سکتا۔ سیّاروں اور خلاؤں تک پر بھی قبضہ جمانے کے لیے اب امریکہ نے اپنی ملٹری فورس کا اعلان کیا ہے۔ غرض دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے مہلک ترین اور جدید ترین ہتھیار ہوں یا اپنی راحت و سہولت اور عیش و عشرت کے لیے اعلیٰ ترین وسائل، ہر میدان میں ان اقوام کی پہلے کوئی مثال نہیں رہی۔ کورونا سے پہلے کوئی ایسا ڈر، خوف اور یقینی خدشہ انہیں نہیں تھا کہ جو انہیں بطورِ قوم عدمِ تحفظ میں مبتلا کرتا۔ ہر خطرے کے لیے مؤثر ترین ہتھیار اور ہر پریشانی کے لیے بہترین علاج ان کے پاس موجود تھا۔ ان کی زندگی تھی جو ایک ترتیب، نظم وضبط اور بڑے Predictable (قابل پیش گوئی) انداز میں ترقی کر رہی تھی۔ اور یہی تحفظ کا احساس فاسد، مستغنی ہونے کا زعم باطل ہے کہ جس کے سبب انسان اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور ظلم و عدوان پر اتر آتا ہے۔ انسان کی تنگ نظری اور کم ظرفی ہے کہ جب بھی اس کے پاس تھوڑی سی طاقت آجاتی ہے اور اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے تو یہ سرکشی اور طغیان پر اتر آتا ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے: كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ "انسان سرکشی کرتا ہے"۔ کب؟ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ۔ جب اپنے آپ کو بے نیاز (مستغنی) پاتا ہے، آگے فرماتا ہے إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ..... (یعنی نہیں، تم مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو، تم اب بھی اور ہمیشہ میرے سامنے عاجز ہو گے، اس لیے کہ میں خالق اور تم مخلوق ہو) فرماتے ہیں؛ 'تم نے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے"۔ تم چاہو یا نہ چاہو، تم نے میری طرف ہی لوٹ کے آنا ہے۔ موت کا کڑوا گھونٹ تمہیں بہر صورت پینا ہی ہو گا: قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ[1] ..... تو طاقت و قوت کا دھوکہ انسان کی آنکھوں پر پردے ڈالتا ہے اور یہ استغنا کا احساس اس کو اللہ سے بغاوت اور مخلوق کے خلاف ظلم پر ڈالتا ہے، ایسے میں پھر ضرورت ہوتی ہے کہ ایسوں کو اللہ کے مقابل ان کے عاجز ہونے، بے بس اور کمزور ثابت کرنے کے لیے کچھ مؤثر 'پیغامات' دیے جائیں۔ یہ پیغامات انفرادی طور پر ملتے رہتے ہیں، مگر قومی سطح پر بھی بعض اوقات نظر آجاتے ہیں اور یہ پوری قوم، بلکہ پوری انسانیت کے لیے پھر دعوتِ فکر اور حجتِ الٰہی ثابت ہوتے ہیں۔

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا ایک نام 'المتکبر' ہے اور متکبر ذات کی ایک صفت یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ جب اس کا دشمن اس کی بغاوت میں آگے بڑھتا اور خوب تیاری کرتا ہے، اس کے خلاف طاقت و قوت جمع کرتا ہے، تو اللہ اس کی اس 'ترقی' میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتا، دشمن اللہ کی معصیت میں وسائل و ہتھیار اکٹھے کرتا ہے، جبکہ اللہ اس کی طرف التفات بھی نہیں کرتا، بلکہ الٹا نوازتا ہے اور اپنے خلاف اپنے اس کی مہم میں بھی مدد کرتا ہے لیکن جب یہ اپنی آخری حد تک قوت اکٹھی کر لیتا ہے، اپنی طاقت کے ناقابل تسخیر ہونے کا جب گمانِ فاسد اسے ہو جاتا ہے اور سینہ تان کر اپنی خدائی کا دعوی، أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ کا اعلان کرتا ہے، تب المتکبر کی طرف سے ایک ہلکا سا تھپڑ آجاتا ہے اور یوں حقیر جھوٹے خدا کی تیاریوں کی وہ فلک بوس عمارت پھر دھڑام سے زمین بوس ہو جاتی ہے۔ اللہ کے پاس لشکروں کی کیا کمی ہے؟ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ[2]۔" اور تمہارے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔" مقابلہ تو دور کی بات اللہ کے جنود کا جاننا بھی مخلوق کے بس میں نہیں! جب بھی کبھی کوئی مخلوق خالق السماوات والارض کے خلاف بغاوت میں حد سے بڑھی، اللہ نے اپنے کسی چھوٹی سی مخلوق کو حکم دیا، وہ اٹھی اور اس پر مسلط ہو گئی، کبھی مچھر کی شکل میں جس نے نمرود کی عقل ٹھکانے لگائی، کبھی دریا کی لہروں کی صورت میں جنہوں نے فرعون کو اس کی اصلیت سمجھا دی اور کبھی طوفان اور سیلاب کہ

---

[1] الجمعہ: ۸؛ "کہو کہ: جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم سے آملنے والی ہے، پھر تمہیں اس (اللہ) کی طرف لوٹایا جائے گا جسے تمام پوشیدہ اور کھلی ہوئی باتوں کا پورا علم ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کچھ کیا کرتے تھے۔"

[2] المدثر: ۳۱

جنہوں نے قومِ عاد و ثمود کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا...... فراعنۂ وقت کا زعم توڑنے کے لیے بس کسی ایک مخلوق کو 'کُن' کہنے کی دیر لگتی ہے اور وہ لشکر بن کر جب ظالموں اور جابروں پر ٹوٹتا ہے تو طاقت و کبر کے غبارے سے ہوا نکلنے میں پھر دیر نہیں لگتی۔ ایسے متکبرین کو دکھایا جاتا ہے کہ تم مخلوق ہو اور اللہ تمہارا خالق ہے، تم محتاج ہو جبکہ اللہ الغنی اور المغنی ہے، تم کمزور اور ضعیف ہو جبکہ اللہ القوی اور القیوم ہے، تم اپنے خیر و شر کے معاملے میں بے اختیار اور بالکل بے بس ہو جبکہ اللہ مختار بھی ہے، تم سے بالکل بے نیاز بھی ہے اور تمہاری ہر خیر اور ہر شر بھی سی کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے: سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ أَنَّهُ الْحَقُّ[1]۔ ''ہم انہیں کائنات میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے اور خود ان کے اپنے وجود میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل کر سامنے آجائے کہ یہی حق ہے۔'' یہ نشانیاں اللہ کی طرف سے پیغامات ہوتی ہیں کہ انسان اپنے آپ کو پہچانے، اللہ کے سامنے اپنے عجز اور اپنی محتاجی کا احساس کرے اور اس کا یہ دل و ذہن سے احساس کرنا ہی پھر اسے اس کے عبد 'اللہ کا بندہ' ہونے کا شعور دلاتا ہے۔ مقولہ ہے: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ، جس نے اپنا آپ پہچانا، اُس نے اپنے رب کو پہچانا، یعنی جس نے اللہ کے سامنے اپنے عجز، بے بسی اور بے اختیاری کو پہچانا، جسے یہ شعور مل گیا کہ وہ خود کچھ نہیں، بلکہ جو کچھ بھی ہے، اپنے خالق، اللہ کے سبب ہے تو نتیجتاً وہ اپنے رب کو بھی پہچان لیتا ہے۔ اپنے رب کو نہ پہچاننے کا سبب دنیا کا دھوکہ و فریب ہوتا ہے، یہ زعم ہوتا ہے خود وہ بھی کوئی شے ہے، وہ اور اس کی بنائی یہ عارضی ننھی سی دنیا، اس کے اپنے اختیار میں ہے، مگر جیسے ہی اسے اپنا آپ کمزور اور بے بس نظر آتا ہے تو اسے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس کائنات کو پیدا کرنے اور اسے ایک ترتیب اور نظم وضبط میں چلانے والا ایک خالق (پیدا کرنے والا)، ایک مدبر (چلانے والا) اور بادشاہوں کا ایک بادشاہ 'الملک' بھی ہے۔

مادی ترقی اور ٹیکنالوجی کی یہ طاقت ہی تھی کہ جس نے چین و امریکہ اور ان دیگر أئمہ کفر کو ناقابل تسخیر اور مکمل طور پر 'محفوظ' ہونے کے گمان کاذب میں مبتلا کیا تھا، ان کے اس زعمِ باطل اور خدائی کے اس دعوے نے کتنے دیگر انسانوں کو بھی دھوکہ و فریب میں مبتلا کیا تھا اور انہوں نے بھی اپنی جہالت اور خواہش نفس کے سبب انہیں اپنا خدا اور ان کی تہذیب و افکار کو اپنا دین بنایا تھا۔ یہ ان کا استغنا ہی تھا کہ جس کے سبب اللہ سے بغاوت اور اس کے بندوں پر ظلم کو انہوں نے اپنا مشغلہ سمجھا تھا۔ چین کے ان طواغیت نے مشرقی ترکستان کے مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے۔ جب یہ ظالم ان کے دلوں سے ان کا ایمان نوچ رہے تھے اور ہماری ماؤں بہنوں کی یہ عزتیں لوٹ رہے تھے تو وہ کیا چیز تھی کہ جس نے ان ظالموں کو اس قدر جری کیا تھا؟ یہ ان کا یہ گمان تھا کہ ہم محفوظ ہیں اور ہمیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مسلمانانِ عالم پر امریکہ و یورپ کے مظالم اور اللہ کے دین کے خلاف جارحیت پہلے بھی کوئی کم نہیں تھی، مگر پچھلے چند عشروں میں جس تکبر کے ساتھ فلسطین کے مسلمانوں کو زمین کے ساتھ لگایا گیا اور جس ڈھٹائی کے ساتھ پوری دنیا میں مسلمان عوام اور مجاہدین امت کو شہید کیا جا رہا ہے، یہ سب جرأتیں و بغاوتیں بھی محض اس ایک زعم کے سبب ہی تھیں کہ یہ 'محفوظ' ہیں، 'مامون' ہیں اور اپنی قومی سلامتی (National Security) کے معاملے میں اب یہ بالکل 'خود مختار' ہیں، ان کا 'ہوم لینڈ' محفوظ ہو چکا ہے۔ یہ احساس اور یہ زعم انتہائی گمراہ کن تھا، یہ ایسا فاسد اور مفسد تھا کہ کفر و الحاد کی اشاعت و تقویت کا بھی ایک بڑا سبب بن رہا تھا، سائنس و ٹیکنالوجی اسلام کے خلاف نہیں، مگر غلیظ ذہنوں اور گناہوں میں لتھڑے قلوب نے اسے اسلام کے خلاف لا کھڑا کر دیا تھا اور یہ دعوی کیا تھا کہ 'خیر و شر' اب ہمارے اپنے ہاتھ میں ہے، ہم اب فتح یاب ہیں اور کوئی قوت ہماری اس خود مختاری کے احساس Sense of independence کو کبھی چیلنج نہیں کر سکتی۔ یہ خدا ہونے کا دعویٰ تھا، حقیر مخلوق ہو کر اپنے خالق سے بغاوت تھی۔ مگر یہ سب گمان باطل اور سکیورٹی کے ان کے سب انتظامات مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ثابت ہوئے، پوری قوم پر خوف مسلط ہو گیا، ٹیکنالوجی کی ترقی اور اس کا ناقابل تسخیر ہونے کا زعم دھرے کا دھرا رہ گیا۔ کورونا وائرس ننھی سی مخلوق ہے، ایسی مخلوق جو نہ نظر آتی ہے اور نہ ہی پکڑی جاسکتی ہے، یہ وائرس چین میں پیدا ہوا، تو یہاں اس نے ہزاروں چینیوں کو نگل لیا، پورے چین کو جیسے میدان جنگ بنا دیا، شہر بند، گلیاں خالی اور سب بازار سنسان ہو گئے، معیشت و اقتصاد کو ہلا کر رکھ دیا اور پھر یہ آگے بڑھا، سبحان اللہ، اسلامی ممالک سے بھی گزرا مگر یہاں اس نے زیادہ نقصان نہیں دیا، نقصان دینے یہ سمندر پار امریکہ و یورپ پہنچ گیا۔ امریکہ میں تادمِ تحریر اکتیس ہزار لوگوں کی اس نے جانیں لی ہیں، چھ لاکھ امریکی ہسپتالوں میں داخل ہوئے، امریکی صدر ہر دوسرے روز اپنا ٹیسٹ کراتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ ابھی میں بچا ہوا ہوں، نیویارک و واشنگٹن کی سڑکیں مکمل خاموش، تجارتی مراکز بند اور انسان ہے جو انسان سے بھاگ رہا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق امریکی اقتصاد کو اپنی تاریخ کے بدترین نقصان کا سامنا ہے، کہا جا رہا ہے کہ جتنا نقصان اس نے عراق و افغانستان جنگ میں اٹھایا ہے، اُس سے کہیں زیادہ کورونا کے باعث اٹھانے کا خطرہ ہے۔ اٹلی، برطانیہ، جرمنی، اور دیگر یورپی ممالک میں بھی کورونا نے ہزاروں لوگوں کی جان لی۔ برطانوی وزیر اعظم تک کئی دن ہسپتال میں پڑا رہا...... فرانس، روس، اسرائیل کوئی طاغوت آج محفوظ نہیں۔ ایک لاکھ چوراسی ہزار سے زائد لوگ اب تک اس کے سبب مر گئے ہیں۔ کفار میں سے کتنے اس نے مار دیے؟ یہ اہم بات نہیں ہے، نہ ہی شاید یہ کوئی خوشی منانے کی بات ہو۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ ان سب طواغیت اور کفار کی سکیورٹی کی حس تباہ ہوئی اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ محفوظ نہیں ہیں۔ الحمدللہ، انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ان کی ٹیکنالوجی چاہے جتنی بھی ترقی کر گئی ہے، یہ اللہ کے جنود کے سامنے کسی کام کی نہیں ہے۔ اور ہمارے خیال میں یہ احساس دلانا ہی کورونا کا

[1] حم السجدۃ: ۵۳

پیغام ہے، یہ پیغام اگر اہل امریکہ اور یورپ وچین کے رہنے والے سمجھ گئے تو ان کا بھلا ہو گا اور وہ بھی دنیا و آخرت کی فوز و فلاح پائیں گے۔ لیکن اگر یہ اسی طرح اپنے کفر وطغیان اور انسانوں کے خلاف ظلم عدوان کی روش پر ہی قائم رہے تو جو اللہ کورونا جیسا خلاف توقع لشکر بھیج سکتا ہے، وہ قدیر وعزیز رب اس پوری دنیا کو فنا کرنے اور یومِ حشر قائم کرنے پر بھی قادر ہے۔ کورونا جیسے یہ پیغامات بھی بھیجے اس لیے جارہے ہیں کہ ہم انسان اُس دن کی فکر کریں اور اپنے خالق، معبود، مالک اور حاکم کو پہچانیں اور اس کے سامنے سر جھکائیں۔

اہل دین اور مجاہدین کے لیے بھی کورونا کے اس واقعہ میں ایک بڑا پیغام موجود ہے۔ پیغام یہ کہ دشمنان خدا کی طاقت و قوت اور تعداد و سامان سے کبھی پریشان نہیں ہونا...... یہ سب اللہ کے ایک کُن کی وار ہے، ایک چھوٹا سا جرثومہ ہی ان سب کو تہہ وبالا کرنے کے لیے کافی ہے۔ اللہ نے اسلام و اہل اسلام کو غالب کرنے کے جو وعدے کیے ہیں، وہ سچے ہیں، پورا ہو کر رہیں گے، اہل کفر نے مغلوب ہونا ہے، آج نہیں تو کل، دیر سویر کا فرق نہیں، اصل آزمائش ہماری بندگی کی ہے کہ ہم اللہ کے اوامر پر عمل کرتے ہیں یا خود ہم بھی کفار جیسے طرز حیات اپناتے ہیں۔ ضروری ہے کہ ہم اللہ کے اوامر پر عمل کریں، اُس اللہ ہی کو اپنا محبوب اور معبود رکھیں اور کفر و ظلم کے خلاف اپنا یہ جہاد جاری رکھیں۔ یقین کریں کہ ان دشمنان خدا کے یہ سب بحری بیڑے، سارے ہوائی جہاز اور سب بم ومیزائل کچھ بھی انہیں نہیں بچاسکتے۔ جس طرح آج کورونا نے باوجود ان کی ٹیکنالوجی اور طاقت کے ان کی معیشت اور زندگیاں مفلوج کر رکھی، اس طرح کورونا کا خالق اس پر قادر ہے کہ کل کسی اور ذریعہ سے مؤمنین مجاہدین اور مظلوم امت مسلمہ کی مدد کرے اور اللہ کے باغی یہ حقیر مخلوق سب تباہ وبرباد ہوں۔

باقی جو اہل ایمان اور اصحابِ خیر اس وبا سے کسی بھی طرح متأثر ہوئے ہیں، اللہ ان کے لیے آسانی پیدا فرمائے، ان کے گناہ معاف کریں اور انہیں ان تکالیف کے بدلہ دنیا و آخرت میں بہترین اجر سے نوازے، جو مسلمان فوت ہوئے ہیں، ان کی مغفرت کرے اور یہ ناگہانی موت ان کے حق میں نافع ثابت کرے۔ کفار میں جس جس کو اس کے سبب تکلیف پہنچی ہے، اللہ اسے اس کی ہدایت کا ذریعہ بنائے اور اسے توفیق دے کہ وہ اپنے رب کو صحیح معنوں میں پہچانے، اس پر ایمان لائے اور حق و باطل کے بیچ عالم گیر کشمکش میں اہل حق کی طرف کھڑا ہو جائے، آمین یارب العالمین۔

بقیہ: شوقِ وطن

اور ان پر گنہگار کا عمل بھی پیش ہوتا ہے سو کہتے ہیں کہ اے اللہ! اس کے دل میں نیکی ڈال جو تیری رضا اور قرب کا سبب ہو جاوے۔ (شرح الصدور)

مرنے والے کا عالم ارواح میں استقبال ہوتا ہے:

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کوئی مرتا ہے تو اس کی اولاد (عالم ارواح میں) اس طرح اس کا استقبال کرتی ہے جیسے کسی باہر گئے ہوئے کا (آنے کے وقت) استقبال کیا کرتی ہے۔ (بحوالہ ابن ابی الدنیا)

عالم ارواح میں روحیں آپس میں مل کر خوش ہوتی ہیں:

ثابت بنانی سے منقول ہے کہ ہم کو یہ روایت پہنچی کہ جب کوئی مرتا ہے تو (عالم ارواح میں پہنچنے کے وقت) اس کے اہل و اقارب جو پہلے مر چکے ہیں، اس کو ہر چہار طرف سے گھیر لیتے ہیں اور وہ اس سے مل کر اور یہ ان سے مل کر اس مسافر سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جو اپنے گھر آتا ہے۔ (بحوالہ ابن ابی الدنیا)

ساتواں باب: تجہیز و تکفین کے وقت مسلمان کا اعزاز

مسلمان میت کے لیے خوشخبری:

عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ جو میت مرتی ہے اس کی روح ایک فرشتے کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ اپنے جسد کو دیکھتی ہے کہ کیونکر غسل دیا جاتا ہے کیونکر کفن دیتے ہیں اور کیونکر اس کو لے کر چلتے ہیں، اور لاش ابھی تختے ہی پر ہوتی ہے کہ اس سے فرشتے کہتے ہیں کہ لوگ جو تیری تعریف کر رہے ہیں سن لے (کہ بشارت عاجلہ مقدمہ ہے خیر آئندہ کا)۔

اسی طرح ملائکہ کی روایت کہ اس سے فرشتے یہ بات کہتے ہیں حضرت سفیان رحمہ اللہ سے بھی ابن ابی الدنیا نے نقل کیا ہے، مقصود ملائکہ کا اس قول سے اس وقت اس کا جاہ دکھلانا اور دل بڑھانا اور آئندہ کے لیے امید دلانا ہے۔ (بحوالہ ابو نعیم)

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

کورونا وائرس: ظالم چین کے لیے ایک رحمانی تنبیہ!

مشرقی ترکستان، امت مسلمہ کی ایک مقبوضہ سرزمین ہے اور یہاں کے اہل ایمان اس امت مظلومہ کے انتہائی مظلوم مسلمان۔ ان مسلمانوں پر عرصۂ دراز سے بدترین مظالم جاری ہیں۔ لاکھوں مسلمان جیلوں میں بند ہیں۔ منظم جبر و تشدد کے تحت انہیں اسلام چھوڑنے، شراب اور خنزیر کا گوشت کھانے کا عادی بنانے اور دیگر گناہوں پر کھلے عام مجبور کیا جاتا ہے۔ یہ مظالم ساری دنیا جانتی ہے مگر پاکستان میں بعض افراد کے تعامل اور تجزیات و تبصرے مظالم کی ان خبروں کو مشکوک بنادیتے ہیں۔ کشمیری مسلمانوں پر مظالم کی خبروں کو جب ہندوستان کا میڈیا پاکستان کا پراپیگنڈا کہہ کر مسترد کرتا ہے تو ہم اہل ایمان تڑپ جاتے ہیں، لیکن مشرقی ترکستان کے ان مسلمانوں پر مظالم کا جب میڈیا میں چرچا ہوتا ہے تو افسوس ہے کہ ہمارے بعض مسلمان صحافی بھی یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ یہ چین کے خلاف مغرب و امریکہ کا پراپیگنڈا ہے، حالانکہ چین کی طرف سے ان مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے یہ مظالم آج دنیا میں موجود دیگر مظلوم مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم سے کسی طور کم نہیں۔

یہ مضمون دراصل مشرقی ترکستان کے مہاجر مجاہدین کی طرف سے نشر کردہ ایک ویڈیو کا ترجمہ ہے، جسے ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' کی ادارتی پالیسی کے مطابق حذف و اضافے کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔ یہ ویڈیو اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ یہ مغربی میڈیا کے کسی ادارے کی نشر کردہ نہیں ہے، بلکہ اسے مشرقی ترکستان کے اُن مہاجر مجاہدین نے تیار کیا ہے جو خود ارضِ ہجرت و جہاد میں موجود ہیں اور امریکہ و مغرب کے مظالم کا نشانہ بھی بن رہے ہیں۔ (ادارہ)

ویڈیو کی تعلیق (Commentary):

یہ وبائے قاتل ہے۔ ایسی وبا جس نے چینی قوم کو خوف و ہراس میں مبتلا کیا اور ان کی راتوں کی نیندیں اڑادیں۔ تاحال اس بیماری کی کوئی دوا ایجاد نہیں ہوئی...... یہ کورونا وائرس ہے......!

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ○ (سورۃ الانعام: ٦٣)

”کہو: خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے اس وقت کون تمہیں نجات دیتا ہے جب تم اسے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو، (اور یہ کہتے ہو کہ) اگر اس نے ہمیں اس مصیبت سے بچا لیا تو ہم ضرور بالضرور شکر گزار بندوں میں شامل ہو جائیں گے؟“

تمام امور اللہ جلّ جلالہٗ کے ہاتھ میں ہیں، اور جب بھی وہ چاہے اور جیسے بھی وہ چاہے، وہ اپنے اوامر کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینے پر پوری طرح قادر ہے۔

ہم ان دنوں دنیا کے مختلف حصوں میں بہت سی آفات اور مصیبتوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں، بالخصوص چین کے شہر ووہان میں، جہاں کورونا وائرس ظاہر ہوا۔ اس چھوٹے سے وائرس نے ایک کروڑ دس لاکھ سے زائد لوگوں سے آباد ووہان کے گنجان آباد تجارتی شہر کو بھوتوں کے شہر میں تبدیل کر دیا ہے، جبکہ ہسپتال اس وائرس سے متاثرہ افراد سے بھر گئے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس نے چینی حکومت کو متعدد نئے ہسپتالوں کی تعمیر پر مجبور کیا اور شہر کے تمام داخلی اور خارجی راستوں کو بیماری کی روک تھام اور اس کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے بند کر دیا گیا۔ ان تمام حفاظتی انتظامات اور احتیاطی تدابیر کے باوجود کورونا وائرس چین میں بہت تیزی سے پھیلا اور اس کی خبریں اخبارات، رسالوں اور سوشل میڈیا میں گردش کرنے لگیں۔

چینی خبر رساں اداروں کے مطابق کورونا وائرس سے متاثرہ افراد کی تعداد ستّر ہزار اور اس سے مرنے والوں کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی (بعد میں یہ تعداد اس سے کہیں بڑھ گئی)۔ مگر ووہان میں موجود ڈاکٹروں کے مطابق مریضوں کی اصل تعداد، خبروں میں بتائی گئی تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔[1]

کورونا وائرس ووہان میں ایک بازار سے پھیلا۔ اس بازار میں گوشت بیچا جاتا ہے اور زیادہ تر وہ گوشت بیچا جاتا ہے جس کو قرآن نے حرام قرار دیا ہے۔[2]

یہ لوگ دنیا کے نجس ترین اور گندے ترین لوگ ہیں؛ کیونکہ یہ ہر نجس چیز اور گندگی کھاتے ہیں اور انسانوں یا حیوانوں میں سے کسی پر بھی رحم نہیں کھاتے۔

چینیوں نے جو ظلم و ستم ایغور (مشرقی ترکستان کے) مسلمانوں کے ساتھ کیا اور کر رہے ہیں، اس کی وجہ سے یہ ان پر اللہ کا عذاب ہے، اور ہم مجاہدین بھی اسی پر یقین رکھتے ہیں۔[3]

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ○ (سورۃ الانفال: ٣٠)

”وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جبکہ منکرینِ حق تیرے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تجھے قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا جلاوطن کر دیں۔ وہ اپنی

---

[1] میڈیا میں اس قسم کی رپورٹیں بہت عام ہیں کہ چینی حکومت ہلاک شدگان کی اصل تعداد چھپا رہی ہے، ایسے صحافیوں کی گرفتاری کی تصاویر بھی نیٹ پر آئی ہیں کہ جنھوں نے اصل تعداد جب میڈیا میں عام کرنا چاہی تو انہیں گرفتار کیا گیا۔ (ادارہ نوائے غزوۂ ہند)

[2] پس منظر میں مناظر دکھائے جارہے ہیں جس میں سانپوں اور قسم قسم کے گندے جانوروں کا گوشت بکتا دکھایا جارہا ہے، مردہ کتوں کے ساتھ ساتھ زندہ کتّے کی کھال جلا کر اتارنے کا منظر بھی دکھایا جارہا ہے۔ نیز چینی باشندوں کو زندہ چوہے، سالم کیکڑے اور زندہ پرندے کو کھاتے ہوئے واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

[3] یہ ویڈیو اس وقت کی ہے جب کورونا وائرس چین سے باہر قابلِ ذکر طور پر نہیں پھیلا تھا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ مومنین کے لیے رحمان و رحیم اور شفیق ذات ہے، عام مشاہدہ ہے کہ یہ وائرس مسلمان ممالک میں نہ ہونے کے برابر پھیلا ہے۔ جبکہ کفار کے ممالک خاص کر امریکہ، برطانیہ اور اٹلی وغیرہ میں اس کا پھیلاؤ طوفان کی سی شکل اختیار کیے ہوئے ہے۔ کورونا وائرس ظالم اہلِ چین کے ساتھ ساتھ ظالم اہلِ مغرب کے لیے بھی ایک تنبیہ ہے۔

چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہترین چال چلنے والا ہے۔"

ملحد کمیونسٹ چین نے عرصۂ دراز سے مشرقی ترکستان پر قبضہ کر رکھا ہے اور مسلمانوں کے خلاف بدترین ظلم، تشدد اور تعذیب بپا کر رکھا ہے۔ وہ یہ بھول گئے کہ ان مسلمانوں کا ایک خدا ہے جو جب چاہے ان کا بدلہ لے سکتا ہے، اور آج اس وائرس کے ذریعے ہم اللہ کے عذاب کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ، مالک الملک ہے، وہی کمزوروں کا مددگار ہے، پس ہم اسی رب عظیم سے سوال کرتے ہیں کہ اس وبا کو ملحد چینیوں کی ہدایت یا دوسری صورت میں ان کی تباہی و بربادی کا سبب بنا دے اور پوری دنیا میں، بالخصوص مشرقی ترکستان میں مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔

مشرقی ترکستان کے ایک مہاجر مجاہد کا بیان

بسم اللہ والحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ و علی آلہ وصحبہ ومن والاہ

میرے محترم بھائیو!

یہ گمان نہ رکھیں کہ اللہ رب العزت ظالموں کو یونہی چھوڑ دے گا، بلکہ وہ انہیں مہلت دیتا ہے اور پھر بتدریج انہیں اس دنیا میں اور آخرت میں عذاب کی جانب دھکیلتا ہے۔ حال ہی میں جو کچھ چین میں ہوا، وہ ہم سب نے دیکھا۔ یہ ملحد قوم، جس کے صدر نے حال ہی میں ڈینگ مارتے ہوئے کہا کہ اس کے ملک اور اس کی اعلیٰ ترین ترقی کے سامنے کوئی کھڑا نہیں ہو سکتا، اس کی حالت بھی دیگر طواغیت کی سی ہی ہے؛ اپنی جھوٹی عزت نے انہیں گناہ پر جما دیا تو القوی العزیز اللہ کا جواب ہمیشہ کی طرح بڑی سرعت سے انہیں ملا۔

وہ، جس نے اس ننھی سی مخلوق کو اس قوم کے اوپر مسلط کیا، ایک ایسی مخلوق جسے محض آنکھ سے دیکھا بھی نہیں جا سکتا (یعنی وائرس)۔ اللہ پاک نے اس وائرس کے ذریعے پوری چینی قوم کو دہشت زدہ کر دیا اور ان پر زندگی کی تمام تر لذت اور امن کو حرام کر دیا۔ اس نے ان کی آنکھوں سے نیند چھین لی اور ان کی زندگیوں کو الٹ کر رکھ دیا۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ○(سورۃ ہود: ۱۰۲)

"اور جب بھی آپ کا پروردگار کسی ظالم بستی کو پکڑتا ہے تو اس کی گرفت ایسی ہی ہوتی ہے، بلاشبہ اس کی گرفت دکھ دینے والی اور سخت ہوتی ہے۔"

اللہ عزّوجلّ نے فرمایا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ڛ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ○(سورۃ ابراہیم: ۴۲)

"اور یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جو کچھ یہ ظالم کر رہے ہیں، اللہ اس سے غافل ہے۔ وہ تو ان لوگوں کو اس دن تک کے لیے مہلت دے رہا ہے جس میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔"

اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إن الله ليملي للظالم حتى إذا أخذه لم يفلته ثم يقرأ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰي وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ."

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے (یعنی دنیا میں اس کی عمر دراز کرتا ہے تاکہ وہ اپنے ظلم کا پیمانہ لبریز کرے اور آخرت میں سخت عذاب میں گرفتار ہو) یہاں تک کہ جب اس کو پکڑے گا تو چھوڑے گا نہیں (اور وہ ظالم اس کے عذاب سے بچ کر نکل نہیں پائے گا) اس کے بعد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (دلیل کے طور پر) یہ آیت پڑھی۔ 'وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ'۔"

ہر دور میں ایک طاغوت ظاہر ہوتا ہے جو تکبر اور ظلم کرتا ہے اور اپنی بندگی کی حدود سے تجاوز کرتا ہے اور دنیا میں فساد پھیلاتا ہے۔ تب اللہ کی سنت، جو کسی کی طرف داری نہیں کرتی، جاری ہوتی ہے اور (جلد یا بدیر) اس طاغوت اور اس کے پیروکاروں کا قلع قمع کرتی ہے۔ تاریخ فرعون اور دیگر طواغیت کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

فرعون وہ تھا کہ جس نے بنی اسرائیل کے مردوں کو غلام بنا رکھا تھا، ان کے نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کرتا اور عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا کیونکہ اس نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر جادوگروں نے یہ بتائی تھی کہ اس کی بادشاہت بنی اسرائیل کے ایک لڑکے کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گی۔ لیکن اللہ عزّوجلّ کی مشیّت سے وہ لڑکا عین فرعون ہی کے محل میں، اسی کے زیر کفالت پلا بڑھا۔

فرعون نے اپنی حد سے تجاوز کیا اور متکبر بن گیا اور کہا: انا ربكم الاعلى، "میں ہی تمہارا بڑا خدا ہوں" اور اسی طرح یہ بھی کہا کہ میں ملکِ مصر کا بادشاہ ہوں اور اس کے دریا میرے حکم سے جاری ہیں؛ پس اللہ رب العزت نے اسے اور اس کے حواریوں کو انہی دریاؤں میں غرق کر ڈالا۔

اسی طرح نمرود ابن کنعان تھا۔ وہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔ وہ کافر، بلکہ ملحد بادشاہ تھا اور لوگوں کو اللہ کے ساتھ کفر پر مجبور کرتا تھا۔ وہ نہایت مال دار تھا اور لوگوں کو اس لیے کھانا کھلاتا تاکہ وہ اس کا احسان مانیں اور اس کی پرستش کریں۔ اس کے پاس اتنی بڑی فوج اور لشکر تھا جس کا شمار اللہ رب العزت کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اللہ رب العزت نے اسے بادشاہت عطا کی، تو اس ظالم و فاسق شخص نے سرکشی دکھائی اور تکبر کیا اور ابراہیم علیہ السلام سے ان کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا، فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ، اس پر وہ کافر مبہوت ہو کر رہ گیا اور اس کا دل غیض و غضب سے بھر گیا۔ اس نے ایک بڑی آگ جلانے کا حکم دیا اور اللہ کے نبی ابراہیم علیہ السلام کو اس میں اٹھا پھینکا۔ پس اللہ نے آگ کو حکم دیا کہ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم کے لیے اور اپنی قدرت سے اپنے نبی کو بچا لیا جبکہ نمرود پر اپنی جنود میں سے ایک چھوٹے سے سپاہی، ایک معمولی مچھر کو مسلط کر دیا جو اس کی ناک کے راستے اس کے سر میں

داخل ہو گیا اور تب تک نہیں نکلا جب تک کہ وہ کافر ہلاک نہ ہو گیا......اور گزرتے وقت کے ساتھ طواغیت کا یہی حال ہوتا ہے۔

آج تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے اور ایک نیا طاغوت ظاہر ہوا ہے، یعنی چین۔ یہ ملحد چینی، جو اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سے اپنی عداوت کا علانیہ اظہار کرتے ہیں، انہوں نے مساجد کو شہید کیا اور انہیں ناچ گانے، منکرات اور اہانت کے مراکز میں تبدیل کر دیا، قرآنِ کریم کو قدموں تلے روندا اور جلایا، خواتین پر دست درازی کی اور انہیں زیادتی کا نشانہ بنا کر ان کی عصمت دری کی اور حرام کو حلال ٹھہرایا۔ انہوں نے علما اور لوگوں کو دین کی تعلیم دینے والے مبلغین کو قتل کیا اور مشرقی ترکستان کے ہمارے ایغور مسلمان بھائیوں کو انواع و اقسام کے بدترین تشدد، ظلم اور تعذیب کا نشانہ بنایا۔ بیٹوں کو ان کے باپوں سے جدا کیا، نہ انہوں نے معصوم بچوں پر رحم کھایا اور نہ ہی بزرگوں کا احترام کیا اور نہ ہی کوئی خاتون ان کے ظلم و تشدد سے محفوظ رہ سکی۔ انہوں نے باحیا، پاکیزہ مسلمان خواتین کے سروں سے حجاب نوچ ڈالا اور قید خانوں کو یہ سمجھ کر 'اصلاحِ فکر کے مراکز' کا جھوٹا نام دے کر مسلمانوں سے بھر دیا کہ وہ دنیا سے اور چین سے باہر کے مسلمانوں سے حقیقت چھپا سکیں گے۔ مگر پوری دنیا، بالخصوص مسلمان جان چکے ہیں کہ یہ مراکز دراصل قید خانے ہیں جن میں مسلمانوں کو ملحد کمیونسٹ بننے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

پس اپنے موحد بندوں کے حق میں، ان مجرمین کے خلاف اللہ رب العزت کا شدید انتقام آ گیا اور اس نے ان پر قاتل کورونا وائرس مسلط کر دیا جو بہت شدید ہے اور یوں انہیں دنیا سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا، گویا یہ قید خانے میں ہوں۔ چین میں ہوائی جہازوں کی آمد و رفت روک دی گئی اور دنیا کی کوئی قوم بھی اس وبائے قاتل کے ڈر سے ان کے استقبال کو تیار نہیں اور اس کے خوف کی وجہ سے کوئی ان سے ملنا نہیں چاہتا۔ حتیٰ کہ چینی حکومت نے ایک حکم نامہ جاری کیا جس کی رو سے طبی ماسک کے بغیر گھر سے نکلنے والے کو قید میں ڈال دیا جائے گا، سبحانک ربّي ما اعدلك 'اللہ! تیرا عدل! تیرے لیے ہی پاکی ہے!'۔

یہ مسلمان خواتین کے حجاب اتروانے پر ان کے لیے اللہ کا انتقام ہے کہ اللہ نے ان کے مرد و زن سب کو نقاب پہننے پر مجبور کر دیا۔ اس کے ذریعے ساری دنیا نے جان لیا کہ جو کچھ حال ہی میں چین میں ہوا، یہ اللہ کی جانب سے سزا کا محض ایک جزو ہے، ایک ایسا بدلہ جو مشرقی ترکستان کے مظلوم مسلمانوں پر ظلم کر کر کے انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کمایا ہے۔ اور دنیا کی سزا، آخرت کے عذاب کے سامنے کچھ بھی نہیں، جس دن آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ یہ وبا چینی حکومت کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ اپنے کرتوتوں سے توبہ کر لے اور مسلمانوں کے خلاف ظلم و ستم بند کر دے۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو وہ آخرت کے دن کے عذاب کے مستحق ہیں اور بے شک اللہ کا عذاب بہت شدید ہے۔

اسی طرح یہ وائرس، دنیا بھر کے طواغیت کے لیے بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی جانب سے پیغام ہے کہ جو کچھ چین میں ہوا اس سے عبرت حاصل کریں اور اللہ رب العزت ایک حرفِ کُن کے ذریعے انہیں ہلاک کرنے اور ان کی بادشاہتوں کے قلع قمع پر قادر ہے۔

یہ چھوٹا سا وائرس مظلوم ایغور مسلمانوں کے دلوں کی ٹھنڈک کا باعث ہے جو ظالموں اور مجرموں کے ظلم کو روکنے کی استطاعت نہیں رکھتے، پس العزیز الجبار رب کی مدد آ پہنچی۔

ہم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اس وائرس کے ذریعے ظالموں کو تباہ و برباد کر دے اور مسلمانوں کو اپنی جنود کے ذریعے ان ظالموں کے ظلم سے نجات دے اور بے شک وہی ہمارا مددگار ہے اور ہماری مدد پر قادر ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين

بقیہ: مجاہد کا زادِ راہ

إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ!

"شاہ کے مصاحب تمہارے قتل کی سازش کر رہے ہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

انہوں نے میری بات سن کر کہا:

"یہ تم کہہ رہے ہو؟ یہ تمہارا خیال ہے؟ تم یہ سوچ رہے ہو؟"

إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ (سورۃ الطلاق: ۳)

"بیشک اللہ اپنا کام پورا کرنے والا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ طے کر رکھا ہے۔"

اي يومي من الموت افر
يوم لا قدر، ام يوم قدر

يوم لا قدر لا ارهبه
ومن المقدور لا ينجو الحذر

بھلا کس دن فرار از موت ممکن ہے مرے ساتھی
نہیں تقدیر میں جس دن یا جب تقدیر ہو راضی؟

نہیں تقدیر میں تو دوڑ کر جاؤں میں کس جانب
جو ہے تقدیر میں تو دوڑنے دے گا مجھے قاضی؟

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

سوادِ اعظم کیا ہے؟

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ایک فرمان کو بنیاد بناتے ہوئے ”...... تم سوادِ اعظم کا ساتھ دو...... الخ“، یہ خیال راسخ وعام ہو رہا ہے کہ شرعی معیارات سے قطعِ نظر، جس طرف زیادہ لوگ ہیں، وہی ”جماعتِ حق“ ہے۔ اسی خیالِ فاسد کی اصلاح کے لیے فقہِ حدیث کی مایۂ ناز کتاب ”اعلاء السنن“ کے مؤلف المحدث، الفقیہ، علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب تھانوی (نوّر اللہ مرقدہٗ) کی تحریر پیشِ خدمت ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ اہلِ حق گو قلیل ہی کیوں نہ ہوں، ان کا ساتھ درحقیقت سوادِ اعظم (جماعت) کا ساتھ ہے، اور اہلِ باطل خواہ کثیر ہی کیوں نہ ہوں، ان کا ساتھ دراصل جماعت سے افتراق اور ناحق کی اتباع ہے۔ یہاں اس بات کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ یہاں علما واہلِ دین کی جماعتِ کثیرۃ کی ہر معاملے میں اتباع یا ساتھ کی بات کی جا رہی ہے نہ کہ اس وقت رائج دنیا کے معروف و مشہور نظام ’جمہوریت‘ کی جس میں جہلا اور بے دین لوگوں کی اکثریت بھی واجبِ اتباع سمجھی جاتی ہے۔ پھر یہ بات بھی درجِ ذیل تحریر کے مطالعے سے واضح ہو جائے گی کہ شرعی معیارات کی قید لگائے بغیر محض علما واہلِ دین کی کثیر تعداد کی اتباع ’سوادِ اعظم‘ یا ’دنیوی واخروی‘ فلاح نہیں ہے تو جمہوری نظام میں نیک وبد اور عالم وجاہل کی قید کے بغیر کثرت کی پیروی کیسے فلاح کا ذریعہ ہو سکتی ہے؟ یہ تحریر ’فقہ و فتاویٰ‘ کی مشہور کتاب ’امداد الاحکام‘ سے اخذ کردہ ہے جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی (قدس سرہٗ) کی زیرِ نگرانی تالیف وترتیب دی گئی ہے۔ ترتیبِ نو کرتے ہوئے ہمارے ساتھی مولانا ابو مثنیٰ عبد الکبیر (حفظہ اللہ) نے پرانے حوالہ جات کو برقرار رکھتے ہوئے نئی تخریجات بھی درج کر دی ہیں۔ اللہ پاک اپنے دین کے مبادی ومفاہیم اہلِ ایمان میں عام فرمائیں اور ہمیں بخش دیں، آمین یا ربّ العالمین! (ادارہ)

سوال: باہم علما میں جب اختلاف ہو کہ علما کی کثیر جماعت کسی مسئلہ میں ایک طرف ہو اور معدودے چند علما اس سے اختلاف رکھتے ہوں اور ہر ایک اپنے مسلک کی صحت پر دلائلِ شرعیہ قائم کرتا ہو، ایسی صورت میں مسلمانوں کو جماعتِ کثیرہ کا اتباع کرنا واجب ہے یا جماعتِ قلیلہ کا اتباع بھی جائز ہے؟ بعض لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ جماعتِ کثیرہ کا اتباع واجب ہے اور دلیل میں یہ احادیث پیش کرتے ہیں:

1. وعن علي قال: قلت: يا رسول الله! إن نزل بنا أمر ليس فيه بيان أمر ولا نهي فما تأمرنا؟ قال: شاوروا[1] فيه الفقهاء والعابدين ولا تمضوا فيه رأي خاصه۔ رواه الطبراني في الأوسط ورجاله موثقون من أهل الصحيح (مجمع الزوائد ج١ ص ٢١)

حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہمارے سامنے اگر ایسا معاملہ آجائے کہ جس میں (آپ کی طرف سے کسی معاملے/کام کو کرنے یا نہ کرنے کا) حکم نہ ہو تو ہم کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس میں تمہارے فقہا اور عبادت گزار لوگ مشورہ کریں اور (مشورہ کے بغیر) کسی خاص رائے کی طرف مت جائیں۔“۔

2. عن أنَس، يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: إنّ أمّتي لا تجتمع على ضلالة، فإذا رأيتم اختلافاً، فعليكم بالسّواد الأعظم (ابن ماجه ص ٢٩٢، ٢٩١ وفي العزيزي قال الشيخ حديث صحيح ج٢ ص ٢٥٤)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بلا شبہ میری امت گمراہی پر مجتمع (متفق) نہ ہوگی۔ جب تم اختلاف دیکھو تو سوادِ اعظم (قرآن و سنت پر عمل پیرا) کا ساتھ دو۔“

3. عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ، وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ، وَهُوَ مِنَ الِاثْنَيْنِ أَبْعَدُ، وَمَنْ أَرَادَ بُحْبُحَةَ الْجَنَّةِ فَعَلَيْهِ بِالْجَمَاعَةِ (رواه الترمذي عن ابن عمر مرفوعا وقال حديث صحيح حسن غريب ج٢، ص ٣٩)

”جماعت کو لازم پکڑو اور تفرقے سے بچے رہو، شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دو سے زیادہ دور ہوتا ہے، جو جنت کا آرام چاہے تو اس کو جماعت کا ساتھ دینا چاہیے۔“

ان احادیث سے جماعتِ کثیرہ کا اتباع لازم اور فقہا وعابدین سے مشورہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اور کسی خاص شخص کی رائے کا اتباع کرنے سے حدیثِ اول منع کرتی ہے۔ پس حدیث وفقہ سے یہ بتلا دیا جائے کہ مسائلِ شرعیہ میں جب علما اختلاف کریں تو کیا واحد کی رائے صحیح ہو سکتی ہے اور اس کی اتباع جائز ہے۔ بیّنوا توجروا۔

سائل: ایک مسلمان

---

[1] الطبراني في الأوسط میں یہ الفاظ مذکور ہیں: عن علي قال قلت: يا رسول الله! إن نزل بنا أمر ليس فيه بيان أمر ولا نهي فما تأمرنا؟ قال تشاورون الفقهاء والعابدين ولا تمضوا فيه رأي خاصة۔

الجواب: واللہ الموفق للصواب

علما میں جب اختلاف ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں: یا وہ اختلاف احکام شرعیہ و مسائل دینیہ میں ہے یا فروع میں۔ اسی طرح شق ثانی کی بھی دو صورتیں ہیں: یا مسلمانوں کا کوئی امام ہو یا امام نہ ہو۔ صورت اولیٰ کی دوسری قسم میں یعنی جبکہ اختلاف مسائل شرعیہ فرعیہ میں ہو، جماعتِ کثیرہ کا اتباع لازم نہیں۔ جماعتِ قلیلہ یا عالمِ واحد کی رائے جمہور کے خلاف بھی ہو تب بھی اس میں احتمال صواب کا اسی طرح ہے جس طرح جمہور کی رائے میں احتمال صواب کا ہے۔

ا۔) علمائے امت کا زمانۂ صحابہ سے اس وقت تک یہ تعامل چلا آرہا ہے کہ انہوں نے مسائل مختلف فیہا میں کسی امام کے قول کو اس وجہ سے ترک نہیں کیا کہ یہ قول جمہور کے خلاف ہے اور شخصِ واحد یا جماعتِ قلیلہ کا قول ہے۔

قال ابن القيّم في زاد المعاد: وأما المقام الثاني: وهو أن الجمهور على هذا القول، فأوجدونا في الأدلة الشرعية أن قول الجمهور حجّةٌ مضافة إلى كتاب الله وسنة رسوله، وإجماع أمته۔

ومن تأمّل مذاهب العلماء قديماً وحديثاً من عهد الصحابة وإلى الآن، واستقرأ أحوالهم وجدهم مجمعين على تسويغ خلاف الجمهور، ووجد لكل منهم أقوالا عديدة انفرد بها عن الجمهور، ولا يستثنى من ذلک أحد قط، ولكن مستقلٌّ ومستكثر، فمن شئتم سميتموه من الأئمة تتبّعوا ما له من الأقوال التي خالف فيها الجمهور، ولو تتبعنا ذلک و عددناه، لطال الكتاب به جداً، ونحن نحيلكم على الكتب المتضمنة لمذاهب العلماء واختلافهم،[1] (ج۲، ص۲۵۱)

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے زاد المعاد میں فرمایا ہے:

''رہا دوسرا مقام، وہ یہ کہ جمہور کا قول یہی ہے؛ تو اس سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔ ہم نے دلائلِ شرعیہ میں کہیں یہ بات پائی نہیں کہ قولِ جمہور بھی کوئی ایسی حجت ہے جو کتاب اللہ و سنت رسول و اجماع امت کے ساتھ ملحق ہو۔ اور جس نے مذاہبِ علما میں تأمل کیا ہے، خواہ وہ متقدمین ہوں یا متاخرین، صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک جتنے بھی علما ہوئے ہیں اور ان کے احوال کا تتبع کیا ہے، وہ ان سب کو جمہور کی مخالفت کے جواز پر اجماع کیے ہوئے پائے گا اور ہر ایک کے متعدد اقوال اس کو ایسے ملیں گے جن میں وہ جمہور سے الگ ہے اور اس کلیہ سے ہرگز کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ ہاں، بعضے جمہور کی مخالفت کم کرتے ہیں اور بعض زیادہ کرتے ہیں، بس اتنا ہی فرق ہے، اس سے زیادہ نہیں۔

پس تم ائمہ میں سے جس کا نام چاہو لے لو، پھر اس کے ان اقوال کا تتبع کرو جن میں اس نے جمہور کی مخالفت کی ہے، تو تم کو ایسے اقوال ہر امام کے پاس ملیں گے۔ اور اگر ہم ان کو تلاش کرنا اور گننا شروع کریں تو کتاب بہت زیادہ طویل ہو جائے گی۔ اور ہم تم کو ان کتابوں کے حوالے کرتے ہیں جن میں مذاہب علما اور ان کے اختلافات کا ذکر موجود ہے۔''

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ کی یہ عبارت صاف طور پر بتلا رہی ہے کہ مسائل فرعیہ میں مخالفت جمہور کے جواز پر علما امت کا صحابہ سے لے کر اس وقت تک ہر زمانہ میں اجماع رہا ہے اور کوئی امام مخالفتِ جمہور سے بچا ہوا نہیں، ہر امام کے متعدد اقوال جمہور علما کے خلاف موجود ہیں جن کو اس کے مقلدین نے مخالفتِ جماعتِ کثیرہ کی وجہ سے ہرگز رد نہیں کیا؛ اور حنفیہ کے تو بہت سے مسائل اس شان کے ہیں جن میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ جمہور امت سے متفرد ہیں جیسے نفاذ قضاء قاضي ظاهراً وباطناً وجواز ربوا في دارالحرب وقول بالمثلين في وقت الظهر وغیرہ اور ان اقوال کو حنفیہ نے اس عذر کی وجہ سے کبھی رد نہیں کیا کہ امام صاحب اس میں متفرد ہیں۔

۲.)لا يزال طائفةٌ من أمّتي على الحقّ منصورين لا يضرّهم من خالفهم حتّى يأتي أمر الله عزّ وجلّ (سنن ابن ماجه۔ باب اتباع سنّة رسول الله صلى الله عليه وسلم...) [2]

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ

''میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ ایسی رہے گی جس کی حق پر مدد کی جاوے گی اور ان کو وہ لوگ ضرر نہ دے سکیں گے جو ان کے مخالف ہوں گے، یہاں تک کہ خدا کا حکم یعنی قیامت آجاوے۔''

طائفة من الشئ[3] قطعہ شے کا ہوتا ہے جو قلّت پر دلالت کرتا ہے۔ پس حضور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ارشاد ہے کہ طائفۂ قلیلہ خواہ رجل واحد ہی کیوں نہ ہو، حق پر ہو سکتا ہے اور اس کے مخالف تمام دنیا بھی ہو تو اس کا قول باطل ہو گا۔

قال في مجمع البحار: الطائفة: الجماعة من الناس۔ وتقع على الواحد، كأنه أراد نفسا طائفة۔ وسئل إسحاق بن راهويه عنه فقال: الطائفة دون الألف، وسيبلغ هذا الأمر إلى أن يكون عدد المتمسكين بما كان عليه رسول الله۔صلى الله عليه وسلم۔ وأصحابه ألفا، يسلي بذلک أن لا يعجبهم كثرة أهل الباطل۔ (ج۱، ص ۳۳)[4]

مجمع البحار میں کہا گیا ہے کہ ''طائفہ آدمیوں کی ایک جماعت کو کہتے ہیں اور شخص واحد پر بھی اس کا اطلاق آتا ہے۔ اسحاق ابن راھویہ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: طائفہ ایک ہزار سے کم کو کہتے ہیں، اور عن قریب یہ دین اس حالت کو پہنچ جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ

---

[1] زاد المعاد في هدي خير العباد۔ المجلد الخامس۔ فصل حكم رسول الله صلى الله عليه وسلم في الطلاق قبل النكاح۔ الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت۔ مكتبة المنار الإسلامية، الكويت

[2] اگرچہ امداد الاحکام میں حدیث کا حوالہ رواہ المسلم وغیرہ مذکور ہے، مگر چونکہ یہ حدیث بعینہٖ ان الفاظ کے ساتھ ہمیں ابن ماجہ میں ملی ہے اس لیے اسے ذکر کیا گیا ہے، البتہ اس سے ملتے جلتے الفاظ و معانی پر مشتمل احادیث بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں۔

[3] اس حدیث کی تقریر براہینِ قاطعہ مصنفہ قطب عالم مولانا گنگوہی قدس سرہ میں قابل ملاحظہ ہے۔ ۱۲ منہ

[4] كذا في لسان العرب ((حرف الطاء)) طوف

وسلم اور آپ کے اصحاب کے طریقے کے ساتھ تمسک کرنے والے ہزار (کے قریب) رہ جائیں گے۔ اس حدیث سے آپ نے ان لوگوں کو تسلی دی ہے کہ وہ اہل باطل کی کثرت سے تعجب نہ کریں۔"

اس میں صاف تصریح ہے کہ اہلِ حق قلیل اور اہلِ باطل کثیر ہو سکتے ہیں۔ پس کسی کی طرف مسئلۂ شرعیہ میں جماعتِ کثیرہ کا ہونا اس کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

۳.)قال النبي صلی الله علیه وسلم: إنّه من أحيا سنّة من سنّتي قد أميتت بعدي فإنّ له من الأجر مثل من عمل بها۔ الحديث؛ قال الترمذي حسن [1] (مشكوة مع التنقيح ج١، ص٤١)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جو شخص میری سنتوں میں سے ایسی سنت کو زندہ کرے جو میرے بعد مردہ کر دی گئی تھی، اس کے لیے اس قدر ثواب ہے جتنا اس سنت پر سب عمل کرنے والوں کو ملے گا، یعنی اس کو تنہا سب کی مجموعی مقدار کے برابر ثواب ملے گا۔"

ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

من أحيا عام ہے جو کہ واحد کو بھی شامل ہے بلکہ آئندہ کلام میں ضمیر واحد کا اس کی طرف راجح ہونا ارادۂ واحد کو مرجح ہے۔ نیز سنت کی اماتت کے معنی یہی ہیں کہ عام طور سے اس پر عمل متروک ہو گیا ہو، اس حالت میں اس کا احیا کرنے والا شخص واحد یا جماعتِ قلیلہ ہی ہو گا۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ کسی زمانہ میں متبع سنت قلیل اور مخالف سنت کثیر ہوں گے، لہٰذا کسی طرف جماعتِ کثیرہ کا ہونا اس کی حقانیت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

۴.)قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من تمسّك بسنّتي عند فساد أمّتي فله أجر مائة شهيد۔" رواه في المشكوة وفي التنقيح رواه ايضا الطبراني[2] باسناد حسن۔ (ج١، ص٤٢)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص میری امت کی حالت خراب ہونے کے وقت میرے طریقے پر جما رہے اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے"۔ تنقیح الرواۃ میں ہے کہ اس حدیث کو طبرانی نے بھی اسناد حسن سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک زمانے میں اکثر امت فساد میں مبتلا ہو جائے گی اور متبع سنت بہت کم ہوں گے، اس لیے ان کی اس درجہ فضیلت ہے۔ لہٰذا ایسے زمانہ میں کسی جانب علما کی کثرت ہرگز حقانیت کی دلیل نہ ہو گی، کیونکہ اس وقت علما کا بھی زیادہ حصہ فسادِ اہوا میں مبتلا ہو گا، ان میں متبع سنت کم ہوں گے۔ کما هو مشاهد۔

۵.) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من أكل طيباً، وعمل في سنّةٍ، وأمن النّاس بوائقه، دخل الجنّة"، فقال رجل: يا رسول الله! إنّ هذا اليوم في النّاس لكثير، قال: "وسيكون في قرون بعدي"۔ رواه الترمذي وأيضا في المشكوة، وفي تنقيح الرواة بعد الفحص له احتجاج واخرجه ايضا الحاكم واسناده صحيح، (ج١، ص٤٢)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص حلال روزی کھاتا رہے اور سنت کے موافق عمل کرتا رہے اور لوگ اس کی آفات سے محفوظ رہیں، وہ جنت میں داخل ہو گا"۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آج کل تو ایسے لوگ بہت ہیں! آپ (علیہ الصلاۃ والسلام) نے فرمایا: "عن قریب میرے بعد قرنوں میں ایسا آدمی ہوا کرے گا"۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور صاحبِ مشکوۃ نے بھی۔ تنقیح الرواۃ میں اس کے رجال پر بحث کر کے کہا ہے کہ حدیث احتجاج کے قابل ہے اور اس کو حاکم نے بھی تخریج کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ متبعِ سنت قرون مابعد میں قلیل ہوں گے۔ اس کی تائید حدیث خير القرون قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم يفشوا الكذب، سے بھی ہوتی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ ایسے زمانہ میں کثرت اہل باطل ہی کی ہو گی، اہلِ حق قلیل ہوں گے۔ لہٰذا کسی طرف جماعت کثیرہ کا ہونا اس کی حقانیت کی دلیل نہیں ہے۔

٦.)عن رسول الله صلی الله علیه وسلم، قال: "سيأتي عليكم زمانٌ لا يكون فيه شيءٌ أعزّ من ثلاث: درهمٌ حلالٌ أو أخٌ يستأنس به أو سنّةٌ يعمل بها"، رواه الطبرانى فى الاوسط فيه روح ابن صلاح، ضعفه ابن عدى، وقال الحاكم ثقة مامون، وذكره ابن حبان فى الثقات، بقية رجاله موثوقون (مجمع الزوائد ج١، ص ٦٩)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "عن قریب تم پر ایسا زمانہ آئے گا جس میں تین چیزوں سے زیادہ کوئی چیز نایاب نہ ہو گی، (ایک) درہم حلال، (دوسری) یا ایسا بھائی جس سے انس حاصل کیا جاوے، (تیسری) یا ایسی سنت جس پر عمل کیا جاوے"۔ اس کو طبرانی نے معجم الاوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں (ایک راوی) روح ابن صلاح ہے جس کو ابن عدی نے ضعیف کہا ہے اور حاکم نے ثقہ ومامون کہا ہے اور ابن حبان نے بھی اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور بقیہ رجال سب ثقات ہیں۔

اس حدیث میں جس زمانہ کی خبر دی گئی ہے، کوئی صاحبِ بصیرت شک نہیں کر سکتا کہ یہ زمانہ اس کا مصداق ہے، اور حدیث میں تصریح ہے کہ اس وقت عمل بالسنّت بہت نادر ہو گا۔ لہٰذا ایسے زمانہ میں اہلِ باطل ہی کی کثرت ہو گی؛ پس کثرتِ قائلین حقانیت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

٧.)عن ابن عباس رضی الله عنهما: "ما أتى على النّاس عام إلّا أحدثوا فيه بدعة، وأماتوا فيه سنّة، حتى تحيا البدع وتموت السنن"۔ (رواه الطبرانى فى المعجم الكبير: ١٠/٢٦٢، وقال الهيثمي في مجمع الزوائد ١/١٨٨: ورجاله موثقون)۔ (باقی صفحہ نمبر 55 پر)

[1] سنن الترمذي۔ كتاب العلم عن رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ باب ما جاء في الأخذ بالسّنّة واجتناب البدع

[2] والفاظ الطبرانى: "المتمسّك بسنّتي عند فساد أمّتي له أجر شهيد"۔

امتِ مسلمہ کا اصلی میدان

حضرت مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ذیل میں مفکرِ اسلام، نبّاضِ ملتِ اسلامیہ، حضرت مولانا سیّد ابو الحسن علی صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک فکر انگیز، عمل پر ابھارتی، معرکۃ الآرا تقریر کا متن نذرِ قارئین کیا جارہا ہے۔ یہ تقریر اصلاً عربی زبان میں ارشاد کی گئی تھی، جسے مجلسِ تحقیقات ونشریاتِ اسلام لکھنؤ نے 'اقوامِ عالم کے درمیان امتِ مسلمہ کا حقیقی وزن اور دنیا میں اس کی کارکردگی کا اصلی میدان' کے عنوان کے تحت شائع کیا ہے اور اس تقریر کا ترجمہ خود مولانا موصوف کی نظر سے گزرا ہے، نیز آپؒ نے اس کا ایک پیش لفظ بھی لکھا ہے جس کو یہاں طوالت سے بچنے کی غرض سے درج نہیں کیا جارہا۔ البتہ پیش لفظ میں تقریر کے تعارف پر مبنی چند جملے یہاں نقل کیے جارہے ہیں۔ مولانا ابو الحسن علی مرحوم فرماتے ہیں:

''پیشِ نظر مقالہ چونکہ امّتِ اسلامیہ کو (خواہ وہ عربی نژاد ہو یا عجمی) اس کا بنیادی عمل اور فریضہ یاد دلاتا ہے، اور یہ کہ میدانِ بدر میں قلّتِ تعداد، قلّتِ اسلحہ اور قوتوں اور تعداد میں تفاوتِ عظیم کے باوجود خلافِ قیاس اور خلافِ تجربہ، کس شرط اور امتیاز و خصوصیت کی بنا پر اس کو فتح و غلبہ عطا کیا گیا جس کے نتیجے میں یہ عالمِ اسلامی اپنے تمام مظاہرِ عظمت و قوت اور وسعت و طاقت کے ساتھ وجود میں آیا۔ اس مضمون اور پیغام کی اہمیت و افادیت کی بنا پر یہ مقالہ جو اصلاً عربی میں تھا اردو میں بھی شائع کیا جارہا ہے...... امید ہے کہ یہ مقالہ اردو داں طبقے میں بھی توجّہ اور دل چسپی سے پڑھا جائے گا اور وہ ایک بھولا ہوا سبق یا نیم فراموش فرض یاد دلائے گا۔''

(ادارہ)

أعوذ باللہ من الشيطان الرجيم

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○

''اور یہ بات محقق ہے کہ حق تعالیٰ نے تم کو بدر میں منصور فرمایا، حالانکہ تم بے سروسامان تھے، سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم شکر گزار رہو۔''[1]

اس آیتِ کریمہ میں معرکۂ بدر کا ذکر ہے۔ مختصر سی آیت ہے لیکن اس کے اندر ہمارے لیے بہت سامانِ عبرت ہے۔ یہ ایک ایسا سبق ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہماری فکر کو جلا بخشتا رہے گا اور عزائم کو سینوں میں بیدار رکھے گا۔ یہی نہیں بلکہ اس آیت میں ہماری حیثیت کا تعین بھی ہے، اقوامِ عالم میں ہمارا کیا کردار ہونا چاہیے اور زندگی کے ہر موڑ پر اور بدلتے ہوئے حالات میں ہمارا کیا موقف ہونا چاہیے، اس کی طرف واضح رہنمائی ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ دنیا کے وہ حصے جن کو ہم عالمِ اسلام کہتے ہیں، جن میں حکومتیں بھی ہیں اور ریاستیں بھی، دولت کی ریل پیل بھی ہے، زندگی کی آسائشیں بھی موجود ہیں، علم و فن کا بھی چرچا ہے، کتب خانے، مدرسے اور یونیورسٹیاں بھی ہیں، زندگی کی سرگرمیوں کے تمام میدان موجود ہیں، یہ سب کے سب بلا کسی استثنا کے معرکۂ بدر میں فتح و نصرت کا صدقہ ہیں، اگر خدانخواستہ اس جنگ میں کفار کی سازش کامیاب ہو جاتی؛ ایسی سازش جس کا جال بڑی ذہانت اور فکری کاوش سے تیار کیا گیا تھا، اور قریش کے کفار نے اپنی ترکش کا ہر تیر نکال کر رکھ دیا تھا، اگر خدانخواستہ ان کی سازشیں کام کر جاتیں اور مسلمانوں کو شکست ہو جاتی تو آج عالمِ اسلامی کا وجود ہی نہ ہوتا، نہ علمی سرگرمیاں ہوتیں، نہ حکومت و جہاں بانی کا کوئی خواب دیکھ سکتا جب زندگی ہی سرے سے نہ ہوتی تو پھر زندگی کے مظاہر بھی نہ ہوتے، یہ تاریخ کی ٹھوس، ناقابلِ انکار اور پائیدار حقیقت ہے۔

حضرات! آپ مجھے کہنے دیجیے کہ آج زمین کا ہر وہ چپہ، ہر شہر اور علاقہ جو مسلمانوں سے آباد ہے جس کو عالمِ اسلام میں شمار کرتے ہیں، یہاں تک کہ برِّ صغیر ہند جہاں مسلمانوں کی بڑی بڑی، وسیع آبادیاں ہیں، اسی طرح مسلمانانِ شام، مسلمانانِ عراق و ترکی اور وہ تمام مسلمان جن سے مشرقِ اقصیٰ، عالمِ عرب، مشرقی جنوبی ایشیا آباد ہے اگرچہ ان کی ریاستیں جدا جدا ہیں اور ان کے مقامی مسائل و مشکلات متنوع ہیں، ان میں گروہ بندیاں بھی ہیں اور ان کے رنگ روپ بھی علیحدہ علیحدہ ہیں اور ان میں بے شمار تہذیبیں، خاندان اور مقامی رنگ بھی داخل ہیں، یہ سب کے سب آج اس لیے مسلمان کہے جاتے ہیں کہ جنگِ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح یاب کر دیا تھا، آج جو کچھ ہے سب اسی جنگ بدر میں فتح یابی کا صدقہ اور اس کا پرتو ہے۔

اگر کہیں اس جنگ میں مسلمان ناکام ہو جاتے تو صاف سن لیجیے کہ عالم اسلامی نام کی کوئی چیز اس آسمان کے نیچے نہ دکھائی دیتی، اسلامی دعوت و تبلیغ کو دنیا میں اپنی راہ نکالنے کا کوئی راستہ نہ ہوتا، دلوں کو موہ لینے کی صلاحیت، ملکوں کو فتح کرنے کی قوت، اس کے نام پر حکومتیں بنانے کا حوصلہ، اداروں، مدرسوں اور کتب خانوں کی یہ چمک دمک، یہ سرگرمیاں اور نشاط و قوت کے مظاہر سب ناپید ہوتے، نہ اس قوم میں کوئی نادرۂ روزگار عالم و صاحب فن ہوتا نہ اولیا و صالحین کی کوئی جماعت ہوتی اور نہ آوازۂ حق کہیں سنائی دیتا۔

لیکن آپ حضرات میں جن کا مطالعہ وسیع اور گہرا ہے، تاریخ و سیرت نبوی کا مطالعہ کر چکے ہیں، وہ اس معرکۂ بدر میں پیش آنے والے ایک واقعے سے جب گزرتے ہیں تو ایک اور صرف ایک جملہ ان کی توجہات کا مرکز بن جاتا ہے، وہ حیرت و عظمت کے جذبات سے سرشار ہو جاتے ہیں، مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو سرسری طور پر اس جملہ کو پڑھتے ہیں اور سرسری طور پر گزر جاتے ہیں، حالانکہ یہ بات ایسی نہیں ہے کہ اس کو سرسری اور سطحی طور پر کوئی پڑھ کر گزر جائے، یہ جملہ حیران و ششدر کرنے والا جملہ ہے۔

واقعہ یوں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے میدانِ جنگ کا معائنہ فرمایا اور صحیح صورت حال کا جائزہ لیا اور کفار کی قوت، ان کے سروسامان، جنگی ہتھیار، تعداد کی کثرت، اور جوشِ انتقام سے بھرے ہوئے کفار کے تیور دیکھے تو آپ ﷺ کو مسلمانوں کی تعداد اور سامان جنگ کی انتہائی

[1] آل عمران آیت ۱۲۳، ترجمہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔

قلت نظر آئی۔ جو لوگ مکہ سے اس عزم و جوش سے نکلے تھے کہ اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکیں گے، ان میں سے ایک ایک کی آنکھ میں خون اترا ہوا تھا، دوسری طرف مٹھی بھر مسلمان تھے جو کفار کی مہم کو ناکام بنانے کے لیے آئے تھے، جہاد فی سبیل اللہ جن کا مقصد اور آخرت جن کا مقصود تھی۔ دونوں فوجوں کے درمیان فرق معمولی نہیں غیر معمولی تھا۔ سامان جنگ اور جنگی تجربات اور تعداد کوئی چیز بھی ایسی نہ تھی کہ مسلمان ان کفار کا مقابلہ کر سکتے۔ وہ ہزار کی تعداد میں تھے اور یہ صرف تین سو تیرہ[1]۔ انبیائے کرام علیہم السلام باوجود اس کے کہ اللہ کی نصرت پر ہمیشہ بھروسہ رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر یقین ان کا اصلی اثاثہ ہوتا ہے پھر بھی ناموسِ فطرت اور دنیائے اسباب کی سنت سے بھی واقف ہوتے ہیں، اس لیے وہ کبھی حقائق کا جائزہ لینے سے غافل نہیں رہتے۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے دونوں فریقوں کے درمیان اس درجہ نمایاں اور بھیانک فرق کو دیکھا اور سامان و تعداد کی کثرت جو حملہ آور کفار کے قبضہ میں تھی اور اس کی قلت جو دفاعی مورچہ میں مسلمانوں کے پاس تھی، دونوں کا موازنہ کیا تو ملاحظہ فرمایا کہ فرق کوئی معمولی نہیں ہے۔ ایسے موقع پر نظام کائنات اور سنت تکوینی کا تقاضہ تھا کہ آپ ظاہری اسباب سے صرفِ نظر نہ فرماتے، لہٰذا آپ کو صاف نظر آگیا کہ مسلمانوں کی فتح صرف قوت کے بل بوتے پر نہیں ہو سکتی، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے فریادرسی نہ ہو، ان کمزور اور نہتے مسلمانوں کی دستگیری عالمِ غیب سے نہ ہو تو کامیابی مشکل ہی نہیں محال ہے، واضح طور پر بالکل کھلی مدد کی ضرورت تھی جو تمام تصورات و تخمینات، اندازوں اور جائزوں سے ماورا خرق عادت اور معجزہ کی شکل میں سامنے آئی۔

کہاں ایک ہزار مسلح بکتر بند ماہرین جنگ اور کہاں ۳۱۳ مسلمان جن میں بڑی عمر کے لوگوں کے ساتھ نوخیز و نوعمر صاحبزادگان بھی تھے۔ آپ نے اس منظر کو دیکھ کر حالات کا جائزہ لینے میں کوئی کمی نہیں کی کیوں کہ یہ آپ کے فرائض نبوت و قیادت میں داخل تھا، اس حقیقت پسندانہ جائزہ کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ کے آگے سربسجود ہو کر عرض کیا:

اللہم ان تہلك هذه العصابة لا تعبد!

یعنی اے اللہ! اگر تو نے اس مختصر جماعت (جو مسلمانوں کی یہاں جمع ہے) کو ہلاک کر دیا تو تیری عبادت نہ ہو گی۔

یہ جملہ رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں شمار کیے جانے کے لائق ہے۔ کس کی مجال تھی کہ ایسی بات اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہے؟ کہ اگر آپ نے ایسا کیا تو ایسا ہو گا اور ایسا کیا تو یہ ہو گا! پھر پیغمبر بھی وہ جو اللہ تعالیٰ کا خاص طور پر چنا ہوا، محبوب، باوقار، باوجاہت ایسا رسول ﷺ جس کو اللہ تعالیٰ نے منتخب ہی اس لیے کیا تھا کہ اس کے پیغام اور لائے ہوئے دین کو قیامت تک باقی رکھے گا اور ہمیشہ اس کا ناصر و مددگار ہو گا وہ کہے: ''اگر تو نے مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر دیا تو تیری عبادت نہ ہو گی''۔ یعنی اے اللہ! اگر تو نے اس جماعتِ مختصر کی شکست کرا دی تو دنیا کا تو کوئی نقصان نہ ہو گا، انسانیت کو کسی مصیبت کا سامان نہیں کرنا پڑے گا، دنیا کی حکومتیں اور دنیا کے ملک اسی طرح رہیں گے جس طرح آج ہیں، دنیا کے خزانوں میں کمی نہیں آئے گی، دنیا میں کمانے کھانے کے جو کام ہو رہے ہیں وہ اسی طرح ہوتے رہیں گے، بڑے دانشور، حکمت و دانائی میں ممتاز افراد جس طرح ہوتے آئے ہیں اسی طرح پیدا ہوتے اور مرتے رہیں گے، لیکن صرف ایک بات جو نہیں ہو گی وہ ہے خالص تیری ذات پاک کی عبادت، تیرے احکام کا دنیا میں نفاذ اور تیرے دین حنیف کی بقا یہ کام نہیں ہو گا اور سب کچھ ہو گا، کیوں کہ اپنی تعداد میں کمی اور دفاعی اسلحہ میں ناقص ہونے کے باوجود روئے زمین پر تنہا یہی جماعت ہے جو توحید کی داعی اور تیری عبادت گزار ہے، جس کا بھروسہ صرف تجھ پر اور جس کا اعتماد تیری ذاتِ پاک پر ہے، جس کی عبادت صرف تیری ذات پاک کے لیے ہے اور جس کو یقین ہے کہ کائنات پر صرف تیرا تصرف ہے، تیرا کوئی شریک نہیں ہے، تو ہی قادر مطلق، حاکم مطلق اور مالک الملک ہے، عبادت و طاعت کا تنہا سزاوار ہے۔ صرف تیرے احکام اور صرف تیری شریعت کا یہ حق ہے کہ وہ دنیا پر نافذ ہو اور بے چون و چرا اس کی فرمانبرداری کی جائے۔

سیرت نبوی میں ان سطور کو پڑھنے والا اگر ہوش مند ہے، اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال سے واقف ہے اور اس کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی و بے نیازی کیا معنیٰ رکھتی ہے، اس کی قادر و قاہر ذات جو ساری مخلوقات سے بے نیاز ہے اور جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے، جو غنی بھی ہے اور قوی بھی ہے، اس حقیقت کا ادراک رکھنے والا شخص جب رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے یہ الفاظ پڑھتا ہے اور وہ بھی ایسے نازک لمحات میں جو خوف و ہراس سے پُر ہیں اور جب کہ سوائے الحاح و زاری اور اس کے فیصلوں کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے کوئی چارۂ کار نہیں، وہ حیران رہ جاتا ہے۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور غنی ذات کو دیکھتا ہے دوسری طرف رسول برحق کی زبان پاک سے ایسے الفاظ سنتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! اگر تو نے اس مختصر گروہ کو ختم کر دیا تو تیری حکمرانی باقی نہیں رہے گی۔ ایسے پرہول لمحات میں یہ دُعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی، کیوں کہ یہ بات رسول برحق ﷺ کی زبان سے نکلی تھی، وحیٔ خداوندی تھی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام تھا، اللہ حاضر و ناظر، غیب و موجود کو جاننے والا ہے، وہ مسلمانوں کی بے بسی، کمزوری، تعداد کی کمی اور اسلحہ کی قلت کو دیکھ رہا تھا اور یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ مقابلہ میں جو دشمن ہیں وہ کس درجہ اسلحہ سے لیس اور کتنی بڑی

---

[1] یہ روایت احمد والبزار والطبرانی کی ہے ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے بھی یہی تعداد لکھی ہے اور سیر و مغازی کے علما مثلاً ابن اسحاق نے بھی اس کی توثیق کی ہے (ملاحظہ ہو ابن اسحاق ج۱، صفحہ ۲۹۱) اور دوسری روایتیں بھی ہیں مگر سب میں تعداد یہی ہے یا اس کے لگ بھگ ہے۔

لہٰذا وہ چیز جس کی حفاظت مسلمانوں پر فرض ہے اور جس کے لیے ان کے اندر غیرت و حمیت ہونی چاہیے اور جس کو وہ اپنی جان سے، صحت سے، اپنی دانائی و ہوش مندی سے زیادہ عزیز رکھیں اور جس کو دولت و حکومت پر ترجیح دیں، اپنی شہرت و ناموری کے پراپیگنڈے اور اپنی سیاسی تگ و دو سے زیادہ اہمیت دیں اور جذبۂ حکمرانی اور اپنے حدود سلطنت کو وسیع کرنے کی تمنائیں اس کے مقابلہ میں ہیچ ہوں، وہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے دین کا داعی و مبلغ سمجھیں، علم توحید کو سربلند اور اللہ کے دین کو سرسبز و شاداب رکھنے کی آرزو ان کی تمام آرزوؤں اور تمناؤں پر غالب آجائے، آخرت کو دنیا پر ترجیح دیں، اللہ کی رضا اور اس کے احکام کے اجرا کو ہر مقصد اور ہر نسبت پر قربان کرنے کا جذبہ ان کے اندر بیدار کریں، ان کے بقا کی ضمانت اسی میں ہے کیوں کہ ان کا وجود ملی اسی دھاگے سے بندھا ہوا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی دعا قبول فرمائی تھی اور مسلمانوں کو فتح یاب کرنے اور ان کو باقی رکھنے کا فیصلہ فرمایا تھا تو گویا ان کی بقا کو عبادت سے مشروط فرما دیا تھا۔ عبادت کا مفہوم صرف فرائض مقررہ کی ادائیگی نہیں بلکہ اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا اور اس کی رضا جوئی اور خوشنودی کو سب پر مقدم رکھنا، اور دین کو وسیع تر آفاقی و عالمی پیمانے پر پھیلانے کی سعی کرنا بھی اس میں داخل ہے، لہٰذا اگر مسلمانوں کا رشتہ عبودیت کی زندگی سے منقطع ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا رشتہ زندگی سے منقطع ہو گیا، جس امر کے باعث ان کو فتح سے سرفراز کیا گیا تھا اور جس کی وجہ سے وہ باقی رکھے گئے تھے وہ سلسلہ ہی ختم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ضمانت حیات بھی ختم ہو گئی اور ان کی حیثیت دنیا کی دوسری قوموں کی طرح رہ گئی کہ اگر وہ دنیا کے عام قانون حیات کے مطابق ترقی و خوش حالی کے کام کریں گے تو ترقی و خوش حالی ہو گی اور ادبار و زوال کی راہ پر چلیں گے تو ان کے نصیب میں ذلت و زوال آئے گا، بلکہ عام قانون کے مطابق جس قدر ذلت و ادبار ہونا چاہیے اس سے زیادہ ذلت و رسوائی کا ان کو سامنا کرنا پڑے گا، کیوں کہ دوسری قوموں کی بقا و تحفظ کو کسی شرط سے مشروط نہیں کیا گیا تھا اور ان کے حق میں یہ آیتِ کریمہ صادق آئے گی:

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝

"آپ (عام طور پر لوگوں سے) کہہ دیجیے کہ میرا رب تمہاری ذرا بھی پروانہ کرے گا، اگر تم عبادت نہ کرو گے، سو تم (احکام الٰہیہ کو) جھوٹا سمجھتے ہو تو عن قریب (یہ جھوٹا سمجھنا تمہارے لیے) وبالِ جان ہو گا۔"[1]

مسلمانوں نے اس شرط کو پورا کیا اور اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کی لاج رکھی اور یاد رکھا کہ ان کو دشمن پر غالب و فتح مند کیا گیا تھا اور عین اس وقت فتح و نصرت دے کر ان کی مدد کی گئی تھی جب سامنے یہ نظر آرہا تھا کہ دشمن ان کو بدر کے دن میدان میں پیس کر رکھ دیں گے، ان تعداد میں ہیں، اس عظیم تفاوت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے ہم کنار کیا۔

لہٰذا یہ بات آئینے کی طرح روشن ہو کر ثابت ہو گئی کہ مسلمانوں کو باقی صرف اس لیے رکھا گیا ہے کہ ان کے وجود سے دعوت الی اللہ کا سلسلہ قائم رہے گا اور ان کی بقا و سربلندی کی صرف یہی شرط ہے اور اس کی حاکمیت مطلقہ کو تسلیم کیا جائے اور اس کی شریعت کے احکام دنیا پر نافذ ہوں۔ اور اگر مسلمانوں نے کہیں اپنی خصوصیت ضائع کر دی تو مجھے صاف صاف کہنے دیجیے کہ خواہ جتنے مسلمان ہیں سب کے سب والیان ریاست اور ارباب حکومت بن جائیں (میں کسی ریاست یا صاحب ریاست کا حاسد یا بدخواہ نہیں ہوں بلکہ جتنی مسلم ریاستیں ہیں ان کے لیے دعا گو ہوں اور ان کی ترقی و خوش حالی کا متمنی ہوں) لیکن یہ کہتا ہوں کہ امت اسلامیہ نے اگر اپنا یہ امتیاز کھو دیا، وہ واحد امتیاز جو ان کے بقا کا ضامن ہے اور جس کے صدقے میں ان کو بحیثیت مسلم زندگی عطا کی گئی ہے یعنی اللہ کے دین کی دعوت اور صرف اس کی عبادت اور اس کے احکام کو بلا چون و چرا تسلیم کرنے کا امتیاز، اس کی شریعت اور احکام شریعت کو فرد اور سوسائٹی پر پوری طرح نافذ کرنے والی امت ہونے کا امتیاز،، جو زندگی دینی تعلیمات و احکام کے مطابق ہو اس زندگی کو عام کرنے اور رائج کرنے کا عزم رکھنے کا امتیاز، اگر یہ امتیاز خدانخواستہ مفقود ہو گیا تو خواہ دنیا کی دولت ان کو مل جائے پھر بھی ان کے وجود و بقا کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ "اے اللہ تو نے ان مٹھی بھر تعداد رکھنے والے مسلمانوں کی غیبی مدد نہیں کی تو روئے زمین پر کوئی تیرا نام لینے والا نہیں رہے گا"۔ یہ بات بلاشبہ صرف ایک پیغمبر برحق ہی کہہ سکتا ہے جس پر وحیٔ الٰہی کا نزول ہوتا ہو اور جس کی عند اللہ حیثیت ہو، لہٰذا میں پوری صراحت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اگر مسلمان دعوتِ حق سے کنارہ کش ہو گئے اور اپنی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے جو ان کے سپرد کی گئی ہے اور جس کی خاطر ان کو سرفراز کیا گیا ہے تو پھر دنیا میں ان کے حفظ و بقا کی کوئی ضمانت نہیں لی جاسکتی، خواہ ان کے پاس فوجی طاقت ہو، عددی طاقت ہو، اقتصادی طاقت ہو، بہتر سے بہتر مواقع میسر ہوں اور جو بھی جاہ و حشمت ان کو ملی ہو سب بے کار اور سب بے سود و بے نفع ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت ان کی اس صفت کی بنا پر کی تھی کہ "اگر یہ نہ رہے تو تیری عبادت نہ ہو گی"۔ یوں سب کچھ ان کو مل سکتا ہے یہ سب کچھ پاسکتے ہیں، حکومتیں ملتی رہیں گی، دولت پاسکتے ہیں، مگر امانت خداوندی یعنی دعوت الی اللہ جس سے صرف اللہ کی پرستش ہو اور اس کا پیغام سرمدی دنیا میں باقی رہے اور غلبہ و سطوت صرف اللہ کا رہے، اس کے احکام زمین پر جاری ہوں، زندگی کے ہر موڑ پر اس کے احکام کی پیروی ہو اور دینی تعلیمات تمام بدلتے ہوئے حالات میں رہنما ہوں، یہ نہیں ہو گا۔ اور جب یہ نہ ہو گا تو اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمت و نوازش بے پایاں سے امت محروم ہو جائے گی۔

[1] سورۃ الفرقان، آیت ۷۷، ترجمہ مولانا تھانویؒ

کا نام ونشان دنیا سے مٹا دیں گے مگر ان کو مدد دے کر غالب کیا گیا اور روئے زمین پر باقی رکھا گیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا سلسلہ ان کے دم سے باقی رکھنا منظور تھا۔

وہ اس پیغامِ عبادت کو لے کر دنیا میں پھیل گئے، اس پیغام کو لے کر بادشاہوں کے پاس بھی گئے اور عوام الناس کے پاس بھی، اسی کی خاطر انہوں نے ہجرت بھی کی اور جہاد بھی، اسی کے لیے انہوں نے جنگیں بھی لڑیں اور معاہدے بھی کیے، ان کے سامنے یہ حقیقت ہمیشہ جلوہ گر رہی کہ وہ اللہ کے فرستادہ اور اس کے حکم کے بندے ہیں، اسلام کا جھنڈا انہوں نے چہار دانگ عالم میں لہرایا، اور بجا طور پر یہ سمجھتے رہے کہ وہ خلقِ خدا کے مخلص خادم اور محسن ہیں، اللہ کے بندوں کو خواہشات کی غلامی سے نکالنے والے ہیں، جاہلیت کے رسم و رواج اور جاہلی سماج کے عائد کردہ ان بندھنوں سے ان کو آزاد کرانے والے ہیں جن بندھنوں کو وہ معیارِ ترقی سمجھ رہے تھے حالاں کہ وہ خواہشات اور رواج کے قیدی تھے، جس طرح کوئی بھی قیدی پابند سلاسل ہوتا ہے، وہ تھے تو غلام مگر اپنے کو آقا سمجھ رہے تھے، ان کی زندگی رسم و رواج کے پنجروں میں ایک پرندے کی طرح بند تھی، وہ دوسروں کے رحم و کرم پر زندگی کے دن پورے کر رہے تھے، وہ کھانے پینے کے آداب بھی دوسروں سے مستعار لیے ہوئے تھے اور اپنی اس پسماندگی، ذلت و نامرادی کو عیش و کامرانی سمجھ رہے تھے، ان کے سارے جاہ و حشم اور دولت و خوش حالی کے مظاہر کھوکھلے اور بے جان تھے، حقیقت یہ ہے کہ وہ پنجرے میں بند تھے۔ قفس تو قفس ہی ہے خواہ لوہے کا ہو یا سونے کا! ان کی حق گوئی و بے باکی کی بے شمار مثالیں ہیں، انہیں میں سے وہ مذاکرہ بھی ہے جو ایران کے فاتح مسلمان فوج کے ایک سپاہی اور فارس کے کمانڈر ان چیف "رستم" کے دربار میں پیش آیا۔

رستم نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے درخواست کی کہ اپنا نمائندہ بھیج دیں جس سے یہ معلوم کیا جائے کہ آپ کے اس حملہ کا مقصد کیا ہے۔ یہ واقعہ قادسیہ سے پہلے کا ہے۔ حضرت سعدؓ نے حضرت ربعی بن عامرؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر فارس کے سپہ سالار اعلیٰ (کمانڈر ان چیف) 'رستم' کے پاس بھیج دیا۔ حضرت ربعیؓ وہاں پہنچ گئے۔ رستم نے اپنا دربار بڑے شاہانہ کرّوفر سے سجا رکھا تھا۔ اعلیٰ درجے کے نقشیں قالین بچھے ہوئے تھے جن پر سونے اور موتیوں کی میناکاری تھی، ہر طرف ہیرے موتی اور لعل و یاقوت کی چمک دمک تھی، رستم کے سر پر جواہرات کا قیمتی تاج تھا۔ حضرت ربعیؓ وہاں پہنچتے ہیں، جسم پر ایک بھدے قسم کا چوغہ ہے، ہاتھ میں تلوار اور ڈھال، ایک معمولی سا چھوٹے قد کا گھوڑا جس پر سوار ہیں، اور اس پر سوار قصرِ شاہی میں داخل ہو گئے، نظریں نہ منقش در و دیوار پر ہیں، گھوڑے کو باندھنے کے لیے کوئی کھونٹا نہیں ملا تو قصرِ شاہی کے ایک گاؤ تکیہ سے اس کو باندھ دیتے ہیں اور اس شانِ استغنا سے بڑھتے ہیں کہ زرہ جسم پر ہے خود سر پر اور تلوار ہاتھ میں۔

دربار کے کسی چوب دار نے کہا: آگے بڑھنے سے پہلے اپنے اسلحہ اتار کر یہاں رکھ دو۔ حضرت ربعی نے کہا: میں (اپنے کسی کام سے) نہیں آیا ہوں، میں تم لوگوں کے بلانے پر آیا ہوں، جی چاہے مجھے اسی طرح جانے دو اور اگر یہ منظور نہیں ہے تو میں لوٹ جاتا ہوں۔

رستم نے کہا: اس کو آنے دو۔ آپ آگے بڑھے، ہاتھ میں تلوار تھی جو چھڑی کا کام دے رہی تھی، اس پر ٹیک لگاتے ہوئے چلے تو فرشِ قالین ایک دو جگہ سے ادھڑ گئی۔

رستم نے پوچھا: یہاں تم کس کام سے آئے ہو؟

جواب دیا: ہم اٹھے ہیں کہ ہم بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی پر لگا دیں۔ دنیا کی تنگی سے ان کو نکال کر اس کو وسعت عطا کریں، مذاہب کے پیدا کردہ مظالم سے نکال کر اسلام کے عدل کا راستہ دکھائیں۔ اللہ نے ہم کو مامور کیا ہے کہ اس کی مخلوق کا رُخ اللہ کے دین کی طرف پھیر دیں۔ جس کو یہ راستہ پسند ہو اور اس کو قبول کر لے تو اس سے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے، ہم لوٹ جائیں گے اور جو انکار کرے گا اس سے ہم اس وقت تک برسرِ پیکار رہیں گے جب تک کہ اللہ کا وعدہ پورا نہ ہو جائے۔

پوچھا گیا: اللہ کا کیا وعدہ ہے؟

فرمایا: انکار کرنے والوں سے جو جنگ میں مر جائے گا اس کے لیے جنت، اور جو زندہ رہ جائے اس کے لیے کامیابی و کامرانی۔

یہ تھی مختصر سی گفتگو (جس کو آج کل کی سیاسی اصطلاح میں مذاکرات کہا جاتا ہے) جس کا ذکر اسلامی غزوات اور دعوت اسلامی اور مسلمانوں کی تاریخ میں آتا ہے، لیکن عام طور پر لوگ اس سے سرسری طور پر گزر جاتے ہیں۔ تاریخ کے انبار میں یہ بات دب کر رہ گئی ہے۔ اس کی معنویت، گہرائی، قوت اور جرأت مندانہ انداز میں دعوت پیش کرنے کی روح جو ان چند جملوں میں پوشیدہ ہے اس کی طرف کم نگاہ جاتی ہے۔ عرب کے ایک بدوی علاقہ کا مسلمان سپاہی اپنے اندر کس قدر جوش و جسارت اور حمیت و غیرت رکھتا تھا اور کس طرح دعوتِ اسلام کی حقیقت سے اس کی روح سرشار تھی، اس کی طرف عام طور پر لوگوں نے توجہ نہیں دی ہے۔

موجودہ زمانے کی نوعیت اور مغربی ممالک کی نوعیت (جو اس وقت فکری و سیاسی، تمدنی اور معاشی امور میں دنیا کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لیے ہوئے ہیں) اس زمانہ سے مختلف نہیں ہے جب کہ اسلام کی دعوت کا آغاز ہوا تھا اور جس وقت اسلام کے داعی پیغامِ حق لے کر دنیا میں پھیل گئے تھے اور اقوامِ عالم کو ان کی سوسائٹیوں کو، ان کی حکومتوں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔

ابھی میں نے جو حضرت ربعی بن عامرؓ کی مثال دی اور ان کے مذاکرات کو نقل کیا جو ان کے اور رستم کے درمیان ہوئے تھے، وہ ایک ایمان افروز واقعہ ہے۔ غور کیجیے! کہاں ایک عرب کا بدوی سپاہی اور کہاں ایران کا کمانڈر اِن چیف رستم جو شہنشاہِ ایران کے بعد وہاں کی اس وقت کی بڑی شخصیت کا حامل تھا! اس کا جاہ و جلال، خدم و حشم، آرائش و نمائش کے وہ ساز و سامان جو نگاہوں کو خیرہ کر دیں؛ دوسری طرف اس وقت کی دو عظیم طاقتیں ساسانی اور رومانی، جس کے تحت بڑے بڑے شہر آباد تھے، لاتعداد سماجی و علمی معاشرے تھے، اَن گنت معیار اور پیمانے تھے، رسوم و رواج، نظریات و افکار تھے اور سب اپنے عروج پر تھے اور یہی پوری دنیا پر عقلی و ذہنی حکمرانی کر رہے تھے، تہذیب و تمدن کا رُخ بنانے میں، اقتصادی و سیاسی ڈھانچوں کی

تشکیل میں، عقل و فکر پر اثر انداز ہونے میں انہی دونوں طاقتوں کا براہ راست دخل تھا، اور ان دونوں کے درمیان بہت زیادہ فرق نہیں تھا۔

دوسری طرف وہ فرق جو چھٹی صدی عیسوی کی مشرقی دنیا اور بیسویں صدی کی مغربی دنیا کے درمیان دیکھا جاتا ہے وہ ان دونوں میں مشرق و مغرب کے زمینی و زمانی فرق سے کم ہے زیادہ نہیں۔

آج آپ دیکھتے ہیں کہ جاہلیت[1] (اپنے مکمل مفہوم میں) پورے مغرب کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے۔ وہ مغرب جو اعلیٰ ثقافت اور تمدنی عروج کے نقطۂ کمال تک پہنچا ہوا ہے۔ جاہلیت کے تمام خصائص (جن کا مؤرخ ذکر کرتے ہیں اور جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں) سب کا محور مادی منافع کا زیادہ سے زیادہ حصول، لذت اندوزی اور نفس پرستی، جس طرح اور جس راستہ سے حاصل ہو (جو ایک قدیم یونانی تھیوری کا خلاصہ ہے)[2] اس کو حاصل کر لینا یا پھر سیاسی و اقتصادی نفوذ و اختیارات پر قبضہ کرنا، اس کے مقابلے میں جہاں مذہب کا ذکر آئے اس کو ایک انفرادی معاملہ قرار دینا، جو ایک خاص مقام (گرجوں) اور خاص اوقات (مذہبی تہواروں) میں منالیا جائے، اس نظام (جاہلیت) کا انسان سازی میں کوئی دخل نہیں ہے، فرد و جماعت کے کردار، سیاسی ہوں یا اقتصادی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اگر زمانۂ ماضی کے شاہان تاج دار دنیا سے الگ تھلگ قید خانہ میں وقت گزارنے والے کی طرح زندگی گزار رہے تھے تو مغرب اس سے وسیع قید خانہ میں مقید ہے۔ شاہ زادے اور والیان ریاست کے پنجروں سے زیادہ حسین اور خوش نما یہ پنجرہ نمائشی آداب (Fashions) اور مصنوعی وضع داریوں (Etiquettes) کی پابندی ہے جس کو بہت باریک بینی اور نوک پلک کے ساتھ برتا جاتا ہے۔ لباس، رہائش اور نمائش کے فرسودہ اور از کار رفتہ رسم و رواج، جن کو معاشرتی زندگی کا اہم جزو سمجھ لیا گیا ہے اور اپنے بڑے لوگوں میں اس کو تلاش کرتے ہیں اور کم ہونے پر انگلی اٹھاتے ہیں، اس لحاظ سے دیکھیے تو معلوم ہو گا کہ تمدن پرور اور تمدن کا پروردہ مغرب ان قوموں سے مختلف نہیں ہے جو ما قبل اسلام دو بڑی شہنشاہیوں میں پائی جاتی تھیں۔

زمانۂ جاہلیت (قبل اسلام) میں انسان بت پوجتا تھا، اس کے روایتی و آبائی صنم بھی تھے اور نئے نئے بنائے ہوئے بت بھی تھے اور موجودہ مغرب میں بھی آپ کو نظر آئے گا، لذت اندوزی اور نفس پرستی کا وہ اسی طرح غلام ہے جس طرح لوگ پتھر کے صنم کو اپنا معبود اور اپنے آپ کو اس کا غلام سمجھتے تھے۔ لذت اندوزی کے وسائل پر اور ان کی ساری تگ و دو اسی محور پر گردش کرتی تھی، خود ان کا وجود ان کی خود عائد کردہ پابندیوں کی وجہ سے ایسا تھا جیسے ایک شوخ ناز پروردہ پرند، یا کوئی معزز قیدی ہو۔ اور آج کا مرد فرنگ خواہ اس کی دولت کا کوئی ٹھکانا نہ ہو، حکومت و سیاست کی باگ ڈور بھی اس کے ہاتھ میں ہو وہ بھی سوسائٹیوں کی عائد کردہ پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے، حیثیت، معیار (Standards & Values) کے گھروندوں سے باہر سر نہیں نکال سکتا، خواہ کتنی ہی بڑی شخصیت کا مالک ہے۔ حاصل یہ کہ دونوں، قدیم جاہلی انسان اور جدید مغربی انسان، کی ضرورت ایک ہی تھی اور اب بھی ہے کہ دنیا کی تنگنائیوں سے ان کو نکال کر اس کو آزادی کی نعمت دی جائے۔ لیکن اب کون ہے جو حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کی سنت انفرادی یا اجتماعی شکل میں زندہ کرے اور مغرب یا اہل مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کو مخاطب کرے، وہ اہل مغرب جو آج مادی طاقتوں کے قارون بنے بیٹھے ہیں اور اپنی سیاسی و اقتصادی حکمرانی سے دنیا کو اپنی انگلیوں پر نچا رہے ہیں۔ آج کون ہے جو ربعی بن عامرؓ کی سی جرأت ایمانی رکھتا ہو جس نے ساسانی سلطنت کے نائب اعظم 'رستم' کو مخاطب کیا تھا؟ آج ضرورت ہے کہ کوئی فرد یا جماعت اس درجہ کی بے باکی و صداقت شعاری کے ساتھ حمیت اسلامی اور غیرتِ ملی کے ساتھ یورپ کو حقانیت و صداقت کی دعوت دے اور یہ کام (دعوت الی اللہ کا کام) جس میں داعی کی اپنی غرض شاملِ نہ ہو صرف انسانیت کی بھلائی اور بہبود اس کا مطمحِ نظر ہو۔

یہ ذمہ داری اُمت اسلامیہ کی وراثت ہے، اس کا فریضہ ہے۔ ملت کے خاندان، مفکرین اور اہل قلم کی یہ ذمہ داری ہے۔ جہاں تک یورپ کا تعلق ہے وہ اندر سے کھوکھلا اور آسمانی ہدایت سے محروم اپنے ہاتھ سے بنائی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے، اس کی صحیح تصویر شاعر اسلام محمد اقبالؒ کے ان اشعار میں نظر آتی ہے۔

یورپ میں بہت روشنیٔ علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات

وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

[1] جاہلیت اس طرز زندگی یا اس معاشرہ کا نام ہے جو تعلیماتِ نبوت سے بے نیاز اور آسمانی ہدایات سے محروم ہو، اس کا اطلاق طرز زندگی، عقیدہ اور معاملات، خیر و شر کے معیار سب پر ہوتا ہے۔

[2] ایک قدیم یونانی فلسفہ جس کو عربی میں "ابیقوریۃ" لکھتے ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ لذت اندوزی اصل اور مقصدِ انسان ہے خواہ جس طرح ہو اور جہاں ملے۔

بھائیو! میں آپ سے کہتا ہوں، بلکہ ایک سوال کرتا ہوں کہ اگر قبیلۂ قریش کے وہ افراد جو جنگ بدر اور جنگ اُحد میں مارے گئے تھے مسلمانوں کے خلاف استغاثہ پیش کریں اور کہیں کہ ہم نے تو خود بڑھ کر ان کے پیغمبر کو پیش کش کی تھی کہ وہ اگر دنیاوی ثروت و دولت چاہتے ہیں تو ہم ان کو دولت سے مالا مال کرنے کو تیار ہیں، اگر عیش و عشرت کی زندگی کی طلب ہے اس طرح کہ اپنی پسند سے جس بڑے سے بڑے خاندان میں چاہیں ان کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کردیں، اگر حکومت و سرداری کی تمنا ہے تو ہم سب مل کر ان کو اپنا سربراہ تسلیم کر لیتے ہیں مگر تمہارے پیغمبر نے کوئی بات قبول نہیں کی اور صاف انکار کر دیا اور یہ کہا کہ ہم اس کے لیے مبعوث نہیں کیے گئے ہیں لہٰذا آج کس طرح تم انہی چیزوں کے پیچھے مر رہے ہو، آج تمہیں سوائے عیش و عشرت اور لذت اندوزی کی زندگی کے کچھ نظر نہیں آتا، نہ دعوت نہ جہاد۔

اللہ کی عبادت تو کی جاتی ہے مگر اس بات کی دعوت مفقود ہے کہ دین خالص سب کا سب اللہ کا ہو جائے اور اس کی شریعت و احکام کا نفاذ ہونے لگے۔ ہم نے تمہارے سامنے وہ سب کچھ پیش کیا جس کی دنیا کو طلب ہو سکتی ہے مگر آسودہ حالی، فارغ البالی اور عیش کوشی کی زندگی کو تمہارے نبی نے قبول نہیں کیا، رد کر دیا اور کہا کہ ہم اس کام کے لیے مبعوث نہیں کیے گئے ہیں۔ ہم اس لیے مبعوث کیے گئے ہیں کہ تمہارے سامنے دعوتِ توحید پیش کریں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا راستہ بتائیں، اسلام کو سربلند کریں، کیوں کہ اللہ کے نزدیک مقبول دین صرف اسلام ہے۔ ہم نے تم سے بے شک جنگ کی، کیوں کہ تم اسلام کی حکومت کرنا چاہتے تھے، تم اسلام کی دعوت لے کر اٹھے تھے تم ہی وہ تھے جو کہتے تھے کہ عبادت صرف اللہ کی ہو گی، اللہ تعالیٰ کائنات پر تصرف کرنے والا ہے، وہی مدبر ہے، وہی رازق ہے، اور ہم اس کا انکار کرتے تھے، لہٰذا ہمارے تمہارے درمیان معرکے ہوئے اور ہمارے بہت سے لوگ اس راہ میں ہلاک ہوئے۔

لیکن تم لوگ دنیا پر ٹوٹ پڑے اور جیسے آگ پر پروانے گرتے ہیں اسی طرح تم دنیا پر فدا ہو رہے ہو۔ تمہاری تمنا ہے کہ تم ناز و نعم میں زندگی گزارو، دولت کا مظاہرہ کرو، اور عیش و عشرت کا سامان جہاں بھی ملتا ہو وہ سب تمہارے قبضۂ قدرت میں آجائے۔ اب تم میں نہ تو اسلامی غیرت ہے نہ دینی حمیت اور نہ دین کی حفاظت اور اس کی وسعت کے لیے نہ کوئی جوش و ولولہ ہے۔ تمہارے پیغمبر کے ساتھیوں کی جو زندگی تھی اس سے تم کو ادنیٰ درجہ کی بھی مناسبت نہیں رہ گئی۔

میں آپ سے معذرت خواہ ہوں، اور آپ سے پہلے میں اپنے ضمیر سے معذرت کرتا ہوں، اپنے اسلامی شعور اور احساس سے معذرت کرتا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ بہت سے ملک اور شہر اور خاص طور پر وہ ملک، شہر جس میں کوئی غیر مسلم جاتا ہے یا تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اور قوموں کے مزاج سے واقفیت رکھنے والا شخص جاتا ہے تو اس کو ماضی اور حال کے درمیان واضح فرق نظر آتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ زندگی کا دھارا ہر جگہ یکساں طور پر چل رہا ہے۔ سوائے کسبِ معاش کے اس قوم کا کوئی مقصد حیات نہیں ہے۔ جس طرح دنیا کی دوسری اقوام ہیں اسی طرح قوم مسلم بھی ہے۔ خواہشات اور اغراض انسانی کو پورا کرنے کی خاطر یہ لوگ بھی وہ سب کچھ کرتے ہیں جو دوسرے کرتے ہیں۔ ان کو اس کی بھی حس نہیں رہتی کہ اپنے اور غیر کے درمیان تمیز کریں۔ مسلمانوں پر غیر مسلموں کو ترجیح دیں گے تجارت و صنعت اور تجارتی مصالح اور نفع اندوزی کے سوا کوئی مطمح نظر نہیں ہے۔

میرے بھائیو! زندگی گزارنے کا جو طرز مسلمانوں میں رائج ہے وہ اسلام کے دعوتی پیغام سے کوئی میل نہیں کھاتا اور نہ رسول اکرم ﷺ کے ان مقاصد سے اس کا کوئی ربط ہے جس کے لیے آپ مبعوث کیے گئے تھے اور نہ ان مقاصد سے ان کی زندگی کو کوئی مناسبت ہے جس کے لیے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی مدینہ منورہ سے بدر گئے تھے اور جس کی خاطر انہوں نے اپنی جانیں دی تھیں۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم اس نکتے کو ہمیشہ نظروں کے سامنے رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم ﷺ کی دعا قبول فرمائی تھی اور مسلمانوں کو جنگِ بدر میں فتح سے ہمکنار کیا تھا۔ اللہ نے اپنے رسول کو سچا کر دکھایا کہ اگر یہ امت نہیں رہی تو روئے زمین پر اللہ کا عبادت گزار نہیں رہ جائے گا اور اس طرح مسلمانوں کو باقی رکھا اور مسلمانوں کو بے چارگی، تعداد اور اسلحہ کی کمی کے باوجود ان کے دشمنوں (قریش) پر فتح و نصرت سے نوازدیا۔ اسی بنیاد پر اس وقت کے مسلمان زندگیاں گزار رہے تھے اور ایک مسلم معاشرہ صحیح معنوں میں وجود میں آیا اور ایک اسلامی زندگی عہد نبوی، عہد خلافت راشدہ اور متعدد اور طویل تاریخی زمانوں میں سایہ فگن رہی۔

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے ان مقاصد اور اس روح، جذبات اور ان دینی و ایمانی محرکاتِ عمل کا حصہ کھو دیا۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہاں اور ہر ایسے عرب و اسلامی ملک و شہر میں اسلامی زندگی کو سایہ فگن دیکھیں جو نگاہوں سے بھی نظر آتی ہو، تجربہ و عمل میں بھی اس کا مشاہدہ ہوتا ہو، اور ہر انسان اس زندگی کا لطف اور فائدہ اٹھا سکے۔ اس کے بڑے اجزا اور مظاہر کیا ہیں؟ توحید پر استقامت، اللہ اور اس کے کلام پر کامل ایمان، دنیا پر آخرت کو ترجیح اور اس پر اور اللہ کے خوف و خشیت پر ثبات و استقامت، اہل اسلام اور اہل ایمان کو ان عناصر اور جماعتوں پر ترجیح دینا جو اس دولت سے محروم ہیں (خواہ ان غیر مسلم معاونین اور ہنر مندوں کی اعانت سے کتنا ہی فائدہ پہنچتا ہو)، شریعت اسلامی پر مکمل طریقہ پر عمل اور مردوں یا خواتین ہر طبقہ کی اس پر استقامت، پھر دنیا کو (جس میں مغرب شامل ہے خدائے واحد کی عبادت کی دعوت دینا اور اس کی کوشش کرنا کہ دنیا میں اللہ ہی کی حکومت اور فرماں برداری کا رواج ہو۔

والحمد لله رب العالمين و صلى الله وسلم وبارك على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وتابعيه باحسان الى يوم الدين!

بہار ہو کہ خزاں......لا الٰہ الا اللہ!

استاد اسامہ محمود حفظہ اللہ

یہ تحاریر بنیادی طور پر شیخ ابو قتادہ فلسطینی حفظہ اللہ کے کتابچے ”درك الهدىٰ في اتباع سبيل الفتى“(نوجوان کے نقشِ قدم پر حصولِ ہدایت کا سفر) کو سامنے رکھ کر مرتب کی گئی ہیں، کتابچے میں شیخ نے اصحاب الاخدود والی حدیث کی شرح کی ہے اور اس میں موجود حکمت کے ان موتیوں کو سمیٹا ہے جو دعوت وجہاد کے راہیوں کے لیے انتہائی اہم اور قیمتی ہیں۔ شیخ ابو قتادہ کی اس تالیف میں بعض اہم نکات کی تشریح اور ان کے ذیل میں بہت سے دیگر اہم مفاہیم ومبادی کو استاد اسامہ محمود نے بیان کر کے اسے مزید نافع بنادیا ہے۔ اللہ یہ اسباق سمجھنے اور ان پر عمل کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے، آمین۔ (ادارہ)

توحید تو یہ ہے......

انسان کو عقل و فہم اور یہ ساری نعمتیں دی اس لیے گئی ہیں کہ یہ عبادت و اطاعت کے ہر ہر کلادے کو اپنی گردن سے اتار پھینکے اور بس صرف وصرف اللہ ہی کی عبادت و اطاعت کو اپنے گلے لگائے۔ غیر اللہ کا انکار اور صرف اللہ ہی اللہ کا اقرار اس کی پوری زندگی کا محور ہو، یہی اس سے مطلوب ہے۔ توحید یہ ہے کہ انسان اللہ کے مقابل موجود ہر محبت، ہر خوف، ہر عظمت اور ہر اطاعت کے سامنے انکار کردے اور بس صرف اللہ کی محبت، اس کے خوف، اس کی عظمت اور اس کی اطاعت سے اپنے قلب وروح اور فکر و عمل کو آباد کرلے......انسان کی فلاح بس اسی میں ہے کہ وہ انفرادی زندگی میں بھی خاص اللہ کا فرماں بردار رہے اور اجتماعی زندگی میں بھی، جب دو یا زیادہ افراد اکٹھے ہوں، خاندان، معاشرہ یا قوم تشکیل ہو تو وہاں بھی بس صرف اللہ ہی کے احکامات کی بجا آوری کرے۔ ذاتی زندگی میں اس کی فکر و عمل کا مرکز اللہ ہو، رکوع و سجود صرف اللہ کے سامنے اُسی کی رضا کے لیے کرے، حمد و ثنا اور تسبیح و تمجید بس صرف اللہ کی بیان کرے، قلب وروح میں صرف اللہ کی یاد اور اس کی محبت کو بسائے اور جب دوسرے انسانوں کے ساتھ تعامل ہو، معاشرت و معیشت کے میدان میں جب وہ قدم رکھے، عدالت و حکومت کے امور جب اس سے مخاطب ہوں......تو وہاں بھی وہ آزاد، خود مختار اور اپنی مرضی کا کبھی مالک نہ ہو بلکہ وہاں بھی وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی کا غلام اور اس کی شریعت کا مطیع ہو۔

اطاعت و بندگی جزوی نہیں !

اسلام میں اطاعت و تابع داری کے لحاظ سے پرائیویٹ یا پبلک زندگی کی کوئی تفریق نہیں؛ ایسا نہیں کہ فرد تو اللہ کا مطیع ہو مگر افراد، جس کی مرضی ہو اس کی اطاعت کریں۔ نہیں زندگی ساری کی ساری امانت ہے اور اس پوری کی پوری زندگی میں اللہ کے سامنے مکمل سپردگی اور اس کی غیر مشروط اطاعت کا عہد و اقرار اسلام ہے۔ یہاں دین بس بندے اور اس کے رب کے بیچ کا ایسا معاملہ نہیں کہ کوئی جو بھی کرتا ہو کرے اور بس وہ جانے اور اس کا رب۔ بندے کے بندوں کے ساتھ تعلق میں بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا دین مکمل طور پر دخیل ہوتا ہے اور یہ دین بندے کو پابند کرتا ہے کہ وہ خود بھی برائی سے بچا رہے اور دوسروں کو بھی اللہ کی معصیت کرتا دیکھے تو ان کا ہاتھ روکے۔ اللہ کی شریعت فرد کو بھی مخاطب ہے اور یہ معاشروں اور اقوام کو بھی خطاب کرتی ہے۔ اس کی رٹ اگر چیلنج ہو اور منکر بر سرِ عام ہو رہا ہو تو تماشا کرنے والا اور اس برائی کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرنے والا بھی شاملِ گناہ سمجھا جاتا ہے اور اس کے لیے بھی اللہ کی طرف سے وعید ہے۔ اللہ کی شریعت کو معاشرے کے اندر جاری و ساری کرنا، اسے غالب کرنا اور اسے حاکم بنانا سب کا مشترکہ فرض ہے۔ پس عبادت و معاشرت کی تفریق ہو یا مذہب و سیاست کی تقسیم، یہ سب مبنی بر باطل ہے، یہ اللہ سے کلّی بغاوت ہے۔ اللہ کے دین میں یا تو مکمل بندگی کا اعتراف ہوگا، ورنہ دوسری صورت میں یہ جزوی اقرار مکمل بغاوت کا ہی اعلان سمجھا جائے گا۔ کہیں بندگی تو کہیں بغاوت، کہیں اللہ کے مالک ہونے کا اعتراف تو کہیں خود اپنے آپ کو یا اپنے جیسے محتاج انسان کو الٰہ (معبود) سمجھنے کا اعلان...... یہ سب اللہ کے مقابل سرکشی اور بغاوت ہے۔ اللہ کے ہاں تو اس کے سو احکامات میں سے کسی ایک حکم کا بھی اگر انکار ہو (عملی کوتاہی نہیں)، تو ایسا رویہ اس بندے کو دائرۂ اطاعت سے مکمل طور پر خارج کرنے اور اُسے باغیوں کی صف میں کھڑا کرنے کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

تفریقِ دین وسیاست......جزوی بے دینی نہیں!

پھر واقعہ یہ ہے کہ جہاں دین و سیاست جدا کی جاتی ہے، حکومت و اقتدار کے دائرے میں جب اللہ کی بجائے نفس و خواہش کی بندگی اصل اصول بن جاتی ہے، تو پھر یہ ممکن ہی نہیں رہتا کہ حکومت سے ہٹ کر زندگی کے دیگر امور بھی شرعی دائرے میں قائم رہ سکیں۔ دین سے سیاست کو الگ جب کیا جاتا ہے تو بالآخر پورے نظامِ حیات سے ہی دین نکل جاتا ہے۔ معاشروں میں فکر و خواہش کو تشکیل دینے کے ہتھیار و آلات اور منصوبوں (میڈیا اور تعلیم) پر جب کفر و طغیان قابض ہو جاتا ہے، اور معیشت و معاشرت کے تمام تر راستوں پر جب دین دشمنی کا تسلط قائم کیا جاتا ہے تو پھر عبادات تک بھی آہستہ آہستہ اپنا اثر کھو دیتی ہیں اور آخر کار مساجد و مدارس تک بھی ویران ہو جاتے ہیں۔ آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے؛ "لَتُنْتَقَضَنَّ عُرَى الْإِسْلَامِ عُرْوَةً عُرْوَةً، فَكُلَّمَا انْتُقِضَتْ عُرْوَةٌ تَشَبَّثَ النَّاسُ بِالَّتِي تَلِيهَا، فَأَوَّلُهُنَّ نَقْضًا: الْحُكْمُ وَآخِرُهُنَّ الصَّلَاةُ"[1] ”اسلام کی کڑیاں یکے بعد دیگرے ٹوٹیں گی، جب ایک

---

[1] صحيح ابن حبان، مسند الإمام أحمد بن حنبل، المستدرك على الصحيحين للحاكم

کڑی ٹوٹے گی تو لوگ دوسرے پر مطمئن ہوں گے (یعنی ٹوٹی ہوئی کڑی کو جوڑنے کی تڑپ و تحریک نہیں ہو گی)، (ایسے میں) پہلی کڑی (اللہ ر اسلام کی) حاکمیت کی ٹوٹے گی اور آخری کڑی کے طور پر نماز ختم ہو گی''، گویا جس زوال کا سفر محض سیاست و اقتدار کے میدان میں اسلام دشمنوں کو قبول کرنے سے شروع ہوا تھا، اس کے انجام میں پھر گھروں، کمروں، خواب گاہوں اور عبادت گاہوں تک سے بھی دین رخصت ہو جاتا ہے اور زندگی کے ہر گوشے پر پھر بے دینی غالب ہو جاتی ہے۔ یوں دین و سیاست کی وہ 'بے ضرر' تقسیم پھر پورے کے پورے معاشرے کو ظلم وطغیان میں دھکیلتی ہے اور وہ اُن اندھیروں میں غرق ہو جاتے ہیں جہاں انسان پھر انسان نہیں رہتا بلکہ حیوان بن جاتا ہے، آسمان بھی جہاں اس کا دشمن بن جاتا ہے اور زمین بھی اس سے اپنی نعمتیں روک دیتی ہے۔ آج یہ حقیقت پہلے سے کہیں زیادہ واضح ہے کہ حاکمیت اگر اللہ کے مطیع بندوں کے ہاتھوں میں نہ ہو اور اللہ کی شریعت سے ہٹ کر کسی اور نظامِ حیات کی حکمرانی ہو تو یہی 'اُم الخبائث' ہے، یہاں سے ہی پھر ظلم وفسق اور کفر وارتداد کی ہر تحریک کی سرپرستی ہوتی ہے اور اسی کے سبب پھر پورے کا پورا معاشرہ دین و اخلاق اور عفت و حیا سے عاری ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت حال میں پھر انفرادی اور معاشرتی اصلاح کی تحریکیں مکمل طور پر بیکار بھی نہیں ہوتیں، مگر ایسے معاشرے کو تباہی سے بچانے اور نسلوں کو بربادی کے گڑھے میں گرنے کا راستہ اس کے سوا پھر کوئی نہیں بچتا کہ ایک صالح جماعت منظم ہو اور وہ ایک طرف خود بھی اتباعِ شریعت کے ذریعے شہادتِ حق پیش کرے اور ساتھ ہی ساتھ اسلام کی پہلی کڑی اللہ کی حاکمیت کو قائم کرنے کے فرض پر بھی لبیک کہے اور جہاد و قتال کے میدان میں اترے، یہ ہو گا تو فرض ادا ہو گا اور باقی اسلام کا بھی تحفظ ہو گا، ورنہ کفر ونفاق کی جہاں افزائش ہوتی ہو اور ظلم وطغیان کی جہاں سرپرستی ہو رہی ہو، قوت کے ان فاسد سرچشموں کو اگر ابلتا اور آزاد چھوڑا جائے اور محض انفرادی اصلاح پر ہی اکتفا کیا جائے تو بے دینی کے اس سیلابِ بلا کے سامنے ہمارے گھروں اور مساجد تک کی چار دیواریاں بھی حائل نہیں رہ پائیں گی اور اس کا خمیازہ پھر ہم اور ہماری آئندہ نسلیں بھی بھگتیں گی۔

جہاں اللہ کا دین غالب ہو......

جس معاشرے میں اللہ کا دین غالب ہو وہاں ہر انفرادی اور اجتماعی عمل میں بس اللہ کے ارشادات اور اس کے رسول کریم محمد ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں رب کریم کی اطاعت کو ہی اپنا ہدف اول سمجھا جاتا ہے اور رب تعالیٰ کی شریعتِ مطہرہ کو ہی مسلمان اپنے مابین اعلیٰ اتھارٹی، قولِ فیصل اور مکمل طور پر غیر متنازع حاکم اعلیٰ تسلیم کرتے ہیں۔ ایسی جگہ عبادات و معاملات، رسم ورواج، قانون و اخلاق بلکہ مکمل نظامِ حیات اللہ کی شریعتِ مطہرہ پر کھڑا ہوتا ہے۔ منکرات مکمل طور پر کہیں بھی ختم نہیں ہوتے ہیں مگر یہاں انہیں تحفظ و فروغ نہیں ملتا۔ نہی عن المنکر اور امر بالمعروف کے فریضے پر عمل برائی کو باقی نہیں رہنے دیتا، بلکہ اسے پھیلنے، ظاہر ہونے اور غالب ہونے سے منع کرتا ہے۔ ایسے نظام میں پھر فرد سے لے کر معاشرہ اور رعایا سے لے کر حاکم تک سب بس ایک سمت، ایک وحدت اور ایک بندگی رب کے رشتے میں پیوست ہوتے ہیں۔ کوئی دوسرے سے حقیر نہیں، کسی ایک پر دوسرے کو (بجز تقویٰ کے) برتری نہیں، سب آزاد، اللہ کی شریعت کے سامنے برابر اور اُس ایک رب کے مطیع و فرماں بردار ہوتے ہیں جو اپنے ان بندوں پر انتہائی شفیق ہے، ان سے ستّر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے اور جو چاہتا ہے کہ اس کے یہ بندے عزت وعظمت والی مبارک زندگی جئیں۔

ایسا معاشرہ پھر اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور بندگیٔ خدا کا ایک زندہ اشتہار بن جاتا ہے۔ اللہ ہی کے فضل ورضا کے سبب پھر اس میں ہر طرف امن وامان، محبت ومودت، چین وسکون، راحت و فرحت اور مالی طور پر قناعت و آسودگی ہوتی ہے۔ اس کا ہر ہر پہلو پھر یہ دعوت دیتا ہے کہ آئیں اللہ کی بندگی کو اپنا شعار بنائیں اور دنیا و آخرت کی کامرانی و کامیابی کے حقیقی حق دار ٹھہریں۔ کوئی خامی اگر ہوتی ہے تو اس کا سبب بس اللہ کی شریعت پر کماحقہٗ عمل نہ کرنا سمجھا جاتا ہے اور جو بھی مثبت بات نظر آتی ہے وہ اللہ کے ساتھ وفاداری کی بدولت، اس کی شریعتِ مطہرہ کی اطاعت کے طفیل اور خاص اس کے انعام ورحمت کے باعث ہوتی ہے۔ یہاں پھر کوئی محروم، مظلوم اور مجبور نہیں رہتا، سب اللہ کی ظاہری و باطنی نعمتوں سے مستفید ہوتے ہیں۔ جن کے ہاتھوں میں اقتدار واختیار اور معاشرے کی قیادت ہوتی ہے، ان کے اخلاص اور اتباعِ شریعت کا یہ ثمرہ ہوتا ہے کہ پورا معاشرہ پھر خیر کی طرف گامزن رہتا ہے اور یوں انسانیت یہاں پوری کائنات کے متوازی، ایک ہی رخ میں، عبادتِ الٰہی کے ایک ہی محور کے گرد گھومتی اور ترقی کرتی ہے، آسمان بھی ان پر پھر اپنی برکتیں انڈیلتا ہے اور زمین بھی اپنی نعمتیں اگلتی ہے۔

اصرار انعام پر جبکہ فرار فرض سے

آیئے ہم اپنے غموں کے اسباب اور ان کا علاج اللہ کی کتابِ مبارک میں تلاش کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا﴾ ''اگر بستی والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے'' یہ شرط ہے اور اس کو پورا کرنا ہی انسان کا فرض تھا، توانائیاں اور عمریں اسی میں لگنی چاہیے تھیں۔ آگے پھر انعام کا بیان ہے کہ ﴿لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا﴾ ''تو ہم زمین اور آسمان کی برکتیں ان پر انڈیل دیتے، لیکن انہوں نے تکذیب کی'' شرط پوری جب نہیں کی تو سزا پھر کیا ملی؟ ﴿فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ[1]﴾ تو ہم نے انہیں ان کے اعمال کے سبب پکڑ لیا'' جب فرض سے انکار ہوا تو پھر چین وسکون چھینا گیا، عزت وعظمت نہیں رہی اور معیشت ومعاشرت عذاب الٰہی کے تازیانے

[1] سورۃ الاعراف: ۹۶

بن گئے۔ افسوس ہے کہ آج مطلوب اور فرض کی تو پرواہ نہیں، جبکہ انعامات کو اپنا حق اور جاگیر سمجھا جا رہا ہے۔ ہمارے ذمے جو محنت اور جدوجہد تھی وہ اللہ کو اپنا مولیٰ بنانے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہادی بنانے کی تھی، اخلاص و اتباعِ شریعت اور اللہ کے دین کو غالب کرنے کی سعی و تحریک فرض تھا، مگر ایک طرف تو اس فرض کو ادا کرنے کی کوئی فکر نہیں اور دوسری طرف انعام کی چاہت ہے کہ پوری قوم اس کے لیے دیوانہ ہو رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج یہاں جس تنگی، بدحالی اور پریشانیوں کا راج ہے، اس مَعِيشَةً ضَنْكًا[1] (تنگ زندگی) کا باعث اللہ سے منہ موڑنا اور شریعتِ مطہرہ کی معطلی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ان بیماریوں کا علاج اُن ذرائع سے کیا جا رہا ہے جو خود ان کے اسباب ہیں، جن راہوں پر چل کر ہمارا چین و سکون ہم سے چھن گیا ہے اور تباہی و بربادی ہمارا مقدر ٹھہری ہے عین انہی راستوں پر چل کر اب منزل و مقصود پانے کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سے یہ بغاوت و نافرمانی اور دنیا کے مادی فوائد کو اپنا خدا بنا دینا، شریعتِ مطہرہ کی یہ تحقیر و تضحیک اور اللہ کی اس شریعت کی جگہ غیر اللہ کے وضع کردہ آئین و قوانین کی یہ تقدیس و تعریف، یہ سب جرائم ہیں، یہ کفرانِ نعمت اور اللہ کے غیظ و غضب کو دعوت ہے، یہ وہ جرائمِ خبیثہ ہیں کہ جو آج ہماری اس قومی بدحالی و رسوائی کے بنیادی اسباب ہیں۔ اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان خرابیوں کی اصلاح پر ہی توجہ دی جاتی، داعیانِ کرام اور قائدینِ قوم بربادیٔ قوم کے ان اسباب کو دور کرنے کے لیے نکل آتے اور کھل کر دعوت دیتے کہ ان پریشانیوں کا حل اللہ کی طرف رجوع اور اس کی شریعت کی بس اتباع ہے، مگر افسوس ہے کہ جن پر قوم کی رہنمائی کرنے کی ذمہ داری آتی ہے ان کی اکثریت بھی آج کرپشن، ناانصافی، وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم اور سفارش کلچر جیسی علامات (symptoms) کو ہی ان بیماریوں کے اسباب بتاتے ہیں۔ حالانکہ یہ اسباب نہیں، نتائج اور علامتیں ہیں۔ یہ کڑوا پھل ہے جبکہ بیج و پودا، اس کا اصل سبب اللہ کی نافرمانی اور شریعت الٰہی کے ساتھ بے وفائی ہے۔ ایک حدیث کے اندر اس امت مسلمہ کی خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ اللہ کے دین کی طرف لوٹے بغیر اس کے حق میں فوز و فلاح کا خواب کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو گا۔ کفریہ اقوام کا معاملہ مختلف ہے کہ ان کی ترقی، غلبہ اور کامیابی...... ہم مسلمانوں ہی کی ناکامی، زوال اور فرضِ منصبی چھوڑنے کے سبب ہے۔ جب تک ہم اللہ کے ساتھ اپنی بندگی کا رشتہ دوبارہ استوار نہیں کریں گے، یہ ذلت و رسوائی کی رات کبھی بھی صبح پر نور میں تبدیل نہیں ہو گی۔ اس امت کی نجات اور اس کی عظمت کا راستہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی اطاعت سے گزرتا ہے، اور اس اطاعت کو 'بائی پاس' کر کے دنیا بھر کی اخلاقیات اور دنیاوی ترقی کے سب مادی اصول بھی اگر آزمائے جائیں، بہترین اذہان اور بیش قیمت وسائل بھی اگر اس راہ میں لگائے جائیں، تب بھی بحیثیت ملت و امت کامیابی و کامرانی کی گرد تک کو بھی ہم نہیں چھو سکیں گے بلکہ یہ سب کچھ کر کے بھی ذلت و نامرادی ہی ہمارا مقدر رہے گی۔

> آج ضروری ہے کہ دعوت و جہاد کا ہمارا یہ قافلہ بھی اپنے سامنے یہی اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم رکھے۔ ہم چاہے قوت میں ہوں یا ضعف میں، باطل کے دانت کھٹے کرنے کی ہم میں طاقت ہو اور ہتھیار لے کر اللہ کے دشمنوں پر ہم ضربیں لگا رہے ہوں یا ہم کسی جگہ کمزور ہوں اور ابھی مسلح مزاحمت کی استعداد اپنے اندر نہیں پاتے ہوں، ہماری تائید و نصرت کرنے والوں کی کثرت ہو یا ان کی قلت کا ہمیں سامنا ہو...... ہم مسلسل فتوحات حاصل کر رہے ہوں یا آزمائش و ابتلا سے ہمارا گزر ہو، ہر طرح کے ایسے احوال میں بہر صورت یہ لازم ہے کہ ہم اپنے بنیادی شرعی اصولوں پر کبھی بھی کوئی سمجھوتہ نہ کریں۔ ہمارے دعوتی مصالح یا سیاستِ شرعیہ بنیادی شرعی اصولوں سے آزاد نہیں بلکہ ہمیشہ ان کے تابع ہوں۔

اللہ کا راستہ اور طاغوت کا راستہ

اللہ کی بندگی اختیار کرنا اور اس کے دین کو غالب کرنے کا یہ سفر اختیاری نہیں، یہ فرض ہے، یہ جہاد ایمان کا تقاضہ ہے اور اس میں کوتاہی اور سستی قابل مؤاخذہ جرم ہے، إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا[2]، پھر یہ سفر مختصر اور آسان بھی نہیں، یہ ظالموں کے مقابل کھڑا ہونا ہے اور ان کی سرکش قوت کا مقابلہ کر کے انہیں اللہ کے سامنے جھکانے کا معرکہ ہے۔ یہ سفر ایک طرح حق کی گواہی ہے، یہ حق پر ہونے اور حق کی طرف بلانے کی دعوت بھی ہے اور اس حق کی خاطر دنیا بھر سے جنگ و جہاد بھی ہے۔ اس میں ہر ہر پڑاؤ اور ہر ہر قدم پر اللہ کی ناراضگی سے بچنے کا مطالبہ اور ساتھ ہی اپنے مبادی اور اصولوں پر کسی بھی حال میں سمجھوتہ نہ کرنے اور ان کی خاطر ہر طرح کے مصائب و آلام سہنے کا تقاضہ ہے۔ یہ ثابت قدمی بھی تب ہی مل سکتی ہے جب خود اپنے قلب و ذہن میں یہ یقین ہو اور اپنے ہم سفر ساتھیوں کو بھی اس کی تلقین ہو کہ اطاعتِ الٰہی کا یہ محاذ، اس پر ڈٹنا، اس کی خاطر یہ طویل سفر کرنا اور اس سفر کا پھر پیارا انجام، یہ سب حق ہے، سب باعثِ فوز و فلاح ہے، جبکہ اس کے برعکس غیر اللہ کی اطاعت اور اس کی عظمت قبول کرنا، چاہے اس کے بدلے میں عیشِ دنیا کے چند لقمے منہ میں کیوں نہ آ جائیں، تب بھی یہ تباہی و بربادی ہے۔ لہٰذا یہ ایک راستہ عین حق ہے اور یہ دوسرا عین باطل ہے۔ یہ حق اور

---

[1] اشارہ اس آیت مبارکہ کی طرف ہے: طٰہٰ: ۱۲۴؛ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ "اور جو میری نصیحت سے منہ موڑے گا تو اس کو بڑی تنگ زندگی ملے گی، اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے"۔

[2] التوبہ: ۳۹: "اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک سزا دے گا اور تمہارے علاوہ دوسرے لوگ لے آئے گا اور تم ان کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

باطل دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، رحمان و شیطان کے یہ راستے ایک دوسرے سے یکسر جدا ہیں، آغاز میں بھی، سفر میں بھی اور انجام و مآل کے لحاظ سے بھی۔ حق اور باطل کا ملاپ، یعنی اللہ کی بندگی کا دعویٰ اور ساتھ ہی غیر اللہ کی عظمت و اقتدار کا اعتراف، ناممکن ہے، ایک کا اقرار دوسرے کا انکار ہے۔ اس دین میں تو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی بندگی کی طرف ایک قدم بھی نہیں اٹھایا جاسکتا ہے جب تک کہ غیر اللہ سے انکار نہ ہو، یہاں اسلام میں داخل ہونے کا کلمہ اپنا آغاز ہی غیر اللہ کے لیے 'لا' (نہیں) سے کرتا ہے، کسی کی بندگی و اطاعت نہیں، کسی کی عظمت نہیں، کسی کے سامنے جھکنا نہیں، "الا اللہ" مگر ایک اللہ کے سامنے جھکنا ہے، ایک اللہ کی عبادت، اس کی حاکمیت، صرف اس کا قانون اور خاص اس کی شریعت بس قابل قبول ہے۔ اللہ کے مقابل فرد ہو، معاشرہ ہو، یا وطن، نظامِ حکومت اور ادارہ، جو بھی شریعتِ الٰہی کے مقابل اپنی اطاعت کراتا ہو، وہ طاغوت ہے، سرکش ہے، بندگی کی اپنی حد سے تجاوز کرنے والا ہے اور ایسے طاغوت سے انکار، اور بس ایک اللہ کی اطاعت کا اقرار ایمان کا اولین تقاضہ ہے اور یہی 'لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ' کا معنی ہے، سبحان اللہ، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے طاغوت کی کیا اچھی تعریف کی ہے، فرماتے ہیں: "ہر وہ بندہ جو اپنی عبدیت کی حد سے تجاوز کرکے اللہ کے مقابل اپنی بندگی، اپنی اطاعت اور اپنی پیروی کراتا ہو، وہ طاغوت ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے مقابل جس سے فیصلے کرائے جاتے ہوں، جس کی اللہ کے سوا بندگی کی جاتی ہو، جس کی اللہ کی شریعت سے دلیل کے بغیر پیروی کرائی جاتی ہو اور جس کے اُن احکامات کی تعمیل ہوتی ہو جو اللہ کی اطاعت میں نہ ہو...... وہ طاغوت ہے"[1]...... اور سبحان اللہ ایسے طواغیت کا انکار اور ایک اللہ پر ایمان ہی نجات و فلاح کی پہلی سیڑھی بتائی گئی ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے: فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ[2]۔

بہار ہو کہ خزاں، لا الٰہ الا اللہ

انفرادی زندگی میں اللہ کی بندگی اور اجتماعی میں پھر بندوں کو اللہ کے ساتھ جوڑنے اور اس کے دین کو اس کی زمین پر غالب کرنے کا یہ عظیم سفر اپنے اول قدم سے ہی توحیدِ خالص کا تقاضہ کرتا ہے۔ انتہائی کمزوری اور مغلوبیت میں بھی یہ دین اپنے داعی کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ اللہ کے ساتھ ساتھ نعوذ باللہ کسی طاغوت کے حقِ بندگی کا بھی اعتراف ہو۔ یہ داعی کے لیے ہر حالت اور ہر موقع پر بس یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ وہ اللہ ہی کے لیے اپنی اطاعت کو خالص رکھے قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ[3] ضعف کی حالت ہو، مدد کے لیے کوئی لشکر و طاقت نہ ہوں، جبکہ مقابل میں دشمن انتہائی قوی اور وحشی ہی کیوں نہ ہو، تب بھی دعوت میں اطاعت و عبادت کا حق صرف اللہ ہی کے لیے خاص کرنا لازمی ہے۔ آپ ﷺ نے مکہ میں انتہائی ضعف کے ساتھ جب دعوت کا آغاز کیا تو تب بھی بس غیر اللہ کے انکار اور اطاعت الٰہی ہی کو مرکزی نکتۂ دعوت بنایا۔ پھر مدینے میں کسی حد تک طاقت و قوت کی حالت میں بھی خالص اللہ ہی کی طرف بلایا۔ دونوں حالتوں میں دیگر شرعی احکامات کے لحاظ سے فرق ضرور تھا مگر دعوت کا بنیادی نکتہ ضعف و طاقت کی ان دونوں حالتوں میں بالکل ایک تھا اور یہ 'لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ' تھا۔ عُسر و یُسر، وسعت و تنگی اور قوت و ضعف کے سب احوال میں اس دعوت کی بنیاد ہی یہ تھی کہ عبادت و اطاعت کا نظام فقط اللہ ہی کے لیے خالص ہو اور اللہ کے سوا کسی بھی اور کو حقِ بندگی نہ دیا جائے۔

باطل دوئی پسند ہے، حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

آج ضروری ہے کہ دعوت و جہاد کا ہمارا یہ قافلہ بھی اپنے سامنے یہی اسوۂ رسول ﷺ رکھے۔ ہم چاہے قوت میں ہوں یا ضعف میں، باطل کے دانت کھٹے کرنے کی ہم میں طاقت ہو اور ہتھیار لے کر اللہ کے دشمنوں پر ہم ضربیں لگا رہے ہوں یا ہم کسی جگہ کمزور ہوں اور ابھی مسلح مزاحمت کی استعداد اپنے اندر نہیں پاتے ہوں، ہماری تائید و نصرت کرنے والوں کی کثرت ہو یا ان کی قلت کا ہمیں سامنا ہو...... ہم مسلسل فتوحات حاصل کر رہے ہوں یا آزمائش و ابتلا سے ہمارا گزر ہو، ہر طرح کے ایسے احوال میں بہر صورت یہ لازم ہے کہ ہم اپنے بنیادی شرعی اصولوں پر کبھی بھی کوئی سمجھوتہ نہ کریں۔ ہمارے دعوتی مصالح یا سیاستِ شرعیہ بنیادی شرعی اصولوں سے آزاد نہیں بلکہ ہمیشہ ان کے تابع ہوں۔ لہٰذا یہ سوالات کہ مسلح قتال کہاں ہو اور کہاں نہ ہو؟ کس جگہ ہتھیار اٹھا کر میدانِ قتال میں ہم اتریں اور کہاں اب انتظار کریں اور دعوت و اعداد ہی کے فرض کی طرف بس ہماری توجہ ہو؟ ان امور کا جواب تحریکِ جہاد کی استطاعت اور دعوت و جہاد کے مصالح سے مربوط ہے۔ سیاستِ شرعیہ کا تقاضہ ہے کہ کسی ایک جگہ اگر قتال جاری ہو اور دوسری جگہ یہ قتال تحریک جہاد کے لیے مفید نہ ہو تو اس دوسری جگہ پر یہ قتال بیشک نہ ہو اور وہاں بس اس وقت صرف دعوت و اعداد کے فرض پر ہی توجہ دی جائے، ایسا کرنا عین شرعی ہے، یہ حکمت عملی کا دائرہ ہے اور اس کے نتیجے میں ہر جگہ دعوت و جہاد کی تحریک کو ان شاء اللہ تقویت و فروغ ملے گا؛ مگر ایسا قطعاً اور قطعاً صحیح نہیں ہوگا کہ جہاں قتال میں کمزوری کا سامنا ہو، وہاں دعوت و جہاد کے شرعی مبادی بھی تبدیل ہونا شروع

---

[1] "وَالطَّاغُوتُ: كُلُّ مَا تَجَاوَزَ بِهِ الْعَبْدُ حَدَّهُ مِنْ مَعْبُودٍ أَوْ مَتْبُوعٍ أَوْ مُطَاعٍ؛ فَطَاغُوتُ كُلِّ قَوْمٍ مِنْ يَتَحَاكَمُونَ إلَيْهِ غَيْرَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، أَوْ يَعْبُدُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ، أَوْ يَتْبَعُونَهُ عَلَى غَيْرِ بَصِيرَةٍ مِنْ اللَّهِ، أَوْ يُطِيعُونَهُ فِيمَا لَا يَعْلَمُونَ أَنَّهُ طَاعَةٌ لِلَّهِ؛ "(إعلام الموقعين عن رب العالمين لإبن القيم)

[2] البقرہ:۲۵۶؛ "تو جو کوئی بھی طاغوت کا انکار کرے اور پھر اللہ پر ایمان لائے تو اس نے بہت مضبوط حلقہ تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔"

[3] الزمر:۱۱؛ "کہہ دو کہ مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ میری بندگی خالص اسی کے لیے ہو۔"

ہو جائیں، ایسا کرنا دعوت و جہاد کے لیے موت اور نظام طاغوت کی زندگی ہے کہ جس جگہ وقتی طور پر حکمت عملی کی رو سے قتال مفید نظر نہ آئے، تو وہاں پھر شرعی طور پر بھی قتال کو ناجائز ثابت کرنے کے لیے دلائل ڈھونڈنا شروع کیے جائیں اور وہاں کی حکومت و حکمرانوں کی اطاعت تک کو بھی ایک طرح سے جائز قرار دینے کی کوشش کی جائے۔ ایسا اگر ہو جاتا ہے تو یہ کسی جگہ وقتی طور پر قتال کرنے اور نہ کرنے کا سوال نہیں رہتا، بلکہ یہ ہمیشہ کے لیے دعوت و جہاد کو اس کی بنیادوں تک سے ختم کرنے کے مترادف ہو جاتا ہے۔

امتِ مسلمہ پر مسلط حکمران اہل ایمان سے غیر اللہ کے وضع کردہ قوانین کی اطاعت کرواتے ہیں، اسلام کے خلاف جنگ میں یہ کفارِ عالم کے شانہ بہ شانہ لڑتے ہیں اور اہل ایمان کا خون بہاتے ہیں۔ ایسے کفرِ بواح کے مرتکب طواغیت کے ساتھ نفرت و عداوت رکھنا اور انہیں منصبِ اقتدار سے ہٹانے کے لیے جہاد و قتال کے میادین میں اترنا فقہائے امت نے فرض قرار دیا ہے اور یہ نکتہ دنیا بھر میں جاری تحریکِ جہاد کے مبادی میں سے ایک اہم شرعی اصول ہے۔ اسی طرح جمہوریت کا کفر اور اس کے ذریعے اسلامی نظام لانے کی سعیٔ لاحاصل کو بھی غیر شرعی سمجھنا و سمجھانا، اس کی مخالفت کو اپنی دعوت کے بنیادی نکتہ کے طور پر رکھنا اور اس کے برعکس دعوت، اعداد اور قتال کے شرعی راستہ پر زور دینا، یہ بھی تحریک جہاد کا ایک دوسرا اہم اصول ہے اور اس موضوع پر علمائے جہاد اور امت کے دیگر علمائے کرام نے بیش قیمت دعوتی و علمی کام بھی کیا ہے اور خود امت کی پچھلی ستّر اسّی سالہ تاریخ نے بھی اس موقف کے صائب ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اب مصلحتِ جہاد اگر کسی طاغوتی حکمران کے خلاف قتال کی اجازت نہیں دیتی ہو تو وہاں قتال بیشک نہ ہو، مگر اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں ہے کہ وہاں دعوت و جہاد کے اہم مبادی میں بھی تبدیلی لائی جائے، وہاں کے طاغوتی حکمرانوں کو شرعی اولوالامر کا مرتبہ بھی دینا شروع کیا جائے، ان کے خلاف جہاد و قتال کے جواز تک کی بھی نفی ہو اور وہاں مسلط جمہوری کفریہ نظام میں شرکت کو جائز قرار دینے کے لیے بھی دلائل ڈھونڈنا شروع کر دیے جائیں۔ دشمنوں کی تعداد کم کرنا اور کسی ایک اہم دشمن کے خلاف توجہ مرکوز کرنا موافق شرع بات ہے اور یہ عین مطلوب بھی ہے مگر اسلام دشمن طواغیت کو مسلمان سمجھنا و سمجھانا، انہیں شرعی اولوالامر کے برابر حقوق دینا، ان کے خلاف جہاد و قتال کو ناجائز قرار دینا اور دجل و کذب پر مبنی جمہوریت میں شرکت کو کسی طرح جائز قرار دینا یا اس کے ساتھ مصالحانہ اور نرم رویہ اپنانا دوسری بات ہے اور یہ دوسری بات دعوت و جہاد کے لیے ہمیشہ زہر قاتل رہی ہے۔ تحریک جہاد کی تاریخ شاہد ہے کہ جہادی تحریکوں کو افراط اور غلو کے بعد اس دوسرے طرزِ عمل نے بھی ہمیشہ خودکشی سے ہم کنار کیا ہے اور اسی کے سبب قربانیوں کی لازوال تاریخ بھی رائیگاں چلی گئی ہے۔ افغانستان کی مبارک جہادی تاریخ شاہد ہے کہ جس نے دوسرا رویہ اختیار کیا، ملک کے طاغوتی حکمران کے متعلق اپنا رویہ نرم کیا اور جمہوریت میں شرکت کو جائز قرار دیا (گلبدین حکمت یار اور دیگر) وہ گھٹنوں کے بل گر گئے، نصرتِ دین کی توفیق ان سے چھن گئی اور ان کی روس کے خلاف 'جہادی' تاریخ بھی کسی کام نہیں آ سکی۔ جبکہ دوسری طرف، جس نے اول الذکر مطلوب طریقۂ کار پر عمل کیا، اپنے شرعی مبادی پر کوئی مفاہمت نہیں دکھائی، غاصب امریکہ کے خلاف جہاد کے ساتھ ساتھ جمہوریت کے ساتھ بھی عداوت کی، مقامی طاغوتی حکومت کے خلاف جہاد و قتال کی زبان کو ہی مطلوبِ شریعت جانا، وہ امارت اسلامی کے مجاہدین کی صورت میں الحمد للہ کامیاب ہوئے۔

اب مصلحتِ جہاد اگر کسی طاغوتی حکمران کے خلاف قتال کی اجازت نہیں دیتی ہو تو وہاں قتال بیشک نہ ہو، مگر اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں ہے کہ وہاں دعوت و جہاد کے اہم مبادی میں بھی تبدیلی لائی جائے، وہاں کے طاغوتی حکمرانوں کو شرعی اولوالامر کا مرتبہ بھی دینا شروع کیا جائے، ان کے خلاف جہاد و قتال کے جواز تک کی بھی نفی ہو اور وہاں مسلط جمہوری کفریہ نظام میں شرکت کو جائز قرار دینے کے لیے بھی دلائل ڈھونڈنا شروع کر دیے جائیں۔ دشمنوں کی تعداد کم کرنا اور کسی ایک اہم دشمن کے خلاف توجہ مرکوز کرنا موافق شرع بات ہے اور یہ عین مطلوب بھی ہے مگر اسلام دشمن طواغیت کو مسلمان سمجھنا و سمجھانا، انہیں شرعی اولوالامر کے برابر حقوق دینا، ان کے خلاف جہاد و قتال کو ناجائز قرار دینا اور دجل و کذب پر مبنی جمہوریت میں شرکت کو کسی طرح جائز قرار دینا یا اس کے ساتھ مصالحانہ اور نرم رویہ اپنانا دوسری بات ہے اور یہ دوسری بات دعوت و جہاد کے لیے ہمیشہ زہر قاتل رہی ہے۔

لہٰذا ہمارے لیے جہاد کی حکمت عملی اور جہاد کے اہم شرعی مبادی میں فرق کرنا ضروری ہے۔ حکمت عملی تبدیل ہوتی رہتی ہے، دعوتی اور اعلامی زبان بھی خاص دائرے میں (نہ کہ بلاحدود) ایک سی نہیں رہتی، اصطلاحات بھی بدلتی رہتی ہیں جبکہ شرعی مبادی ہمیشہ ایک رہتے ہیں اور معنی و مقصد میں کبھی کوئی جوہری تبدیلی نہیں آتی۔ لہٰذا تنگی ہو یا وسعت، بہار ہو کہ خزاں دعوت و جہاد کے شرعی مبادی پر کسی طرح کی لچک نہ دکھانا، ان پر کسی قسم کا سمجھوتہ نہ کرنا اور صبر و ثبات دکھانا جبکہ ساتھ ہی ساتھ حکمت عملی اور اسلوبِ دعوت کے میدان میں خوب سے خوب تر کی کوشش جاری رکھنا شرعی طور پر مطلوب بھی ہے اور تحریکِ جہاد کے لیے کامیابی کی ضمانت بھی۔ دعوت و جہاد کے شرعی مبادی کا ہمیشہ تقاضہ رہا ہے کہ افراط سے بھی بچا جائے، غلو پر مبنی افکار و اعمال سے بھی محفوظ ہوا جائے اور ساتھ ہی ساتھ دوسری طرف یہ بھی ضروری ہے کہ تفریط کے گڑھے میں بھی جہادی قربانیوں کو گرنے نہ دیا جائے اور تحریک جہاد کو اپنی شرعی منزل، یعنی غلبۂ دین و نفاذِ شریعت تک جاری و ساری رکھا جائے۔ اللہ دعوت و جہاد کی اس عبادت میں ہم سب کی رہنمائی فرمائے اور ہر قدم پر اپنی مدد و نصرت سے بھی نوازے، آمین۔

معاونت یا مزاحمت؟

نظام طاغوت کے ساتھ مفاہمت نہیں، عداوت اور اس کے ساتھ مصالحت نہیں، بلکہ اس کے خلاف حسب استطاعت مقاومت مطلوب ہے۔ اب اس مقاومت کے دوران اگر کوئی داعی و مجاہد گرفتار ہو جائے اور طاغوتی ادارے اس سے تفتیش کریں، تو اس کو کیا جہاد و مجاہدین کے راز دشمن کے حوالے کر دینے چاہییں یا ان پر پردہ ڈالنا چاہیے؟ یہ وہ نکتہ ہے، جو اصحاب الاخدود والی حدیث میں درج ذیل حصہ کے تحت شیخ ابو قتادہ نے بیان کیا ہے۔ حدیث میں آگے نقل ہے کہ: ''جب وہ لڑکا جادوگر کے پاس آتا تو وہ جادوگر اس لڑکے کو (دیر سے آنے کی وجہ سے) مارتا۔ اس لڑکے نے اس کی شکایت راہب سے کی تو راہب نے کہا کہ اگر تجھے جادوگر سے ڈر ہو تو کہہ دیا کر کہ مجھے میرے گھر والوں نے روک لیا تھا اور جب تجھے گھر والوں سے ڈر ہو تو تو کہہ دیا کر کہ مجھے جادوگر نے روک لیا تھا''۔ شیخ ابو قتادہ اس کے ضمن میں کہتے ہیں کہ قیدی مجاہد کو قید میں بھی حسبِ استطاعت مقاومت کرنی چاہیے اور اُسے سچ کہنے کے خیال سے ایسی کوئی بات دشمنانِ دین کو نہیں بتانا چاہیے کہ جس کے سبب اُسے، جہاد اور مجاہدین کو نقصان ہو۔ شیخ نے پھر دو احادیث نقل کی ہیں، ایک: "لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ، فَيَنْمِي خَيْرًا، أَوْ يَقُولُ خَيْرًا"[1] ''وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے بیچ صلح کراتا ہے اور (اس کی خاطر) خیر کی بات آگے بڑھاتا ہے یا خیر کی بات کرتا ہے''، امام مسلم اس حدیث میں مزید اضافہ نقل کرتے ہیں: "وَلَمْ أَسْمَعْ يُرَخَّصُ فِي شَيْءٍ مِمَّا يَقُولُ النَّاسُ كَذِبٌ إِلاَّ فِي ثَلَاثٍ : الْحَرْبُ ، وَالإِصْلَاحُ بَيْنَ النَّاسِ، وَحَدِيثُ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ وَحَدِيثُ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا"۔ راوی نقل کرتا ہے کہ ''میں نے آپ ﷺ کو، جس کو لوگ جھوٹ کہتے ہیں، اس متعلق صرف تین موقعوں پر رخصت دیتے ہوئے سنا ہے، ایک جنگ، دوسرا لوگوں کے بیچ صلح اور تیسرا شوہر کو بیوی کی اور بیوی کو شوہر کی (راضی کرنے کے لیے) بات''......اس دوسری حدیث: "الْحَرْبُ خَدْعَةٌ" ''جنگ دھوکہ ہے'' کے تحت مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''جنگ دھوکہ ہے'' سے مراد یہ نہیں ہے کہ جنگ میں صریح جھوٹ بولا جائے، بلکہ اس سے مراد اس طرح کی ذو معنی بات اور عمل ہے کہ جس سے دشمن دھوکہ میں پڑ جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جنگ میں 'توریہ' کرنا، یعنی ذو معنی بات کرنا جس سے مخاطب دوسرا مطلب لے، سب علماء کے ہاں بالاتفاق مباح ہے۔ جہاں تک صریح جھوٹ کا معاملہ ہے تو صاحب رد المختار اس متعلق لکھتے ہیں: وَاعْلَمْ أَنَّ الْكَذِبَ قَدْ يُبَاحُ وَقَدْ يَجِبُ وَالضَّابِطُ فِيهِ كَمَا فِي تَبْيِينِ الْمَحَارِمِ وَغَيْرِهِ عَنْ الْإِحْيَاءِ أَنَّ كُلَّ مَقْصُودٍ مَحْمُودٍ يُمْكِنُ التَّوَصُّلُ إلَيْهِ بِالصِّدْقِ وَالْكَذِبِ جَمِيعًا، فَالْكَذِبُ فِيهِ حَرَامٌ، وَإِنْ أَمْكَنَ التَّوَصُّلُ إلَيْهِ بِالْكَذِبِ وَحْدَهُ فَمُبَاحٌ إنْ أُبِيحَ تَحْصِيلُ ذَلِكَ الْمَقْصُودِ، وَوَاجِبٌ إنْ وَجَبَ تَحْصِيلُهُ كَمَا لَوْ رَأَى مَعْصُومًا اخْتَفَى مِنْ ظَالِمٍ يُرِيدُ قَتْلَهُ أَوْ إيذَاءَهُ فَالْكَذِبُ هُنَا وَاجِبٌ وَكَذَا لَوْ سَأَلَهُ عَنْ وَدِيعَةٍ يُرِيدُ أَخْذَهَا يَجِبُ إنْكَارُهَا، وَمَهْمَا كَانَ لَا يَتِمُّ مَقْصُودُ حَرْبٍ أَوْ إصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ أَوْ اسْتِمَالَةُ قَلْبِ الْمَجْنِيِّ عَلَيْهِ إلَّا بِالْكَذِبِ فَيُبَاحُ، ''اور جان لو کہ جھوٹ بولنا کبھی مباح بھی ہو سکتا ہے اور کبھی واجب بھی، اور اس کا ضابطہ وہی ہے جو تبیین المحارم وغیرہ نے احیا سے نقل کیا ہے کہ ہر وہ محمود (شرعی طور پر قابل ستائش) مقصد جسے سچ بول کر بھی حاصل کرنا ممکن ہو اور جھوٹ بول کر بھی تو اس کی خاطر جھوٹ بولنا حرام ہے۔ اور اگر اس مقصد کا حصول محض جھوٹ ہی کے ذریعے ممکن ہو تو (اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں): اگر تو اس مقصد کو حاصل کرنا مباح ہو تو (اس کی خاطر) جھوٹ بولنا بھی مباح ہو جاتا ہے اور اگر اس کا حصول واجب ہو تو (اس کی خاطر) جھوٹ بولنا بھی واجب ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ دیکھے کہ ایک معصوم فرد کسی ظالم سے چھپ رہا ہے جو اسے قتل کرنے یا ایذاء پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے تو یہاں (اس شخص کو بچانے کے لیے) جھوٹ بولنا واجب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر (وہ ظالم) اس سے کسی امانت کے بارے میں پوچھے جسے وہ زبردستی چھیننا چاہ رہا ہو تو یہاں بھی (جھوٹ بول کر) انکار کر دینا واجب ہے۔ اور جہاں کہیں بھی ہدفِ جنگ کا حصول یا باہمی صلح یا کسی مظلوم فرد کی تالیفِ قلب جھوٹ بولے بغیر ممکن نہ ہو تو وہاں جھوٹ بولنا مباح ہو جاتا ہے''۔[2]

بیشتر علمائے احناف کے نزدیک جھوٹ کی حرمت کے پیش نظر ان سب مقامات پر جب تک 'توریہ' سے مقصد حاصل ہو سکتا ہو، صریح جھوٹ بولنا جائز نہیں۔ حاشیہ رد المختار میں درج ہے: حَيْثُ أَمْكَنَ إحْيَاءُ الْحَقِّ بِالتَّعْرِيضِ، وَهُوَ أَنْ يُرِيدَ الْمُتَكَلِّمُ مَا هُوَ خِلَافُ الْمُتَبَادَرِ مِنْ كَلَامِهِ كَانَ أَوْلَى مِنْ الْكَذِبِ الصَّرِيحِ، ''جہاں بھی اپنے (غصب شدہ) حق کو توریہ کے ذریعے حاصل کرنا ممکن ہو، یعنی ایسی بات (کے ذریعے) جس سے بات کرنے والا شخص اس کے ظاہری معنوں کے برخلاف کوئی مفہوم لے رہا ہو، تو وہاں صریح جھوٹ کی بجائے توریہ کرنا ہی بہتر ہو گا''۔

یہ حلقہ یہاں پر ختم کرتے ہیں، اللہ ہماری غلطیاں کوتاہیاں معاف فرمائے، ہماری رہنمائی فرمائے، سب مسائع میں برکت ڈالے اور ہمیں نصرت دین کی اس خدمتِ دعوت و جہاد میں قبول فرمائے، آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین!

---

[1] متفق علیہ

[2] ردّالمختار: جزء ۲۷، ص ۱۱۳

قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِي الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ

''کہو کہ: کیا وہ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے سب برابر ہیں؟''

(تعلیم، حکمِ تعلیم اور نظامِ تعلیم پر بحث کرتا ایک مقالہ)

مولانا ڈاکٹر عبید الرحمٰن المرابط حفظہ اللہ

باب پنجم: دینی تعلیم کی اقسام

تین قسم کے دینی نصابِ تعلیم ہیں:

مکمل علمی استعداد کے لیے

وہ نصاب جس سے علمی استعداد مکمل ہو۔ جیسے درس نظامی جو دار العلوم دیوبند اور تمام ہندوستان اور پاکستان کے مدارس دینیہ عربیہ میں رائج ہے۔

تعلیم دین کا ہدف اور نصاب

قبل اس کے کہ ہم نصابِ تعلیم پر غور کریں ہمیں یہ سوچنا اور غور کرنا ہے کہ سرور عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض و غایت کیا ہے تاکہ اس غرض کو پیش نظر رکھ کر نصاب تعلیم بنایا جائے۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِيۡ بَعَثَ فِي الۡاُمِّيّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِيۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۝ (سورۃ الجمعۃ: ۲)

''وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانش مندی سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔''

یعنی کہ بعثتِ نبوی کے مقاصد یہ ہیں:

1. تلاوت قرآن۔ جس میں حفظ قرآن اور تجوید قرآن دونوں آ گئے۔
2. تعلیم کتاب و حکمت سے تعلیم قرآن و حدیث مراد ہے۔ اور تعلیم کے معنی تفہیم اور تلقین یعنی مطلب اور معنی سمجھانے کے ہیں۔ اس میں فن تفسیر و حدیث آ گیا۔
3. [تزکیہ نفس جس میں اخلاق اور آداب اور زہد و تقوی کی تعلیم شامل ہے۔]
4. تبلیغ دین۔ اس میں شعبۂ تبلیغ اور اہل باطل سے تقریری اور تحریری اور وعظ اور تلقین، مناظرہ اور مجادلہ بھی آ گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ ازالۃ الخفاء میں تحریر فرماتے ہیں: کہ جو امور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت نبی و رسول انجام دیے وہ یہ ہیں: اقامت دین، استحکام ملت، دشمنان دین کے خلاف جہاد، شرعی حدود کا نفاذ، اقامت ارکان اسلام، احیائے علوم دینیہ جیسے کہ قضاء و افتاء وغیرہ ہے۔ ان میں بعض مقاصد کی تکمیل سلاطین اور امراء سے متعلق ہے اور بعض علماء اور صلحاء سے۔ مثلاً تمکین دین، اعلائے کلمۃ اللہ، دشمنان دین کے خلاف جہاد و قتال، کافروں کے تسلط سے مسلم ممالک کی حفاظت، اقامت حدود شرعیہ، تنفیذ احکام الٰہیہ یہ سب حکمرانوں اور امراء کا کام ہے جو ان پر فرض ہے۔ جبکہ احیاء علوم دینیہ، تعلیم کتاب و سنت، افتاء اور قضاء، وعظ و تلقین اور مسلمانوں کی دینی تربیت یہ علماء کا فرض ہے۔

نصابِ تعلیم ایسا ہونا چاہیے کہ جس میں بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اغراض و مقاصد پورے ہو سکیں۔ یعنی کتاب و سنت کی صحیح تعلیم دے سکیں، قضاء اور افتاء کے فرائض انجام دے سکیں، مسلمانوں کو وعظ اور تلقین کر سکیں اور اہل باطل کو تبلیغ اور ان سے مناظرہ کر سکیں جو کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا اولین فرض رہا ہے۔

مولانا بنوری رحمہ اللہ یہی بات دوسرے انداز میں فرماتے ہیں کہ:

علم دین حاصل کرنے کا مقصد: 1. خود اپنی تکمیل یعنی صاحب کمال بننا۔ اپنی زندگی کو صلاح و تقویٰ سے آراستہ کرنا۔ تاکہ فلاح و سعادت دارین سے خود بہرہ ور ہو سکے۔ 2. دوسروں کی خدمت کرنا اور ان کو سعادت دارین سے ہم کنار کرنا۔

نصابِ تعلیم

مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تعلیم دین کے نصاب میں امور ذیل کا ہونا ضروری ہے:

1. نصاب میں ایسی کتابیں داخل کی جائیں کہ ان کے مصنفین کا علم اور تقویٰ امت میں مسلّم ہو تاکہ ان کی برکات بھی تعلیم میں معین اور مددگار ہوں۔
2. کتابیں مختصر اور جامع ہوں جس سے ٹھوس استعداد پیدا ہو۔
3. ایسی سہل اور سلیس کتابیں نصاب میں نہ رکھی جائیں کہ جن کو طلبہ خود مطالعہ سے حل کر سکیں۔ ایسی کتابوں سے نہ تو استعداد پیدا ہوتی ہے اور نہ طلبہ ایسے اسباق میں حاضری کا التزام کرتے ہیں۔ طلبہ اپنے آپ کو استاد سے مستغنی سمجھتے ہیں۔

ترتیب تعلیم

علماء نے یہ خیال کیا ہے کہ جسے دارِ آخرت کی فکر ہو تو وہ تھوڑی مدت میں بقدر ضرورت علمِ آخرت حاصل کر لے۔ مسلمان کا اصل مقصود آخرت ہے اور کافر سے ہمیں بحث نہیں۔ پھر

جس کو دنیاوی علم کی ضرورت ہو وہ اس کو حاصل کرے۔ مسلمان کے لیے دارِ باقی کا علم حاصل کرنا دارِ فانی کے علم سے مقدم ہے، امیر و فقیر سب کو وہیں جانا ہے۔

مدت تعلیم

تعلیم کی مدت نہ تو اتنی طویل ہو کہ جس سے متعلّم بھی گھبرا جائے اور والدین پر مصارف تعلیم کا بار طویل اور ثقیل ہو جائے، اور نہ مدت اتنی قلیل ہو کہ تعلیم برائے نام ہو۔ سند اور ڈگری تو مل جائے مگر قابلیت نہ ہو۔ متوسط اور معتدل آٹھ سال ہیں، اور دو سال درجہ تکمیل کے لیے مناسب ہیں۔

علماء دین کے لیے کسب معاش

مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

[اپنے فرائض منصبی نبھانے کے]ساتھ ساتھ اگر کوئی عالم دین اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریات زندگی کے لیے محتاج کسب معاش ہے تو اسے معاش کے ذرائع اور صحیح وسائل اختیار کرنے میں کوئی عار نہیں ہونا چاہیے۔ کیا اسلام کے انتہائی مجد و عروج کے دور میں کبار امت نے معاشی ذرائع اختیار نہیں کیے؟ تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

بقدر ضرورت علمی استعداد کے لیے

مولانا کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

وہ جس سے بقدر ضرورت علوم دینیہ کی استعداد ہو جائے اس کے لیے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا تجویز کردہ نصاب مناسب ہے جو ضمان التکمیل في زمان التعجیل کے نام سے موسوم ہے۔ جس میں بقدر ضرورت صرف اور نحو اور بلاغت کی اور منطق کی ابتدائی کتابیں ہیں۔ مشکوۃ اور جلالین اور ہدایہ کی کتابیں جن کے پڑھنے سے انسان کو عربی کی متوسط استعداد ہو جاتی ہے۔ جس کو زیادہ فرصت نہ ہو وہ تین سال میں یہ کتابیں پڑھ کر اس قابل ہو جاتا ہے کہ ترجمہ اور شرح کی مدد سے قرآن کریم اور حدیث کو سمجھ سکے گا۔

عام مسلمانوں کے لیے

عالم بننا اور مولوی بننا فرض اور واجب نہیں۔ البتہ دین اسلام کے عقائد اور اعمال ضروریہ کا جاننا مسلمان پر فرض اور لازم ہے۔ تاکہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر سکے، اور اتنا علم اردو زبان میں جو دین کی کتابوں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کو ان کتابوں کے پڑھنے سے ہرگز ہرگز کوتاہی نہ کرنی چاہیے۔ جس شخص کو دین کے عقائد اور اعمال ضروریہ کا علم نہ ہوا تو وہ مسلمان ہی کیا ہوا!!

عام مسلمانوں اور کالج اور اسکولوں کے لیے ایسا نصاب ضروری ہے جن سے عقائد اسلامیہ اور اعمال ضروریہ کا علم ہو جائے۔ اس کے لیے 'تعلیم الاسلام' مصنفہ مفتی کفایت اللہؒ چاروں حصے اور 'تعلیم الدین' مصنفہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ اور بہشتی زیور کافی ہے۔ نیز 'قیامت نامہ' اردو مصنفہ حضرت شاہ رفیع الدینؒ اور تواریخ حبیب اللہ اور خلفاء راشدین کے حالات میں سے کسی اہل سنت کے عالم کی تصنیف پڑھ لی جائے۔

مگر شرط یہ ہے کہ یہ کتابیں کسی استاد سے سبقاً سبقاً پڑھی جائیں۔ خود مطالعہ کافی نہیں۔ اگر کوئی شخص پڑھا لکھا ہے تو اس کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ یہ کتابیں کسی مستند عالم کو ایک مرتبہ حرفاً حرفاً سنا دے تاکہ یہ اطمینان ہو جائے کہ ان کتابوں کا مضمون صحیح سمجھ گیا ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو وہ اردو حساب اور اردو اقلیدس خود مطالعے سے نہیں سمجھ سکتا، جب تک باقاعدہ کسی استاد سے نہ پڑھے۔ اردو میں ہو جانے سے زبان کی دقت تو نہ رہے گی مگر علم اور فن کی دقت بحالہ رہے گی، جو استاد ہی سے حل ہو گی۔ کوئی شخص اردو کا کتنا ہی فاضل اور ادیب کیوں نہ ہو مگر طبِ یونانی اور ڈاکٹری کا علم محض اردو تراجم کے مطالعے سے حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی شخص بغیر کسی درس گاہ میں پڑھے ہوئے طب اور ڈاکٹری کے تراجم دیکھ کر لوگوں کا معالجہ شروع کر دے تو حکومت کی طرف سے اس پر مقدمہ قائم ہو جائے گا۔ اسی طرح علم دین اور طب روحانی کو سمجھو کہ بغیر استاد سے پڑھے وہ علم نہیں بلکہ وہ جہالت ہے، اور گمراہی کا ذریعہ ہے۔ اللہ پناہ میں رکھے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

ذوق حاضر ہے تو پھر لازم ہے ایمانِ خلیل

قاضی ابو احمد

انسان سہل پسند واقع ہوا ہے، اور بسا اوقات یہ سہل پسندی کاہلی اور پھر فرائض تک سے اغماض برتنے پر منتج ہوتی ہے۔ احادیث میں منقول متعدد دعاؤں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سستی اور کاہلی سے پناہ مانگنا سکھائی ہے۔ مہم جو طبیعت رکھنے والے اول تو کم ہی ہوتے ہیں اور ان قلیل میں سے بھی اقل وہ ہوتے ہیں جن کی مہم جویانہ طبیعت انھیں جویائے حق بنا دیتی ہے۔ اور جو ایک مرتبہ حق کو صحیح معنوں میں پالیتا ہے وہ پھر نچلا نہیں بیٹھتا بلکہ چاہتا ہے کہ جو خیر اسے ملی ہے اس سے کوئی بھی محروم نہ رہ جائے۔ شعوری اسلام قبول کرنے والے اکثر مومنین نے اپنی یہ کیفیت بیان کی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں بلند ترین مقام پر کھڑے ہو کر چلّا چلّا کر اللہ رب العزت کا پیغام دنیا تک پہنچاؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ رب العزت نے نبوت کی عظیم ذمہ داری عطا فرمائی اور اس کے اعلان کا حکم فرمایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ صفا پر چڑھ کر قریش کو پکارا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بنی نوع آدم کی فلاح کا وہ درد اور وہ تڑپ، وہ جاں سوزی کہ اللہ پاک پلٹ پلٹ کر آپ کو تسلی دیتے ہیں کہ اے محمد! آپ اس غم میں کہ لوگ ایمان نہیں لاتے خود کو ہلاک کر ڈالیں گے؛ وہ حرص جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھی کہ لوگ ایمان لے آئیں، آج امت میں قریب از مفقود ہے۔ بعض دیوانے فرزانگی کی حدوں کو پھلانگتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے ہیں اور چلّا چلّا کر اپنے رب کا پیغام، فلاح کا راستہ لوگوں کو بتلا رہے ہیں۔ جب لوگ ان کی بات نہیں سنتے، انہیں دیوانہ کہہ کر گزر جاتے ہیں تو یہ دیوانے جو دراصل فرزانے ہیں، کامیابی اور فلاح کے راستے کو اپنے خونِ جگر سے رنگین کرتے ہیں۔ کبھی آپ نے ریشم کا ننھا سا کیڑا دیکھا ہے؟ کس طرح وہ نازک سی جان اپنے کمزور وجود کے گرد اگرد نفیس، مہین ریشم کا تار لپیٹتا ہے اور پھر ریشم کی وہی بیش قیمت گیند اس کی قبر بن جاتی ہے۔ اس کی زندگی محض چند روز ہوتی ہے جس میں وہ انڈے سے نکل کر کیڑا بن کر ریشم کا تار بناتا ہے اور اپنی پیدائش کا مقصد پورا کرتے ہی تکمیلِ مقصد کا استعارہ بن کر اسی کے بیچ دفن ہو جاتا ہے۔ وہ خود تو دفن ہو جاتا ہے مگر اس کا بنایا ہوا ریشم باقی رہ جاتا ہے اور لوگوں کے لیے نافع ثابت ہوتا ہے۔

مومن کی مثال گیدڑ اور گدھ کی سی نہیں ہے، اس کی مثال آکاس بیل کی سی بھی نہیں ہے، بلکہ اس کی مثال تو کھجور کے درخت اور شہد کی مکھی سی ہے۔ وہ دنیا کو وہ تمام خیر عطا کرتا ہے جو اس کے رب نے اسے آسمانوں کے اوپر سے وحی کے ذریعے عطا کی ہے۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ آج ہم میں سے کتنے مسلمان ایسے ہیں جنھیں حقیقتاً مسلمان کہا جاسکتا ہے اور جو اس خیر سے بخوبی واقف اور اس پر عمل پیرا ہیں جو ہمارے رب نے ہمیں عطا کر رکھی ہے! اسلامی کہلانے والے ممالک میں بسنے والے اور اسلام سے اپنی نسبت کرنے والوں کے حال پر ایک نگاہ ڈالیں، حکمران طبقہ تو ایک طرف، غربا اور مساکین کو، متوسط معاشی طبقے سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کو دیکھیے کہ جن کے یہاں عرصہ تک خاندانی اقدار کے نام پر دین زندہ رہا، تو انسان فقط تاسف سے یہی سوچ کر رہ جاتا ہے کہ یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود!

ایسا ہرگز نہیں ہے کہ مسلمانوں کے دل کلیتاً مردہ ہوگئے ہیں اور ان میں ایمان کی چنگاری تک باقی نہیں بچی؛ کم زور سے کم زور ایمان والا مسلمان بھی اپنے خالق و مالک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل میں رکھتا ہے؛ حبِّ الٰہی اور حبِّ رسول کی اس چنگاری کو بھڑکتے الاؤ میں تبدیل کرنے کے لیے فقط وہ دل سوزی چاہیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغِ دین کا خاصہ ہے۔ داعی کا دل جس قدر سچی تڑپ رکھتا ہوگا، لوگوں میں اسلامی بیداری پیدا کرنے کی اس کی کوششیں اسی قدر رنگ لائیں گی۔ جس قدر تقویٰ، اخلاص اور للّٰہیت سے داعی متّصف ہوگا، اسی قدر اس کے پیروکار ان صفات کا پرتو ہوں گے۔

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنادیتی ہے
وہ اثر رکھتی ہے خاکسترِ پروانہ دل

الحمد للہ! علمائے حق کی رہنمائی اور قیادت میں مجاہدینِ اسلام نے دنیا کے کونے کونے میں جہاد کے علم بلند کر رکھے ہیں اور وہ اللہ کے دین کے داخلی و خارجی دشمنوں سے لڑنے میں مصروف ہیں، لیکن ہر محاذ کو ان مٹھی بھر مجاہدین کے لیے ہی چھوڑ دینا کہاں کا انصاف ہے؟ کیا نظامِ تعلیم و طریقِ تعلّم، لباس و اقدار، آداب و اخلاق اور عبادات و معاملات......سب کی اصلاح کا بیڑا انھی چند کاندھوں پر دھر دینا ہی دانش مندی ہے، یا مذکورہ محاذوں کی جانب دیگر اہلِ علم اور اصحابِ فکر کو بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے؟

ہندوستان کی مسلمان آبادی کی حالت زار کی جانب دیکھیے، برما کے روہنگیا مسلمانوں کی ابتری ملاحظہ کیجیے، پاکستان کے عوام کی مخدوش حالت ذہن میں لائیے، ان مسلمانوں کی اپنے دین سے لاعلمی تو ایک طرف، ان کی معاشی مفلسی اور ظاہری حالت دیکھ کر ہی ان پر ترس آتا ہے۔ انھیں نہ اپنے دین کا پتا ہے اور نہ کچھ دنیا ہی یہ حاصل کر سکے ہیں، نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم!

ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ اصحابِ علم و دانش، درد دل رکھنے والے وہ مسلمان، جنھیں ان کے رب نے معمولی سی بھی کسی صلاحیت سے نوازا ہے، اپنے ارد گرد ایمان کا نور سینوں میں پھیلانے کی کوشش کریں۔ علمائے دین بالخصوص اور وہ لوگ جو کسی بھی وجہ سے میادینِ جہاد سے دور ہیں مگر ان کے سینے میں دلِ زندہ موجود ہے، وہ عام مسلمانوں کو، جنھیں اسلام کے وہ بنیادی احکامات بھی معلوم نہیں جن پر عمل ان کے لیے لازم ہے، ان تعلیمات سے روشناس کرائیں۔ مگر محض اتنا ہی کافی نہیں۔ ہم اپنی زندگیوں میں بھی اور اپنے ارد گرد بھی اسلامی اقدار و روایات کو فروغ دینے کی کوشش کریں، اپنے اندر اور اپنے ارد گرد بسنے والوں کے اندر

اسلام کے سراپا خیر ہونے کا احساس اجاگر کریں، اس کے لیے قربانی دینے کی تڑپ پیدا کریں۔ ہم اپنے معاشرے کو ایک زندہ معاشرہ بنائیں کہ جس کے افراد کو دیکھ کر یہ نظر آئے کہ یہ بکراہت اور بحالتِ مجبوری ہی اس باطل نظام کے ماتحت رہ رہے ہیں اور ان کی نگاہیں اپنی منزل، شریعتِ اسلامی کے نفاذ کی جانب لگی ہوئی ہیں۔ اور یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ جب وہ افراد کہ جنھیں اللہ رب العزت نے سوچنے سمجھنے والا دل و ذہن عطا فرمایا ہے، علمِ دین کے حصول کی جانب رغبت کریں۔ فقط سند کے حصول کے لیے نہیں بلکہ اس دنیا میں اپنی آمد کے مقصد سے آگاہی اور اس پر عمل درآمد کرنے کے لیے اور یہ جاننے کے لیے کہ نفاذِ شریعت کے وہ کون سے ثمرات ہیں جن سے اس دنیا کے تمام باسی محروم ہیں تاکہ نفاذِ شریعت کی ہماری آرزو، اس کے لیے ہماری کوششیں اور جدوجہد فقط کھوکھلے، بے منزل الفاظ کی حد تک محدود نہ ہو بلکہ ہماری نگاہیں شریعت کی سربلندی کے اُس آنے والے دور کا گویا حقیقت میں طواف کر رہی ہوں۔ اور پھر اپنے مسلمان ہونے پر اللہ رب العزت کا شکر اور اس دین سے منسوب ہونے پر فخر کرنے والے یہ افراد پورے معاشرے میں اس علم کو، اس پر عمل کو اور اس کی تڑپ کو منتقل کریں۔ ہمارے معاشرے ذہنی پسماندگی کا شکار نظر آنے کی بجائے مجاہدین کی تربیت گاہیں نظر آئیں؛ جہاں ایک جانب قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں گونج رہی ہوں اور دوسری جانب سورۃ التوبہ و الانفال کی آیات جواں مردوں کے لہو گرما رہی ہوں، دوراتِ شرعیہ اور دروسِ قرآن و حدیث لوگوں کے عقائد، عبادات اور معاملات کو سنوار رہے ہوں اور ایثار و قربانی کی روح پورے معاشرے کے ایک ایک فرد میں نظر آتی ہو۔ مسلمان عوام کو جہاد کی تیاری اور مجاہدین کی نصرت پر ابھارا جائے، مجاہدین کے لیے لوگوں کے دلوں اور گھروں میں جگہ ہو اور طائرانہ نگاہ سے دیکھنے پر بھی یہ معاشرہ اسلامی رنگ میں رنگا نظر آئے۔

یہ سب ہمیں مطلوب تو ہے مگر ہمارا سب سے بڑا مسئلہ ہماری سستی اور کاہلی ہے، ہمارا ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھ کر حالات کی کروٹوں کا تماشا دیکھنا ہے۔ غازی عبد الرشید رحمہ اللہ کے الفاظ میں ہم یہ چاہتے ہیں کہ 'ہماری روٹین بھی ڈسٹرب نہ ہو، کوئی ہمیں اوئے تک نہ کہے' اور یونہی کسی دن ہم سو کر اٹھیں اور معلوم ہو کہ پوری دنیا اسلام کے زیر نگیں ہے اور ہر طرف شریعتِ اسلامی کا راج ہے، اسلام اور اہل اسلام کے تمام دشمن یا نیست و نابود کر دیے گئے یا زندانوں میں رونق افروز ہیں، لوگ سونا اچھالتے گلیوں میں پھر رہے ہیں اور کوئی ان سے تعرض کرنے والا نہیں......واہ! کیا مثالی دور ہو گا۔ یقیناً وہ مثالی دور ہو گا مگر یہ مثالی دور اور اس کے ثمرات بیٹھے بٹھائے حاصل نہیں ہو جاتے، اس کے لیے نسلوں کی نسلیں قربان کرنی پڑتی ہیں اور پڑیں گی، اس کے لیے اصحابِ جلیل کو ایمانِ خلیل پیش کرنا ہو گا، اس کے لیے آج اور ابھی اٹھ کر کھڑا ہونا ہو گا۔ ایک ایک فرد کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے آپ کو کھپانا ہو گا، پھر ہی ہم وہ متحد قوت بن کر ابھریں گے جو ایک جسد کی مانند ہو، جس کے اقوال و افعال میں یک رنگی اور ہم آہنگی ہو اور جو دشمنانِ دین کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہو۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ امت مسلمہ کے ایک ایک فرد کو اپنے دین کی سربلندی کی تڑپ اور اس کے لیے کوشش کرنے والا بنادے، آمین۔

ذوق حاضر ہے تو پھر لازم ہے ایمان خلیل
ورنہ خاکستر ہے تیری زندگی کا پیرہن

بقیہ: سوادِ اعظم کیا ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "لوگوں پر کوئی سال نہیں گزرتا مگر وہ اس میں ایک بدعت ایجاد کر لیتے ہیں اور ایک سنت کو مردہ کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ بدعت ہی زندہ رہے گی اور سنتیں سب مردہ ہو جائیں گی"۔ اس کو طبرانی نے ایسی سند سے روایت کیا ہے جس کے رجال ثقات ہیں۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ زمانۂ نبوت سے جس قدر بُعد ہوتا جائے گا، بدعت کی کثرت اور سنت کی قلت ہوتی جائے گی اور ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کسی جانب میں اکثر کا ہونا ہرگز دلیلِ حقانیت نہیں ہو سکتی۔

۸.) عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ما اختلفت أمّة بعد نبيها إلا ظهر أهل باطلها على أهل حقّها" رواه الطبرانى فى الاوسط وفيه موسى ابن عبيدة وهو ضعيف اهـ (مجمع الزوائد ج۱، ص٦٢) قلتُ وثقه ابن سعد وحدث عنه وكيع وقال كان ثقة كذا فى التهذيب ج۱۰، ص۵۹ والاختلاف فى التوثيق لا يضر

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی امت نے اپنے نبی کے بعد اختلاف نہیں کیا مگر ان کے اہل باطل اہل حق پر غالب ہوئے (یعنی کثرت وغیرہ میں)"۔ اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں موسیٰ بن عبیدہ کو ضعیف شمار کیا گیا ہے، جبکہ میں کہتا ہوں انہیں ابن سعد نے ثقہ کہا ہے اور وکیع نے ان سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ ثقہ تھے، تہذیب التہذیب میں اسی طرح ہے اور توثیق میں اختلاف مضر نہیں ہوتا۔[1]

اس حدیث میں تصریح ہے کہ جب امت میں اختلاف ہو گا تو اہل باطل اہل حق پر (بکثرت) غالب ہوں گے۔ لہٰذا اکثرتِ قائلین حقانیت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ (جاری ہے، ان شاء اللہ)

[1] بہت سے ائمہ نے موسیٰ بن عبیدہ کی تضعیف کے باوجود صدوق میں سے شمار کیا ہے اور زیادہ تر نے ان کی عبد اللہ بن دینار سے روایت پر جرح کی ہے؛ امام ابوداود سجستانی فرماتے ہیں: أحاديثه مستوية إلا أحاديثه عن عبدالله بن دينار. از ابو مثنیٰ عبد الکبیر

وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا

''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار (بھی) نہیں کر سکتے!''(القرآن)

محمد رضوان خالد چودھری

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نشانیوں سے لبریز ایک ملحد پی ایچ ڈی سکالر سے مکالمے کا مختصر احوال جو کئی روز جاری رہا

میرے استاد نے مجھے ایران سے آئے ایک سٹوڈنٹ سے بات کرنے کے لیے کہا جو علی الاعلان اسلام چھوڑ چکا تھا۔ میں نے اسے ڈاکٹر صاحب کا حوالہ دے کر ملنے کا وقت مانگا۔ ملاقات ہوئی اور جیسے ہی اسے پتا چلا کہ بات اسلام سے متعلق ہے تو وہ کہنے لگا: میں اٹھائیس سال ایران میں اسلام دیکھ کر ہی یہاں آیا ہوں، اگر اسی اسلام کی بات کرنے آئے ہو تو اپنے اسلام سمیت یہاں سے چلے جاؤ۔ میں نے کہا: میں تو اس اسلام کی بات کرنے آیا ہوں جو قرآن بتاتا ہے۔ ایران اور سعودی عرب میں جو کچھ موجود ہے میں اسے اسلام کا چربہ سمجھتا ہوں۔ وہ یہ سن کر کچھ نرم پڑا، لیکن کہنے لگا: میں نے تسلیم کر لیا ہے کہ میں کائنات میں، اور کائنات خود ایک حادثے کے باعث موجود ہیں۔ میں نے کہا: چلیے ہم یہ مان لیں گے، لیکن کیوں نہ کائنات اور ہمارے نفس میں موجود ان نشانیوں پر بات کر لیں جن پر قرآن غور کرنے کو کہتا ہے؟ پھر اللہ نہ ملا تو تم اکیلے کیوں اسلام سے نکلو، اکٹھے ہی چلیں گے[34]۔ وہ مان گیا۔

میں نے اسے کہا: تم نے کبھی سوچا، قرآن میں اللہ یہ کیوں کہتا ہے کہ تم میری ایک بھی نعمت کا شمار نہیں کر سکتے؟ وہ بولا: ایک نعمت کا شمار...... کتنی مضحکہ خیز بات ہے۔ ایک تو ایک ہی ہے، ایک کا شمار کون کرتا ہے؟ میں نہیں جانتا تھا قرآن میں اتنی مزاحیہ باتیں بھی ہیں۔ میں بولا: چلو ایک نعمت کا شمار کرتے ہیں۔

میں نے اس ملحد ایرانی لڑکے سے کہا: چلیے میں تھوڑی دیر کے لیے تمہاری بات مان لیتا ہوں کہ کائنات کے اس خاص حصے یعنی زمین پر تمہاری موجودگی ایک حادثہ ہے۔ حادثے کی دَین ہی سہی تم اس زندگی کو ایک نعمت تو مانتے ہونا؟ وہ کچھ کنفیوز ہو گیا اور بولا: نعمت کہوں گا تو تم کہو گے یہ نعمت دینے والا بھی کوئی ہو گا، کیا تم یہی گھسی پٹی دلیل لے کر آئے ہو؟ میں نے کہا: تم نتیجے پر چھلانگ کیوں لگاتے ہو؟ تم بھول گئے کہ ہم تمہاری بات مان کر آگے بڑھ رہے ہیں کہ کائنات اور زندگی ایک حادثہ ہے۔ میرا سوال تو بہت سادہ ہے، کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ اس حادثے کے باعث تمہیں زندگی ملی؟ وہ بولا: ہاں! یہ اتفاق حسین ہے۔ میں نے پھر پوچھا: گویا زندگی کو تم بہر حال نعمت سمجھتے ہو۔ وہ کہنے لگا: ہاں زندگی ایک نعمت تو ضرور ہے۔ میں اس کے اس اقرار سے خوش ہوا اور کہا: چلیے اب اس نعمت کو شمار کرتے ہیں۔

وہ مسکرا کر کہنے لگا: یعنی اب تم قرآن کی اس بات کی طرف آ رہے ہو کہ ''تم اللہ کی ایک نعمت کو بھی نہیں گن سکتے''۔ میں نے کہا: کیا تمہیں خوشی نہیں ہو گی اگر تم اسے گن کر قرآن کا دعویٰ جھوٹا ثابت کر دو اور تمہیں میری شکل میں ایک ایسا دوست مل جائے جو اسلام چھوڑ کر تمہارا ہم نوا ہو جائے؟ اس نے مسکراتے ہوئے کہا: چلو پھر گنتے ہیں اس نعمت کو۔ میں بولا: زندگی ایک ایسی حقیقت ہے جسے دنیا میں برقرار رہنے کے لیے کئی لوازمات کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے آکسیجن، پودے اور پانی۔ کیا ہمیں زندگی کے ان لوازمات کو زندگی میں ہی شمار نہیں کرنا ہو گا؟ وہ بولا: ہاں ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ان تین کے علاوہ دس ایسی چیزیں اور ہیں جو زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ یہ ہو گئے دس لوازمات اور یہ لو، گن لی ایک نعمت۔ اب قرآن کے دعوے کا کیا کریں جو کہتا ہے کہ تم ایک نعمت نہیں گن سکتے؟

میں نے کہا: تم پھر نتیجے پر چھلانگ لگا رہے ہو۔ ابھی تو مجھے پانی کے بارے میں بات کرنی ہے، اس کے بعد سینکڑوں دوسرے لوازمات کے بارے میں، جو میرے علم میں ہیں۔ وہ ہنس کر بولا: یعنی ہماری بات اگلے کئی دن چلے گی۔ میں نے کہا: کئی سال بھی مکالمہ جاری رہے تو کیا فرق پڑتا ہے؟ ہم اپنے یہاں موجود ہونے کی وجہ ہی تو ڈھونڈ رہے ہیں۔ وہ بولا: چلو پھر پانی کی بات کرو۔ میں نے کہا: ٹھیک ہے، اب بیس منٹ میں بولتا جاؤں گا، تم سنتے جانا۔ جو سوال ہو اپنے نوٹس میں لکھتے رہو، آخر میں پوچھنا۔ اس نے سر ہلاتے ہوئے اپنی نوٹ بک کھول لی اور ایک صفحے پر بڑی سی ہیڈنگ (عنوان) 'مذہبی فضولیات' لکھ کر اس ہیڈنگ کے نیچے لائن لگا دی۔ پھر مجھے اپنے لکھے کی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا تو جھینپ کر بولا: میں شرمندہ ہوں، لیکن مجھے فخر ہے کہ میں بددیانت نہیں ہوں، جو دل میں ہو گا وہی کہوں گا۔ میں نے کہا: شرمندگی کی کوئی ضرورت نہیں، دیانت ہی چاہیے۔ مجھے یقین ہے میری بات بھی تم اسی دیانت داری سے اپنے دل میں پراسس (process) کرو گے (یعنی سوچو گے)۔ وہ بولا: یقیناً ایسا ہی ہو گا۔ اب تم بیس منٹ بول سکتے ہو، میں دخل انداز نہیں ہوں گا۔

میں نے بولنا شروع کیا: دیکھیے! زندگی، جو ایک نعمت ہے، کہ ہزاروں لاکھوں یا شاید کروڑوں لوازمات میں سے ایک اہم چیز پانی ہے۔ اب یہ تو سائنس بتا چکی کہ زمین جب بنی، اس میں باہر

---

[34] محترم داعی نے یہ انداز 'مناظرانہ' طریقے پر اپنایا ہے، اسلام کی حقانیت کے خلاف یا کسی 'ظاہری' 'بہتر' دلیل کے مل جانے پر اسلام چھوڑ دینا مطمحِ نہیں ہے، بلکہ یہ طرز داعی کے ایمان پر پختگی کی دلالت ہے کہ داعی اللہ پاک پر اعتقاداً و قولاً و حالاً ایمان، انشراحِ صدر، حق الیقین اور علیٰ وجہ البصیرۃ رکھتا ہے۔ (ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند')

سے جتنا پانی آیا تھا، اس کے بعد سے نہیں آیا۔ قرآن یہ بھی بتاتا ہے کہ پانی باہر سے ہی زمین پر آیا تھا۔ لیکن اس نکتے پر پھر بات کریں گے، اسے اپنے نوٹس میں لکھ لو اور غور کرو، جب حادثے سے دنیا بن گئی اور مزید پانی بھی نہیں آیا تو پھر زمین پر پانی ختم کیوں نہیں ہوا؟ اس کی وجہ مبیّنہ حادثے سے ہی زمین کے گرد بننے والی وہ اوزون کی تہہ ہے جو نہ صرف سورج سے نکلنے والی مہلک ریڈی ایشن (تابکاری شعاؤں) کو زمین پر پہنچ کر زندگی ختم کرنے سے روک لیتی ہے بلکہ اس پانی کو بھی ایک حد سے اوپر نہیں نکلنے دیتی جو سمندروں سے بھاپ بن کر بظاہر ضائع ہو جاتا ہے۔ اگر یہ اوزون کی تہہ نہ ہوتی تو زمین کا پانی ختم ہو جاتا۔

بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ جب یہ پانی، جو کھارا اور پینے یا خشکی کے پودوں کے قابل نہ تھا، اوپر جاتا ہے تو وہاں بجلیاں کڑکنے سے اس میں نائٹروجن بھی شامل ہو جاتی ہے جو پودوں کے لیے ضروری ہے اور بارش کے ذریعے نیچے آتے ہوئے اس کا کھارا پن بھی جاتا رہتا ہے۔ کیسا خوب صورت حادثہ تھا کہ اس نے ان باریکیوں کا بھی خیال رکھا...... ابھی بات ختم نہیں ہوئی۔ چونکہ پانی خشکی کا دو تہائی سے بھی زیادہ ہے، اس لیے سمندروں سے بھاپ بن کر اڑنے والا پانی اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ اگر یہ سارا نیچے آجائے تو زمین ڈوب جائے۔ حادثے نے اس بات کا بھی خیال رکھا کہ چند فیصد بھاپ بارش کی شکل میں بنجر زمین سیر اب کیا کرے اور باقی بھاپ اوپر صاف ہو کر برف کی شکل میں نیچے آئے۔ اس میں سے بھی کچھ پگھل جایا کرے، باقی گلیشیئرز (برفانی یخ تودوں) کی صورت میں محفوظ ہو جائے اور ان دنوں میں بھی آہستہ آہستہ پگھل کر زندگی کو فلٹرڈ (نتھرا ہوا) پانی دیتی رہے جب بارشیں نہ ہوں۔ ذہن میں یہ سوال اٹھے گا کہ سمندر کا پانی کھارا ہی کیوں ہے؟ یہی صاف ہوتا تو زندگی کی حفاظت کے لیے باقی حادثوں کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ دیکھیے! اگر سمندر کا پانی کھارا نہ ہوتا تو وہ آبی مخلوقات ہی نہ ہوتیں جو صرف کھارے پانی میں زندہ رہ سکتی ہیں اور ان کی زندگی انسانوں سمیت زندگی کی دیگر شکلوں کے لیے بہت ضروری ہے۔

اب حادثے کا ایک اور کرشمہ دیکھیے کہ سمندر میں موجود زندگی کی حفاظت کے لیے حادثے پر حادثہ یہ ہوا کہ پانی، جو زمین پر حادثاتی طور پر آیا تھا، کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ جمے تو نیچے کی بجائے اوپر آتا ہے۔ یعنی اوپر سے جو پانی برف کی شکل میں گلیشیئرز بن کر خشکی پر رہا وہ تو زندگی بچا ہی رہا ہے، جو باقی برف سمندر پر گری وہ ڈوبنے یا نیچے جانے کی بجائے پانی کی سطح پر رہتی ہے۔ وہ سطح سردیوں میں موٹی ہو جاتی ہے اور سردیوں میں سردی کو نیچے پانی میں نہیں جانے دیتی جہاں وہ کروڑوں مخلوقات زندہ ہی نہ رہیں اگر باہر کی شدید سردی سے پانی ایک خاص حد سے زیادہ ٹھنڈا ہو جائے۔ کتنے کمال کے حادثے ہیں جو مسلسل ایک دوسرے سے مل کر کام کر رہے ہیں اور مزید کوئی ایسا نیا حادثہ بھی نہیں ہوا جو تسلسل سے ہونے والے حادثوں کا تسلسل اور وہ فریکوئنسی توڑ دے جو ہلکی سی بھی بدل جائے تو وہ زمین پر ہر قسم کی زندگی کا آخری دن ہو۔ گویا حادثے میں ایسے کسی حادثے سے ہمیشہ کے لیے بچنے کا انتظام بھی حادثاتی طور پر موجود تھا، تاکہ زمین پر حادثاتی طور پر پیدا ہونے والی زندگی کسی حادثے کے باعث ختم نہ ہو جائے۔

دیکھیے! یہ ساری کہانی آسمان کے ہماری زمین سے اڑنے والے پانی کے واپس لوٹ آنے سے شروع ہوئی تھی اور جس دین کی بات میں تم سے کرنے آیا ہوں اس کا بھیجنے والا قرآن میں کہہ رہا ہے کہ ہم نے جو آسمان بنایا اس کی یہ صفت رکھی کہ وہ واپس کرنے والا ہے۔ وہ جو آنکھیں پھیلائے سن رہا تھا، بولا: واؤ! یہ قرآن میں کہاں لکھا ہے؟ جب اس ملحد لڑکے نے مجھے ٹوکا تو لگا جیسے میں اس منظر سے باہر نکل آیا ہوں جو اللہ کی ایک نعمت کا شمار کرتے ہوئے میرے لاشعور میں چل رہا تھا۔

”یہی طے ہوا تھا نا کہ تم اپنے سوالات ’مذہبی فضولیات‘ والی ہیڈنگ کے نیچے لکھتے رہو گے اور اپنی باری پر پوچھو گے؟“۔ میں نے اس سے پوچھا تو وہ بولا: سوری، رہا نہیں گیا۔ یہ بہت سرپرائزنگ ہے کہ قرآن نے تمہارے بقول آسمان کو لوٹانے والا کہا ہے اور ہماری ڈسکشن سے یہ تو واضح ہے کہ اوزون میں پانی لوٹانے والی صفت نہ ہوتی تو زمین پر زندگی پیدا ہی نہ ہو سکتی۔ تبھی مجھے تجسّس ہوا کہ دیکھوں قرآن میں آسمان کی لوٹانے کی خصوصیت کا کہاں ذکر ہے۔

میں نے اسے سورۃ الطارق کی گیارھویں آیت دکھائی: ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ﴾۔ قرآن کے تراجم عموماً ”الرجع“ کا سادہ سا مطلب کرتے ہیں۔ میں نے اسے قرآن کی چھ الگ الگ تفاسیر اور لغات دکھائیں تو وہ کہنے لگا: ہاں ٹھیک ہے، ابھی تک تم اپنا کیس ٹھیک پیش کر رہے ہو۔ آگے دیکھتے ہیں۔

میں بولا: لیکن تم اب سوال لکھتے رہو گے اور اپنی باری آنے پر پوچھو گے۔ اس نے ہاں میں سر ہلایا تو میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا: میں تمہیں پانی اور خشکی کا وہ تناسب بھی قرآن میں دکھا سکتا ہوں جو اس وقت زمین پر موجود ہے۔ چاہو تو اس نکتے کا اپنے نوٹس میں اضافہ کر لو۔ ہم پانی پر مزید بات کر سکتے ہیں، لیکن اب تم نے سلسلہ توڑ ہی دیا ہے تو کیوں نہ ہم اس حادثے کی طرف چلیں جس نے یہ دنیا تشکیل دی تھی؟

وہ بولا: ویسے تو میں اپنے بارے میں جاننا چاہتا ہوں کہ میں یہاں کیوں ہوں، لیکن تم پیچھے جانا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن پہلے مجھے اس آیت کے لفظ کی تشریح کی تصویریں لینے دو۔ وہ تصویریں لینے لگا تو میں نے پوچھا: یہ بتاؤ تمہارا فون کیا جدید ترین ہے؟ وہ بولا: چند مہینے پرانا ہے، لیکن جدید ترین کے قریب ہے۔ اس کا کیمرا کتنے میگا پکسلز کا ہے؟ میں نے پوچھا۔ وہ بولا: شاید بارہ میگا پکسلز کا ہے۔ میں بولا: کیا تم جانتے ہو کہ جو حادثہ تمہاری اور تم جیسے اربوں انسانوں کی تخلیق کا باعث بنا وہ اتنا شاندار تھا کہ اس نے تمہاری آنکھوں میں ۵۷۶ (پانچ سو چھہتّر) میگا پکسلز کے دو کیمرے نصب کر دیے ہیں۔ یہ کیمرے جو تصویریں کھینچ کر تمہارے دماغ کو بھیجتے ہیں وہ اتنے وقت میں ان تصویروں میں موجود ایک کروڑ سات لاکھ رنگ اور دیگر چیزیں شناخت کر سکتا ہے، جو ایک سیکنڈ سے بھی اتنا کم ہے کہ ہم اسے ماپ نہیں سکتے۔

اس حادثے سے صرف یہی نہیں ہوا، بلکہ اس حادثے نے تمہارے جسم میں بارہ ایسے پیچیدہ ترین نظام تشکیل دیے جن کی تمام جزئیات ہم ابھی تک نہیں جان پائے ہیں اور ”حادثاتی طور

پر'' یہ سب نظام مل کر کام کرتے ہیں تا کہ تمہاری زندگی بر قرار رہے۔ لیکن ہم تمہاری بات بعد میں کریں گے، پہلے ابتدائی حادثے کی طرف چلتے ہیں۔

اس کی سوچتی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ اس کی خود سے جنگ جاری ہے۔ ہوں ہاں کیے بغیر وہ میری طرف دیکھتا رہا۔ میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا: کیا سائنس معلوم کر چکی کہ کائنات کی لمبائی چوڑائی کتنی ہے؟ وہ بولا: یہ ممکن نہیں ہے!

میں نے کہا: میں جانتا ہوں، کیونکہ سائنس اب کہتی ہے کہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے۔ قرآن نے چودہ سو سال پہلے یہی کہا تھا، نوٹ کر لو، میں ریفرنس دوں گا۔ بائبل سمیت ساری دنیا پچھلی صدی تک سورج کے ساکن ہونے کو ''یونیورسل ٹروتھ'' کہتی تھی، قرآن نے چودہ سو سال پہلے کہا تھا کہ سبھی ستارے سیارے اپنے لیے طے کردہ مداروں میں گھوم رہے ہیں۔ اب یہ بات کامن سینس (عام فہم) کی ہے، لیکن چودہ صدیوں پہلے کی دنیا میں تصور کرو، ایسا کون سوچ سکتا تھا! میں نے دیکھا وہ اپنے سوالات لکھ رہا ہے۔

میں نے کہا: تم مانتے ہو چودہ ارب سال پہلے ایک دھماکے کے ذریعے یہ کائنات بنی تھی۔ میں یہ پوچھوں گا ہی نہیں کہ جس نے ڈھائی سو ارب سے زیادہ کہکشائیں تشکیل دیں، وہ دھماکہ ہوا کس چیز میں تھا؟ دھماکے سے پہلے کیا تھا؟ کیا یہ اپنی نوعیت کا پہلا اور آخری دھماکہ تھا یا ایسے حادثے کہیں اور بھی ہوئے؟ میں پوچھ بھی لوں تو کیسے جواب دو گے، کیونکہ سائنس تو ابھی ہی سب جانتی ہی نہیں! میں تو اس حادثے کی خوب صورتی کی طرف تمہیں متوجہ کرنا چاہتا ہوں، دیکھو! ''خود بخود ہونے والے اس حادثے'' کے نتیجے میں کھربوں سورج بنے۔ ہر سورج کے ساتھ بہت سی زمینیں بنیں۔ پھر حادثے ہی کی بنیاد پر ہماری بھی ایک زمین بنی اور حادثاتی طور پر ہی سورج کے گرد اور اپنے محور کے گرد گھومنے لگی اور گھومی بھی ۲۳.۵ ڈگری جھکاؤ پر جو اگر آدھا ڈگری بھی کم یا زیادہ ہوتا تو زمین پر زندگی نہ ہوتی۔

لیکن مان لیا، ہو گیا اتفاق۔ پھر ایک اور اتفاق یہ بھی ہوا کہ یہ زمین اپنے محور کے گرد چار سو ساٹھ میٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے اور سورج کے گرد ایک لاکھ دس ہزار کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے گھومنے لگی۔ اگر ان دونوں سپیڈز میں چند کلو میٹر فی گھنٹہ کا بھی فرق ہوتا تو زمین پر نہ کوئی درخت اگ سکتا نہ کشش ثقل موجودہ تناسب میں ہوتی۔ انسانی اور نباتاتی زندگی کو ممکن بنانے کے لیے زمین کے گھومنے کی رفتار بالکل یہی ہونی چاہیے تھی جو ہے۔ کیا تم ان ''اتفاقات در اتفاقات'' پر حیران نہیں ہو؟

وہ بالکل خاموش تھا۔ میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ اگر زمین کے جھکاؤ کا زاویہ آدھ ڈگری بھی کم یا زیادہ ہوتا تو زمین پر موسم نہ بدلتا، یعنی زندگی نہ ہوتی۔ کیا تم اندازہ کر سکتے ہو کہ زندگی، جسے تم ایک نعمت مان چکے ہو، کی تشکیل اور حفاظت کے لیے بقول تمہارے اس ''خود کار حادثے'' نے کتنے پاپڑ بیلے ہیں؟

میں نے اس کی آنکھوں میں نمی دیکھی تو کہا: یہ پانی جو تمہاری آنکھوں سے چھلکنے کو ہے، اس پر بھی بات کریں گے کہ ان آنسوؤں کے نظام کو اس حادثے نے زندگی کی کس مدد کے لیے تمہارے جسم میں تشکیل دیا، لیکن پہلے اپنے فون میں کیلکولیٹر نکالو تا کہ میں تمہیں دکھا سکوں کہ قرآن نے زمین پر پانی اور خشکی کا وہ تناسب کتنا ایگزیکٹ (حتماً درست) بتایا ہے جو سائنس نے آج معلوم کیا۔ اس نے ایک لفظ بولے بغیر فون میں کیلکولیٹر کی ایپ کھولی اور میری طرف دیکھنے لگا۔

میں اس کے چہرے کے تاثرات سے جان سکتا تھا کہ وہ اللہ پر ایمان لے آیا ہے، لیکن مجھے کوئی جلدی نہیں تھی۔ میرا مقصد مسلمانوں کی تعداد میں ایک اور مسلمان کا اضافہ کبھی رہا ہی نہیں۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ نبوت میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی، وہ اللہ کا پیغام مکمل کر کے عمل میں ڈھال کر تو دکھا گئے، لیکن اللہ کی حکمتوں کے باعث دنیا کے ہر خطے اور ہر دور کے افراد تک خود چل کر وہ پیغام نہیں لے جا سکتے تھے۔ میرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ ہر دور وہ سابقون ضرور ڈھونڈ نکالے گا جو ان کے نمائندے بن کر ان کا پیغام آگے، مزید آگے پہنچائیں گے۔

میں نے جتنے مرد و خواتین کو بھی اسلام میں داخل کیا، یہی سوچ کر کیا کہ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ نمائندگی کریں گے جو پیدائشی مسلمان، فرقوں کی لڑائی میں الجھ کر بھلا بیٹھے ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اسلام میں نئے داخل ہونے والے حق الیقین، جوش و جذبے اور شُکر کا مرکب بن کر اسلام میں داخل ہوں۔ یعنی اسے کلمہ پڑھانے سے پہلے مجھے مزید دلائل کے انبار لگانے ہوں گے۔ ایمان کنوکشن (یقینِ کامل) کے ساتھ نہ ہو تو ابو بکر، عمر، عثمان، علی اور عائشہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہم جیسے مسلمان پیدا نہ ہوں گے۔ وہ نہ ہوئے تو ختمِ نبوت کی عملی دلیل کون بنے گا؟

وہ بولا: میں مانتا ہوں تم نے یہ ثابت کر دیا کہ کائنات کا بننا حادثہ نہیں تھا، اسے واقعی کسی خدا نے ہی بنایا تھا۔ سوال یہ ہے کہ یہ کیسے ثابت کرو گے کہ قرآن تمہارے بیان کردہ اللہ نے ہی، بقول تمہارے، مکہ میں پیدا ہوئے ایک شخص پر نازل کیا تھا؟ میں نے کہا: بس یہی ثابت کرنے میں دیر لگی ہے جو تم نے مان لیا۔ اس حقیقت کو کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، میں ایک منٹ میں ایک معمولی مکھی سے ثابت کر دوں گا۔

وہ زور سے ہنس پڑا اور بولا: ہاں! پہلے دن تم مجھے بالکل پاگل لگے تھے، شکل سے بھی لگتے ہو، لیکن اب مجھے شک نہیں کہ تم ایسا کر سکتے ہو، لیکن میں سننا چاہتا ہوں۔ میں نے پوچھا: یہ بتاؤ تمہاری سائنس نے کب ثابت کیا ہے کہ شہد بنانے کا سامان مادہ مکھی جمع کر کے لاتی ہے، نر مکھی نہیں؟ وہ اپنے فون پر گُوگل سے یہ معلومات تلاش کرنے لگا اور تھوڑی دیر بعد اس سلسلے میں ایک تحقیق میرے سامنے رکھ دی جو اس کی تفصیل بتاتی تھی۔

میں نے فون اس سے لیے بغیر کہا: مجھے اس میں دلچسپی نہیں۔ تم بس یہ بتاؤ کہ جو بات سائنٹیفک ریسرچ نے اب جانی ہے، قرآن نے وہ چودہ سو سال پہلے کیسے کہہ دی کہ اللہ نے شہد کی مادہ مکھی کو شہد بنانے کا طریقہ وحی کیا؟ اب میرے سوال کا جواب دو۔ چودہ صدیوں پہلے یہ حقیقت کون جان سکتا تھا کہ شہد نر نہیں مادہ مکھی بناتی ہے؟ وہ پی ایچ ڈی سٹوڈنٹ تھا، دلیل ہی ریسرچ

سٹوڈنٹ کا اوڑھنا بچھونا ہوتی ہے۔ بغیر ہچکچائے بولا...... گاڈ! پھر بولا: دکھاؤ مادہ مکھی کہاں لکھا ہے قرآن میں۔

میں نے اسے (سورۃ النحل کی آیت ۶۹ میں)[1] ''فَاسْلُكِي'' کا لفظ دکھایا۔ وہ اس لفظ کی گوگل سے تشریح دیکھتا رہا۔ پھر بولا: ہاں! یہی مطلب ہے۔

مغرب کا وقت تھا، میں نے کہا: چلو مسجد چلتے ہیں۔ وہ بولا: ہاں، ایک لمحہ ضائع کیے بغیر۔ میں نے فون کر کے ان پروفیسر صاحب کو بھی مسجد آنے کے لیے کہہ دیا جنہوں نے مجھے اس لڑکے سے ملنے کا کہا تھا تا کہ وہ بھی اس کے تجدیدِ ایمان کا منظر دیکھ سکیں۔

تمّت بالخير!

[یا اللہ! تُو ہمیں اس ایمان کی حلاوت چکھا اور مرتے دم تک اس سے محروم نہ فرمانا اور ہمیں خاتمہ بالخیر عطا فرمانا، ہم یہ مکالمہ پڑھنے کے بعد ایک بار پھر تجھ پر ایمان لاتے ہیں:

لا الٰه الا الله محمد رسول الله. نشهد ان لا الٰه الا الله و نشهد انّ محمد رسول الله! آمنّا بالله و ملئكته و كتبه و رسله و اليوم الآخر و القدر خيره و شره من الله تعالىٰ والبعث بعد الموت!

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ! (سورۃ الاعراف: ۴۳)

''تمام تر شکر اللہ کا ہے، جس نے ہمیں اس منزل تک پہنچایا، اگر اللہ ہمیں نہ پہنچاتا تو ہم کبھی منزل تک نہ پہنچتے۔''

یہ مضمون ماہنامہ میثاق لاہور، شمارہ مارچ ۲۰۲۰ء میں شائع ہوا جسے مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' کی ادارتی پالیسی کے مطابق ڈھال کر شائع کیا گیا ہے۔ (ادارہ)]

بقیہ: منڈی کی معیشت

جو ممالک کساد بازاری کا شکار ہوں یا جنہیں صنعتی ترقی یا قومی ضروریات کے لیے سرمائے کی ضرورت ہو، انہیں یہ ادارہ مختلف شرائط پر قرضے کی صورت میں سرمایہ فراہم کرتا ہے۔ جو ممالک بھی اس کے رکن بنتے ہیں، ان پر دو چیزیں لازم ہوتی ہیں؛ پہلی یہ کہ انہیں اپنے ذخائر میں سے ۲۵ فیصد سونا اور ۷۵ فیصد قومی کرنسی اس ادارے کے یہاں جمع کروانا ہوتی ہے اور دوسرا ان ممالک کو اپنی منڈیاں آزاد کرنا ہوتی ہیں۔

تیسرا ادارہ 'ورلڈ بینک' (World Bank) ہے۔ اس کا مقصد بھی غریب ممالک کو معیشت کے استحکام اور نجکاری کے لیے قرضے کی فراہمی ہے۔

اس طرح بریٹن وڈز کے یہ تینوں ادارے بین الاقوامی اور ملکی سطح پر معیشت کے پورے نظام کو کنٹرول کرتے ہیں۔ آج پوری دنیا کی معیشت ان تینوں اداروں کی بدولت مغرب (صلیبی صہیونی اتحاد) کے قبضے میں جا چکی ہے۔

[ان موضوعات کو مزید سمجھنے کے لیے ملاحظہ ہو: 'عصر حاضر میں جہاد کی فکری بنیادیں، از ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان'۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

بقیہ: خطوط از ارضِ رباط

جب کسی کام میں اعصاب جواب دینے لگیں تو اُنہیں مضبوط بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ کا سہارا ہی سب سے بڑا سہارا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے قوتِ سہارا کے لیے جب ساری دنیا کے لوگ محوِ خواب ہوں تو اس وقت نرم بستر سے اُٹھ کر اُسی سے سہارا مانگیے اور اُسی سے تمام امیدیں وابستہ کیجیے تو دیکھیے گا کہ کس طرح ڈھارس بندھتی ہے اور قوتِ بازو مضبوط ہوتی ہے۔

آپ اس لحاظ سے بھی خوش نصیب ہیں کہ آپ اپنے والدین کے درمیان ہیں، یہ آپ کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے کہ آپ ان کی بھی خدمت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گھر بٹھائے جنت کمانے کا موقع فراہم کیا ہوا ہے۔ آپ ان کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر کے دنیا ہی میں جنت کی خوشبو پانے کے مصداق بن سکتے ہیں۔ میں اس لحاظ سے بہت مسکین ہوں کہ میں بچپن ہی سے اپنے والدین سے بہت دور رہا ہوں اس لیے مجھے ان کی خدمت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اپنے والدین کو میرا بہت بہت سلام عرض کیجیے اور بچوں کو میری طرف سے دعا و پیار دیجیے۔

والسلام علیکم

آپ کا بھائی

بقیہ: مع الاُستاذ فاروق

چیزوں کو اس نظر سے بھی دیکھنا چاہیے لیکن ہمیشہ نہیں، حقیقی نظر سے اصلاً دیکھنا چاہیے۔ بظاہر یہ جولین اسانج بھی اسی طرح کا ایک آدمی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ لوگوں کے حقوق کی حق تلفی ہو رہی ہے اور وہ اس کے لیے آواز اٹھاتا ہے، بس اتنی سی بات ہے، کانسپیریسی تلاش نہ کریں!'۔

یہ میر ان شاہ کی چند مختصر سی یادوں پر مبنی دو چار واقعات تھے۔ اس کے بعد ہم میر ان شاہ سے شمالی وزیرستان کے وسطی و جنوبی علاقوں کی طرف روانہ ہو گئے اور وہیں استاذ کے ساتھ چند ماہ مزید گزارنے کا موقع ملا۔ ان شاء اللہ آئندہ کی روداد اگلی محفلِ استاذ میں۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله ربّ العالمين۔ و صلى الله على نبينا و قرة أعيننا محمد و على آله و صحبه و من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

[1] ﴿ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا...﴾

منڈی کی معیشت/Market Economy

ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان شہید رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ نظر تحریر نابغۂ روز گار مفکر و داعی الی اللہ، مجاہد فی سبیل اللہ ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جنہیں وابستگانِ جہاد 'ڈاکٹر ابو خالد' کے نام سے جانتے ہیں۔ تحقیق و تاریخ، علمیت و ادارت (مینجمنٹ) ڈاکٹر صاحب کا ذوق تھا، جبکہ بہ اعتبارِ فن آپ ایک میڈیکل ڈاکٹر تھے اور اسی فن میں تخصص کے لحاظ سے سرجن۔ مجاہدین اور مسلمان عوام نے آپ کی ان دونوں نمایاں خوبیوں سے خوب فائدہ اٹھایا۔ بلا مبالغہ سیکڑوں جراحی کے آپریشنز آپ نے ایسی جگہوں پر سرانجام دیے جہاں بنیادی طبی سہولیات بھی موجود نہ ہوتی تھیں۔ اپنی ساری زندگی اقامتِ دین اور نفاذِ شریعت کی محنت میں کھپانے کے بعد بالآخر آپ ۲۰۱۴ء کے نصفِ آخر میں پاکستان اور افغانستان کے بارڈر کے علاقے میں امریکی و افغان فوج کے مشترکہ فوجی آپریشن میں اپنے بہنوئی اور دوست و ساتھی میجر عادل عبد القدوس اور اپنے دو قریب از سنِ بلوغ بیٹوں سمیت خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ اس تحریر میں مولانا محمد مثنیٰ حسّان صاحب حفظہ اللہ نے بعض جگہ حاشیے کا اضافہ کیا ہے، جس کے آگے (م ح) کے دستخط درج ہیں۔ (ادارہ)

امریکہ کا معاشی نظام؛ منڈی کی معیشت (یہودیوں کی عالمگیر حکومت کی تکمیل)

سرد جنگ میں امریکہ کی سب سے بڑی کامیابی پوری دنیا میں اپنا نیا معاشی نظام قائم کرنا تھا، جسے آج 'منڈی کی معیشت' (Market Economy) کہا جاتا ہے۔ یہ وہی نظام تھا جو دورِ تنویریت کے مفکرین نے مغرب کو دیا تھا اور جس کا نفاذ انقلابِ فرانس کے بعد مغرب میں ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اس وقت سے آج تک یہ نظام انہی اجزائے ترکیبی پر مشتمل ہے جنہیں گود لیے یہ پیدا ہوا تھا۔ اس میں وہی کمپنیوں کی تجارت، وہی بینکوں کا سودی نظام، وہی 'ایڈم سمتھ' کے آزاد معیشت کے نعرے اور وہی انسان کی ترقی کے سبز باغ ہیں۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ یہ دراصل یہودی سرمایہ داروں کا بنایا ہوا اور خوب سوچا سمجھا نظام ہے۔ اس نظام کے ذریعے یہودیوں نے نہ صرف دنیا کے ممالک کو معاشی طور پر ایک دوسرے پر منحصر کر کے 'عالمگیریت' (Globalism) کے نئے نظریے کو جنم دیا بلکہ پوری دنیا کو ایک ایسے کنٹرول کرنے والے نظام کا غلام بنا لیا جس سے نکلنا بظاہر عام آدمی کے بس سے باہر ہے۔ عالمی معیشت کو ایک دوسرے پر منحصر بنانے سے معیشت اب ایک بہت بااثر عسکری آلہ بن گئی۔ اگر کسی قوم کو شکست دینا ہو تو اس پر معاشی پابندیاں لگا دینے سے آدھی سے زیادہ جنگ فوج کو کسی حرکت میں لائے بغیر ہی جیتی جا سکتی ہے۔

جنگِ عظیم دوم کے بعد جب یورپ مکمل طور پر تباہ ہو چکا تھا تو اس کی نظریں ۱۹۳۳ء میں سعودی عرب اور مشرقِ وسطیٰ میں دریافت ہونے والے تیل کے ذخائر پر لگ گئیں۔ امریکہ اور مغرب کی کوشش تھی کہ یورپ کو دوبارہ سے اپنی عظمتِ رفتہ پر بحال کیا جائے اور مشرقِ وسطیٰ میں دریافت ہونے والے تیل پر قبضہ کیا جائے۔ تاہم ان تمام مواقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے بے پناہ سرمایہ درکار تھا جو ان کے پاس نہ تھا کیونکہ جنگِ عظیم دوم نے معیشت کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ یورپ کے کسی بھی ملک کے پاس اتنا سرمایہ نہیں تھا کہ وہ اپنے ملک کی بحالی کے لیے کام کر سکے۔ اس سے پہلے بھی جب جنگِ عظیم اول کے بعد پوری دنیا کے ترقی یافتہ ممالک نے اپنے اپنے ممالک میں درآمدات پر پابندیاں لگا دی تھیں تو اس کے نتیجے میں یورپ ۱۹۲۹ء میں 'شدید معاشی بحران' (Great Depression) کا شکار ہو گیا تھا، آزاد تجارت کا مغربی نظریہ شکست کھا گیا تھا اور زیادہ پیداوار کرنے والے ترقی یافتہ ممالک کے لیے عالمی منڈیوں کے مواقع بند ہو گئے تھے۔ چنانچہ اس صورتِ حال سے بھی مغربی ممالک کو نمٹنا تھا اور عالمی منڈیوں میں اپنے لیے جگہ بھی پیدا کرنی تھی۔

ان تمام سوالات اور مسائل کو حل کرنے کے لیے ۱۹۴۵ء میں امریکہ کے شہر 'بریٹن وڈز' (Bretton Woods) میں ایک کانفرنس منعقد کی گئی جس میں اس وقت کے معاشی نظام میں بڑے پیمانے پر ردوبدل کرنے کی تجاویز پیش کی گئیں۔ یہ تجاویز بظاہر بے ضرر اور انسان دوست محسوس ہوتی تھیں مگر حقیقت میں یہ پوری دنیا کو غلام بنانے کا منصوبہ تھا۔ اس کانفرنس میں ترقی یافتہ مغربی ممالک بلائے گئے۔ انہوں نے مل کر جو نظام تشکیل دیا، اسے 'منڈی کی معیشت' کہتے ہیں۔ سرد جنگ جہاں روس کی نظریاتی اور عسکری آزادی کو محدود کرنے کا نام تھا تو دوسری طرف یہ جنگ روس کے معاشی نظام اور امریکہ کے منڈی کی معیشت کے نظام کے درمیان بھی جنگ تھی۔

منڈی کی معیشت میں سرمائے کا نظام

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ جنگِ عظیم دوم کے بعد مغربی ممالک کو تعمیرِ نو اور ترقی کے لیے لامحدود سرمایہ اور آزاد تجارتی منڈیاں درکار تھیں۔ 'بریٹن وڈز کانفرنس' (Bretton Woods Conference) دراصل انہی دو مسائل کو حل کرنے کے لیے بلائی گئی تھی۔ اس کانفرنس میں ڈالر اور سونے کے بندھن کے علاوہ کرنسی، بینک اور کمپنیوں کو نئی منڈیوں سے جوڑنے کے لیے کئی اہم اقدامات کا فیصلہ ہوا۔ یہاں ہم انہی اقدامات، ان کے تاریخی پس منظر اور ان کے اثرات کا جائزہ لیتے ہیں۔

بینک اور کرنسی کا باہمی تعلق

انقلابِ فرانس سے پہلے پورے یورپ میں سونے اور بینکوں کا کرنسی (ثمن) کی قدر کے تعین میں کوئی اختیار نہ تھا۔ پھر ۱۸۱۲ء میں یورپ میں ہر ملک کی کرنسی کی قدر گو سونے سے ہی متعین ہوتی تھی مگر اس کا اختیار بینک کو دے دیا گیا۔ یہیں سے یہودیوں کی عالمگیر حکومت کے خواب کی تعبیر کا آغاز ہوتا ہے۔ اس منصوبے کا پہلا ہدف سونے کو کرنسی کی قدر متعین کرنے

والے معیار کے طور پر ختم کرنا تھا۔ اس ہدف کی تکمیل کے لیے ۱۹۰۵ء میں امریکہ میں پہلی بار ’پرائز بانڈ‘ کا اجرا کیا گیا۔ پرائز بانڈ سے حاصل ہونے والی رقم سے ۱۹۱۳ء میں امریکہ نے ’فیڈرل ریزرو‘(Federal Reserve) کے نام سے اپنا مرکزی بینک بنایا۔ اس بینک نے ۱۹۳۵ء میں دنیا کا ۷۰ فیصد سونا خرید کر اپنے پاس رکھ لیا۔ ۱۹۴۵ء میں ’بریٹن وڈز کانفرنس‘ میں عالمی طاقتوں کے درمیان یہ طے پایا کہ ڈالر کو سونے سے منسلک کر دیا جائے اور باقی دنیا کی کرنسی کو ڈالر کے ساتھ منسلک کر دیا جائے۔ اس نظام کو ’بریٹن وڈز کا نظام‘ (Bretton Woods System) کہتے ہیں۔ اس نظام کے تحت امریکہ کسی بھی رکن ملک کے مطالبے پر پابند تھا کہ اسے ڈالر کے عوض سونا ادا کرے۔ لیکن جب ۱۹۷۱ء میں فرانس نے امریکہ سے اپنی کرنسی کے عوض سونے کا مطالبہ کیا تو امریکہ نے صاف انکار کر دیا۔ اس طرح ’بریٹن وڈز کا نظام‘ بظاہر ناکام ہو گیا یا اسے جان بوجھ کر ناکام بنا دیا گیا۔ پھر ۱۹۷۶ء میں یہ طے پایا کہ ہر کرنسی کو ڈالر سے آزاد کر دیا جائے اور ہر ملک کی کرنسی کی قدر کو ’اوپن مارکیٹ‘ میں عالمی طلب اور رسد پر چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح کرنسی ایک انتہائی پیچیدہ نظام (Price Index) کے تابع کر دی گئی جس کا کل اختیار ان کے اپنے ہاتھ میں تھا اور ہے۔ بین الاقوامی کرنسی کا سونے سے علیحدہ ہونا تاریخ انسانی کا بہت اہم واقعہ ہے اور یہ مغرب اور یہودیوں کی عالمی حکومت کی تکمیل ہے۔ جب سونا معیار ہی نہ رہا تو اب جس کاغذ کے ٹکڑے کو یہ چاہیں پانچ ہزار کر دیں اور جس کو چاہیں، ایک کر دیں۔

بینکوں میں اعشاری نظام کا اجرا

کرنسی کے سونے سے علیحدہ ہوتے ہی گویا یہودیوں اور مغرب کی مراد بر آئی۔ اس نظام نے مغرب کے لیے لامحدود دولت پیدا کرنے کا موقع فراہم کر دیا۔ اب سونا کرنسی کی قدر متعین نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ بینکوں کا ایک نیا نظام متعارف کرایا گیا۔ دنیا کے ہر ملک میں ایک ’سٹیٹ بینک‘ بنایا گیا۔ اس سٹیٹ بینک کا کام اپنے ملک میں کرنسی کی قدر کا تعین کرنا اور اسے کنٹرول کرنا تھا اور اس کا دوسرا کام دوسرے عالمی بینکوں کے ساتھ بین الاقوامی قوانین کے تحت رابطہ رکھنا تھا۔ اس کا طریقہ یہ بنایا گیا کہ ملک کے سٹیٹ بینک کے تحت تجارتی بینک بنائے گئے۔ ان تجارتی بینکوں کو پابند کیا گیا کہ وہ اپنے صارف سے حاصل شدہ رقم کا بیس فیصد سکیورٹی کی مد میں سٹیٹ بینک میں جمع کرائیں۔ باقی اسّی فیصد میں سے بیس فیصد صارف کو واپس کرنے کے لیے رکھ کر ساٹھ فیصد رقم کو بینک اپنی تجارت یا صارف کو قرضے فراہم کرنے کے لیے استعمال کرلے۔ اس کے ساتھ ساتھ سٹیٹ بینک تجارتی بینکوں کو یہ بھی اجازت دیتا تھا کہ کل جمع شدہ رقم کے دس گنا تک کی رقم تجارت یا قرض کے طور پر فراہم کی جاسکتی ہے۔ اس عمل کو ’تخلیقِ زر‘ کا عمل کہتے ہیں اور بینکوں کے اس نظام کو ’اعشاری نظام‘(Fractional Banking) کہا جاتا ہے۔ ہم یہاں اس عمل کی تفصیل میں نہیں جائیں گے، اس کے لیے فنی کتب سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔ ہم یہاں اس بینکاری نظام کے فردی اور عالمی معیشت پر اثرات کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔

سب سے پہلے یہ ہوا کہ بینک کی تخلیقِ زر کی وجہ سے پوری دنیا میں لامحدود کرنسی تخلیق ہو گئی۔ یہ کرنسی کسی سونے کی طاقت کے ساتھ وابستہ نہیں بلکہ یہ صرف کاغذ کی ایک پرچی ہے جسے سٹیٹ بینک کے گورنر کے دستخط کے ساتھ جاری کیا جاتا ہے۔ اس تخلیقِ زر کی وجہ سے پوری دنیا میں بظاہر ترقی کی راہیں کھلیں۔ پچھلے بیس سال میں دبئی، ہانگ کانگ اور سنگاپور جیسے شہر بنائے گئے۔ تجارتی بینکوں نے گزشتہ بیس سالوں میں تجارتی قرضوں کا سیلاب برپا کر دیا۔ آج حالت یہ ہے کہ شاید ہی کوئی ملک اور فرد ایسا بچا ہو جو ان عالمی بینکوں کے قرضوں میں دب کر غلام نہ بن چکا ہو۔ دوسری طرف مغرب کی عالمی کمپنیاں ان بینکوں سے قرضے لے کر پوری دنیا کے وسائل پر قبضہ کر چکی ہیں۔

سٹیٹ بینکوں کا کرنسی کنٹرول

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ سٹیٹ بینکوں کا کام کرنسی اور تجارتی بینکوں کو کنٹرول کرنا ہے۔ اس کے لیے سٹیٹ بینک تجارتی بینکوں سے بیس فیصد سکیورٹی رکھواتے ہیں۔ اسی طرح سٹیٹ بینک بھی عالمی بینکوں میں اپنی سکیورٹی رکھواتے ہیں۔ یوں یہ نظام تجارتی بینکوں سے عالمی بینکوں تک ایک دوسرے سے منسلک ہے۔ اگر کوئی شخص دنیا میں کسی بھی جگہ ایک روپیہ بھی بینک میں جمع کراتا ہے تو اس کا کچھ نہ کچھ حصہ دنیا کے عالمی بینکوں میں ضرور جمع ہوتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ سٹیٹ بینک کرنسی کی قیمت کس طرح کنٹرول کرتا ہے؟ کرنسی دو طریقے سے کنٹرول ہوتی ہے؛ پہلا طریقہ ملکی مارکیٹ میں کرنسی کا کنٹرول اور دوسرا طریقہ بین الاقوامی مارکیٹ میں کرنسی کا کنٹرول ہے۔ کرنسی کے کنٹرول کا سادہ سا فارمولا یہ ہے کہ جب تجارتی بینک کرنسی چھاپ چھاپ کر مارکیٹ میں پھیلا دیتے ہیں تو اس عمل سے کرنسی کی طلب کم ہو جاتی ہے اور اس کی قدر بھی کم ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اشیا کی قیمت زیادہ ہو جاتی ہے اور صارف کی قوتِ خرید کم ہو جاتی ہے۔ اس عمل کو ’مہنگائی‘(Inflation) کہتے ہیں۔ اس کے برعکس جب مارکیٹ میں کرنسی کی مقدار کم ہو جائے گی تو اس کی طلب بڑھے گی جس سے کرنسی کی قدر میں اضافہ ہو گا، صارف کی قوتِ خرید بڑھے گی اور اشیا کی قیمتیں کم ہو جائیں گی۔

ملکی کرنسی کے نظام کو ملک کا سٹیٹ بینک دو عوامل کی مدد سے کنٹرول کرتا ہے؛ پہلا شرحِ سود (Interest Rate) کو کم یا زیادہ کرنا اور دوسرا پرائز بانڈ کو بیچنا یا خریدنا۔ اگر مارکیٹ میں کرنسی کی قدر زیادہ ہو جائے تو سٹیٹ بینک شرحِ سود کو زیادہ کر دیتا ہے جس سے عام صارف کو بینک سے قرضہ لینے میں مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں اور پیسہ مارکیٹ کی بجائے تجارتی بینکوں میں رہ جاتا ہے۔ دوسری طرف سٹیٹ بینک تجارتی بینکوں کو اس بات کا پابند کرتا ہے کہ وہ اس کرنسی سے سٹیٹ بینک کے جاری شدہ پرائز بانڈ خرید لیں۔ اس عمل سے کرنسی تجارتی بینکوں سے سٹیٹ بینک میں چلی جاتی ہے۔ جب سٹیٹ بینک دیکھتا ہے کہ اب مہنگائی اور کرنسی کی

قیمت میں توازن آ گیا ہے تو وہ شرحِ سود میں کمی کر دیتا ہے اور پرائز بانڈ واپس لے کر اس کی جگہ کرنسی جاری کر دیتا ہے۔ اس طریقے سے کرنسی دوبارہ مارکیٹ میں جانا شروع ہو جاتی ہے۔

بین الاقوامی سطح پر کرنسی کی قدر کا تعین اس ملک کی درآمدات اور برآمدات کے درمیان توازن سے قائم ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ جس طرح کوئی ملک اشیا درآمد (import) کرتا ہے، اسی طرح برآمد (export) بھی کرتا ہے۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ سال بھر میں مجموعی طور پر ملک کی درآمدات زیادہ تھیں یا برآمدات۔ پھر ہر ملک دنیا کے کئی ممالک کے ساتھ دوطرفہ تجارت کرتا ہے جس میں ایک ملک کی کرنسی کا دوسرے ممالک کی کرنسیوں سے تبادلہ ہوتا ہے۔ ملک کی مجموعی تجارت کا حساب لگانے کے لیے تمام ملکوں کی کرنسیوں کا ایک دوسرے کے مقابلے میں قدر کا اندازہ لگانا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس حساب کتاب کے لیے عالمی قانون کے تحت پیچیدہ فارمولا مقرر کیا گیا ہے۔ یہ فارمولا کچھ اس طرح ہے کہ دنیا بھر میں صارفین کے لیے روز مرہ اشیائے صرف کی ایک فہرست مرتب کی جاتی ہے جسے 'سودے کی ٹوکری' (Goods Box) کہتے ہیں۔ دیکھا یہ جاتا ہے کہ ہر ملک اس ٹوکری میں اپنے ملک کی کتنی مصنوعات برآمد کرنے کے لیے ڈالتا ہے اور کتنی اشیا باہر کے ملکوں سے درآمد کرنے کے لیے اس ٹوکری سے نکالتا ہے۔ اگر اس ملک کی برآمدات درآمدات سے زیادہ ہوں گی تو اس ملک کی کرنسی کی طلب خود بخود زیادہ ہو گی جس سے اس ملک کی کرنسی کی قدر بھی خود بخود زیادہ ہو جائے گی، جیسا کہ آج ڈالر (Dollar)، پونڈ (Pound) اور یورو (Euro) کی صورتِ حال ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جدید منڈی کی معیشت کے تحت بینکوں کا یہ نظام قائم ہونے سے پوری دنیا کی معیشت کو ایک دوسرے پر منحصر کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص کسی دور دراز گاؤں میں بھی ایک روپیہ بینک میں رکھواتا ہے تو اس کا ایک حصہ ضرور ریاستی بینکوں سے ہو کر عالمی بینکوں میں جاتا ہے۔ دوسری طرف اس ایک روپے کا ساٹھ فیصد حصہ یعنی ساٹھ پیسے بینکوں کو تخلیقِ زر کے ذریعے پیسے کو دس گنا زیادہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ پھر تخلیقِ زر سے حاصل ہونے والے پیسے سے بینک فرد، تجارتی کمپنیوں اور ملکوں کو قرضے دیتے ہیں۔ اس قرضے سے ایک طرف غریب ممالک اس نظام کے غلام بن جاتے ہیں تو دوسری طرف یہودیوں کی عالمی کمپنیاں خوراکی مواد پر قبضہ کر کے دنیا کو اپنا غلام بنالیتی ہیں۔

منڈی کی معیشت کا تجارتی نظام

سرمائے کی فراہمی اور کرنسی کے نظام کو منظم کرنے سے منڈی کی معیشت کا اصل ہدف دنیا کی تجارت پر قبضہ کرنا تھا۔ تجارت پر قبضہ کرنے کے لیے ضروری تھا کہ دنیا کے وسائل اور منڈیوں پر قبضہ کیا جائے۔ اس کے لیے 'ایڈم سمتھ' کا 'آزاد معیشت'[1] کا نظریہ نئی تشریحات کے ساتھ پیش کیا گیا۔ اب آزاد معیشت کا مطلب یہ ٹھہرا کہ کسی ریاست کا اپنی ہی تجارت پر کنٹرول ختم کر دیا جائے اور ہر ملک بین الاقوامی کمپنیوں کو تجارت کرنے کے لیے اپنی منڈیوں تک رسائی دے۔ یہ تجارتی نظام کس طرح کام کرتا ہے، اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

پہلا قدم: منڈی کی معیشت کا قیام

۱۹۴۷ء میں عالمی تجارت کو کنٹرول کرنے کے لیے 'گیٹ'[2] (GATT) کے نام سے ایک ادارہ بنایا گیا جسے ۱۹۹۵ء میں 'ڈبلیو ٹی او'[3] (WTO) کا نام دے دیا گیا۔ سب سے پہلے ہر ملک کو اس کا ممبر بن کر اس ادارے کے قوانین کا پابند اور اس ادارے کی ہدایات کے مطابق اپنے ملک کی تجارت میں تبدیلیاں لانا ہوتی ہیں۔ 'ڈبلیو ٹی او' ہر ملک پر لازم کرتا ہے کہ وہ اپنے ملک میں منڈی کے معاشی ادارے قائم کرے۔ ان اداروں کی پہلی قسم تجارتی بینک ہیں جن کا مقصد معاشرے کے افراد اور تجارتی کاروبار کو اس نظام کے ساتھ جوڑنا ہے۔ دوسری قسم سٹیٹ بینک ہے جو تجارتی بینکوں اور دیگر اداروں کو آپس میں جوڑتا ہے اور ان کے تعلقات کی نگرانی کرتا ہے۔ تیسری قسم 'بازارِ حصص' (Stock Market) ہیں جو دراصل ایسی کمپنیاں ہیں جو دیگر تجارتی کمپنیوں کے حصص یعنی مالکانہ حقوق کی خرید و فرخت کا کام سرانجام دیتی ہیں۔ ان اداروں کے قیام سے ملک میں منڈی کی معیشت کا نظام قائم ہوتا ہے۔

دوسرا قدم: ریاستی معیشت کی آزادی

ریاستی معیشت کی آزادی سے مراد یہ ہے کہ 'ڈبلیو ٹی او' کے تمام رکن ممالک اپنی ریاست میں گورنمنٹ کے تمام تجارتی اداروں کو پرائیویٹ کمپنیوں کو بیچ دیں اور بیرونی درآمدات اور عالمی کمپنیوں پر قائم پابندیاں ختم کر دیں۔ اس عمل کو تین مراحل میں تقسیم کیا گیا؛ پہلا مرحلہ 'لبرلائیزیشن' (Liberalization) ہے یعنی تجارت کو آزاد کرنا، دوسرا 'سٹیبلائیزیشن' (Stabilization) ہے جس سے معیشت کو مستحکم کیا جاتا ہے، اور تیسرا 'پرائیوٹائیزیشن' (Privatization) کہلاتا ہے جس کا مطلب ملکی اداروں کی نجکاری کرنا ہے۔

پہلا مرحلہ: لبرلائیزیشن (آزادیٔ تجارت)

اس مرحلے میں ممالک کو اس بات پر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ تمام ایسے قوانین تبدیل کر دیں جو آزادیٔ تجارت کی راہ میں حائل ہوں۔ عام طور پر ملک بیرونی زرِ مبادلہ حاصل کرنے اور ملکی مصنوعات کی ترقی اور فروغ کے لیے درآمد شدہ غیر ملکی مصنوعات پر ٹیکس عائد کرتا ہے جسے

---

[1] 'آزاد معیشت کیا ہے؟ اس حوالے سے 'ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان' کی کتاب 'عصر حاضر میں جہاد کی فکری بنیادیں' کے حصۂ اول، باب دوم میں 'سرمایہ دارانہ نظام کا بنیادی فلسفہ کے تحت بات موجود ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آج مغرب جس 'آزاد معیشت کی بات کرتا ہے اور جس کے نام پر اس نے پوری دنیا کی معیشت کو جکڑ رکھا ہے، وہ قطعاً وہ معیشت نہیں ہے جس کا فلسفہ ایڈم سمتھ نے پیش کیا تھا۔ بلکہ مغرب نے ایڈم سمتھ کے فلسفے کو استعمال کیا اور اس کی تشریح اپنی مرضی کے مطابق کی۔ نتیجہ کیا ہوا: ظلمات بعضها فوق بعض! (م ح)

[2] General Agreement on Tariffs and Trade (GATT)

[3] World Trade Organization (WTO)

'کسٹم ڈیوٹی' (Custom Duty) یا 'ٹیرف' (Tariff) کہتے ہیں۔ اسی طرح ہر ملک اپنی مصنوعات کو برآمد کر کے زرِ مبادلہ حاصل کرنے کے لیے زمینداروں اور کارخانہ داروں کو مراعات دیتا ہے تاکہ عالمی منڈی میں ان مصنوعات کی قیمت باقی ممالک کی مصنوعات سے مقابلہ کر سکے۔ مثلاً ہم اپنے ملک میں حکومت کی جانب سے کپاس کی مصنوعات اور گندم کی پیداوار پر 'سبسڈی' (Subsidy) کے اعلانات سنتے ہیں۔ 'سبسڈی' سے مراد یہ ہے کہ جتنی گندم کسان باہر فروخت کرے گا، حکومت اسے اس کی قیمت کا دسواں یا بیسواں حصہ اپنی طرف سے ادا کرے گی۔ یہ ٹیرف اور سبسڈی لبرلائیزیشن (آزادیٔ تجارت) کی راہ میں وہ رکاوٹیں ہیں جنہیں دور کیے بغیر آزاد تجارت کا ہدف حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا لبرلائیزیشن کے مرحلے میں ہر ملک کو پابند کیا جاتا ہے کہ وہ ٹیرف اور سبسڈی ختم کرے۔

ایسی آزاد تجارت سے ظاہر ہے کہ فائدہ صرف عالمی کمپنیوں کے مالک دنیا کے آٹھ امیر ممالک کو ہی ہونا تھا جبکہ بقیہ غریب اور غیر صنعتی ممالک نے بدترین غلامی میں جکڑا جانا تھا۔ اپنے آپ کو ترقی یافتہ امیر ممالک اور باقی ممالک کو تیسری دنیا کے ترقی پذیر ممالک کہنے والوں نے گزشتہ صدیوں میں تیسری دنیا کے ممالک پر حملے کر کے ان کے قدرتی اور انسانی وسائل پر ناجائز قبضہ کیا، انہی وسائل سے اپنے ممالک میں صنعتی انقلاب برپا کیا اور مادی دوڑ میں اتنے آگے نکل گئے کہ ان کا مقابلہ کرنا اب تیسری دنیا کے بس میں نہیں رہا۔ الٹا ٹیرف، سبسڈی اور دیگر ایسے اقدامات جن سے ہو سکتا تھا کہ تیسری دنیا کے ممالک اپنی معیشت کو سنبھالا دیتے، انہیں آزاد تجارت کے خوبصورت نام کے تحت روک دیا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آزاد تجارت کا مطلب امیر ممالک کے لیے آزاد لوٹ کھسوٹ اور اجارہ داری ہے۔

آزاد تجارت کے نتیجے میں حکومتیں اپنی ریاست پر سے اختیار کھو بیٹھتی ہیں۔ جو حکومت اپنے کسانوں، مزدوروں، کارخانہ داروں اور تاجروں کو کسی قسم کا فائدہ نہ دے سکے اور جو اپنے ہی ملک میں بیرونی ممالک کی تجارت پر پابندیاں نہ لگا سکے یعنی جس کا اندرونی اور بیرونی اقتدارِ اعلیٰ ختم ہو جائے، کیا وہ آزاد ریاست کہلانے کی حقدار ہو سکتی ہے۔ اب تو یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی اور اس کا مشاہدہ روزمرہ زندگی میں بھی ہو رہا ہے۔ پاکستان میں ۲۰۰۸ء کا اقتصادی بحران اس کی واضح مثال ہے۔[1]

دوسرا مرحلہ: سٹیبلائیزیشن (استحکامِ معیشت)

آزادیٔ تجارت کا قانون نافذ ہوتے ہی ملکی معیشت کو یکدم دھچکا لگتا ہے کیونکہ ملک کی منافع بخش صنعت، تجارت اور زراعت کو اس کے حجم سے کئی گنا بڑی بے رحم و کرم دیوہیکل عالمی صنعت و تجارت کے مقابلے میں میدان میں اتارنے سے ملک اندرونی طور پر شدید بحران کا شکار ہوتا ہے۔ ایسے میں یہی عالمی ادارے جو ملکی معیشت تباہ کرنے کے موجب بنے تھے، اب ہمدردی کی صورت میں قرضہ فراہم کرتے ہیں تاکہ ان کے بقول معیشت کو سہارا مل سکے۔ یہاں بھی وہی خوشنما شعار کا چکر ہے۔ کہنے کو استحکام ہے لیکن یہ بھاری سود اور طویل المیعاد قرضوں کی شکل میں زنجیرِ غلامی کو مزید کستا ہے۔

تیسرا مرحلہ: پرائیوٹائیزیشن (نجکاری)

جب استحکامِ معیشت کے عمل سے ملک کا پہیہ بمشکل چلنے لگتا ہے تو ملکی اداروں کو بیچنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ نجکاری کا مقصد قومی صنعتی، زرعی اور تجارتی اداروں کو حصوں میں تقسیم کر کے اقوامِ عالم کے سامنے فروخت کے لیے پیش کرنا ہے۔ بہانہ یہ بنایا جاتا ہے کہ اول تو یہ ادارے حکومتی تحویل میں رہنے کی وجہ سے ہی مالیاتی دھاندلی اور پیشہ ورانہ غفلت کا شکار ہوتے ہیں جس سے یہ منافع بخش ہونے کی بجائے الٹا حکومت پر بوجھ بن جاتے ہیں جبکہ حکومت کے تو خود دوسرے اتنے مسائل ہیں کہ ان اداروں کی طرف توجہ نہیں دے پاتی اور نہ ہی یہ حکومت کی ذمہ داری ہے۔ دوم یہ کہ سرکاری سرپرستی کے سبب نجی ادارے بہتر کارکردگی کے باوجود عالمی معیشت کا مقابلہ کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ سوم یہ کہ ان اداروں کے کچھ حصص کو عالمی اداروں کو فروخت کرنے سے ملک میں زرِ مبادلہ آئے گا اور روزگار کے مواقع فراہم ہوں گے۔ لیکن عملاً ہوتا یہ ہے کہ عالمی کمپنیاں حکومتوں کو رشوتیں دلا کر غیر منافع بخش اداروں کی بجائے منافع بخش اداروں کی نجکاری کرواتی ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ حکومتیں زیادہ حصص عالمی کمپنیوں کے لیے مختص کرواتی ہیں اور وہ بھی ان کی اصل قیمت سے نہایت ارزاں نرخوں پر۔ اس طرح نجی تجارتی اور صنعتی اداروں کے بعد کامیاب قومی منافع بخش ادارے بھی عالمی کمپنیوں کی تحویل میں چلے جاتے ہیں اور ملک پوری طرح غلام بن کر رہ جاتا ہے۔

بریٹن وڈز کانفرس کے عالمی ادارے

لبرلائیزیشن (آزادیٔ تجارت)، سٹیبلائیزیشن (استحکامِ معیشت) اور پرائیوٹائیزیشن (نجکاری) کے ایجنڈے کو پورا کرنے کے لیے 'بریٹن وڈز کانفرنس' نے تین ادارے قائم کیے۔ پہلا ادارہ 'گیٹ' کے نام سے قائم ہوا جو ۱۹۹۵ء میں 'ڈبلیو ٹی او' میں تبدیل ہو گیا۔ اس کا کام دنیا کی تجارت کو آزاد کرانا ہے یعنی ٹیرف اور سبسڈی کا خاتمہ کرانا اور لائسنس، معیار بندی جیسے کڑے قوانین بنانا جن کے ذریعے...... ان کی اصطلاح میں...... تجارت آزاد رہے۔

دوسرا ادارہ 'بین الاقوامی مالیاتی فنڈ'[2] (IMF) ہے۔ اس کا مقصد عالمی معیشت اور کرنسیوں کے شرحِ مبادلہ کو کنٹرول کرنا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ادارہ غریب ممالک کی منڈیوں کو آزاد کرانے کے لیے سرمایہ فراہم کرتا ہے۔ (باقی صفحہ نمبر 59 پر)

[1] پاکستان میں جاری حالیہ بحران (۲۰۱۹-۲۰۲۰ء) بھی اسی کی ایک مثال ہے، بلکہ حالیہ بحران لبرلائزیشن کے ساتھ سٹیبلائزیشن کی بھی ایک مثال ہے کہ جس میں عام تاجروں یعنی چھوٹے دکاندار تک 'آئی ایم ایف' کی شرائط کے پابند ہیں کہ پاکستان نے اپنی تاریخ کا سب سے بڑا قرضہ 'آئی ایم ایف' سے لیا ہے۔ نیز پاکستان کے سٹیٹ بینک کا اولاً گورنر اور اب ڈپٹی گورنر بھی آئی ایم ایف کا مقرر کردہ ہے۔ یہی حال وزارتِ خزانہ اور ایف بی آر وغیرہ کا بھی ہے۔ (ادارہ)

[2] International Monetary Fund (IMF)

اللہ تعالیٰ کا سہارا ہی سب سے بڑا سہارا ہے!

(خطوط از اَرضِ رِباط)

مولانا قاری عبد العزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ

خطوط کا انسانی زندگی، زبان و ادب اور تاریخ پر گہرا اثر ہے۔ یہ سلسلہ ہائے خطوط اپنے انداز میں جدا اور نرالے ہیں۔ ان کو لکھنے والے القاعدہ برِّ صغیر کی لجنۃ مالیہ کے ایک رکن، عالم و مجاہد بزرگ مولانا قاری ابو حفصہ عبد الحلیم ہیں، جنہیں میادینِ جہاد 'قاری عبد العزیز' کے نام سے جانتے ہیں۔ قاری صاحب سفید داڑھی کے ساتھ کبر سنی میں مصروفِ جہاد رہے اور سنہ ۲۰۱۵ء میں ایک صلیبی امریکی چھاپے کے نتیجے میں، قندھار میں مقامِ شہادت پر فائز ہو گئے، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ۔ قاری صاحب نے میدانِ جہاد سے وقتاً فوقتاً اپنے بہت سے محبین و متعلقین (بشمول اولاد و خاندان) کو خطوط لکھے اور آپ رحمہ اللہ نے خود ہی ان کو مرتب بھی فرمایا۔ ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' ان خطوط کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ پاک ان خطوط کو لکھنے والے، پڑھنے والوں اور شائع کرنے والوں کے لیے توشۂ آخرت بنائے، آمین۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے انتہائی قابلِ احترام عزیز بھائی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد از سلام امید ہے کہ بفضل اللہ خیر و عافیت سے ہوں گے۔ کافی عرصے سے باوجود کوشش کے آپ سے رابطہ نہ ہو سکا۔ امید کرتا ہوں کہ یہ خط آپ تک پہنچ جائے گا اور دلی و روحانی رابطے کے ساتھ ساتھ ظاہری رابطہ بھی ممکن ہو جائے گا۔ مجھے آپ کی مصروفیت کا بخوبی اندازہ ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دل کی گہرائیوں سے دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت آپ کے لیے جلد آسانیاں پیدا کریں اور اللہ تعالیٰ آپ کو صبر و استقامت کے ساتھ آگے بڑھنے اور تمام امور کو بہ آسانی لے کر چلنے کی توفیق دے۔ آپ خوش نصیب و خوش قسمت ہیں کہ آپ اسیروں اور شہیدوں کے خاندان کے کفیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

"اللہ کسی شخص پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت کے مطابق۔"

تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ بھاری بوجھ ڈالا ہے وہی اللہ آپ کو اس ذمہ داری نبھانے کی توفیق بھی دے گا۔

میں پُر امید ہوں کہ آپ اپنی یہ بھاری ذمہ داری اچھی طرح اُٹھا رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید ہمت و حوصلہ عطا کرے اور دنیا و آخرت میں غیر محدود اجرِ عظیم سے نوازے آمین! ثم آمین!!

میرے پیارے بھائی! در حقیقت جنت کا حصول آسان نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو آزمائشوں اور تکالیف سے گھیر رکھا ہے اور اہلِ ایمان کے جان و مال جنت کے عوض خریدے ہوئے ہیں۔ تو جان و مال اس کے راستے میں اخلاص کے ساتھ صرف کر کے ہی جنت کا حصول ممکن بنایا جا سکتا ہے۔ دنیا ہی آخرت کی کھیتی ہے۔ یہ دنیا دار العمل ہے، اسی دنیا میں جنت کے حصول کے لیے کام کرنا ہے۔ ہم ہزاروں لاکھوں لوگوں کو اپنے سامنے اسی دنیا کے حصول کے لیے جان کھپاتے دیکھتے ہیں اور آزمائش سے دوچار ہوتے بھی دیکھتے ہیں۔ ہمیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں اپنی راہ کے لیے منتخب کیا ورنہ ہم اس قابل کہاں تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو دنیا میں آزمائش میں مبتلا کر کے ان کے لیے جنت کا راستہ آسان بناتا ہے۔ اس لیے یہ یقین پختہ رکھیں کہ دنیاوی تکالیف و آزمائشیں یہ پُلِ صراط ہیں۔ اس لیے ان عارضی تکالیف و آزمائشوں کو بوجھ نہ سمجھیں بلکہ جنت کے حصول کا ذریعہ سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ ذمہ داری آپ پر ڈال کر آپ کے لیے جنت کے حصول کو آسان بنایا۔ میں آپ سے ادنیٰ سی عرض یہ کرتا ہوں کہ اس بھاری بھر کم ذمہ داری، جو آپ کے کندھوں پر ہے، کو بحسن و خوبی ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی سے مدد و اعانت مانگیں اور اُسی کو ملجا و ماویٰ بنائیں۔ اگر ہم اُسی رب سے لو لگائیں گے تو ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔ ہماری حتی الامکان یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی والا کام سرزد نہ ہو اور فرائض کی ادائیگی وقت پر ہو۔ فرائض میں نماز ہی وہ اولین فرض ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے تمام تر راز و نیاز کی باتیں کی جاتی ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ سے لو لگانے کا بہترین وسیلہ ہے۔ یہ تمام کاموں میں اولین ترجیح ہو۔ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صحابۂ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا عام معمول تھا کہ جب کبھی مشکل مسئلہ در پیش ہوتا تھا وہ نماز کے لیے دوڑ پڑتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خاص کر کے اپنے پیارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پیارے انداز میں فرمایا کہ اپنی بھاری ذمہ داری سے عہدہ بر آ ہونے کے لیے سب سے کٹ کر میرے ہی ہو کر رہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۝ (سورۃ المزّمّل: ۷ تا ۹)

"دن کے وقت تو تمہیں اور بہت سے شغل ہوتے ہیں۔ تو اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ (وہی) مشرق اور مغرب کا مالک (ہے اور) اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسی کو اپنا کارساز بناؤ۔"

(باقی صفحہ نمبر 59 پر)

مع الأستاذ فاروق

معین الدین شامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں، بلاشبہ اللہ ہی کے لیے ہیں۔ وہ اللہ جو ہمارا ربّ ہے...... ہمارا ہے...... ہمارا اللہ ہے! اسی نے ہمیں پیدا کیا اور وہی ہمیں موت دیتا ہے اور بلاشبہ اس نے موت وحیات کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ دیکھے کہ ہم میں سے کون ہے جو بہترین عمل کرتا ہے؟

مع الأستاذ فاروق، استاذ احمد فاروق کے ساتھ چند ملاقاتیں، ان کی چند یادیں، ان کی قیمتی باتیں، ان کی بعض ایسی باتیں جو مجھے خاص طور پر اچھی لگیں۔ میں استاذ کا محبوب ترین ان کی حیات میں تو شاید نہ تھا لیکن اللہ سے امید ہے کہ ان کی شہادت کے بعد ان شاء اللہ ان کے محبوب ترین لوگوں میں ضرور شامل ہو گیا ہوں گا۔ ہاں ان کی حیات میں ان کے محبوب تر لوگوں میں بہر حال شامل رہا۔ استاذ کی محبت کا حوالہ اس لیے اہم ہے کہ وہ ان شاء اللہ، ہمارے اللہ کے محبوب لوگوں میں سے ایک تھے۔ وہ میرے محبوب تھے اور میں ان کا، اور یہ محبت کی سنہری زنجیر ہے جو ہمارا اللہ کے دربار میں ذکر کا ان شاء اللہ ایک سبب ہے کہ ان شاء اللہ استاذ ہمیں بھولے نہیں ہیں۔ حضرتِ استاذ سے آج تک جتنی ملاقاتیں رہیں، سب کا احوال اور سب کی سب تو یاد نہیں، لیکن جتنی ذہن میں تازہ ہیں سب ہی لکھنے کا ارادہ ہے کہ یہ ان شاء اللہ توشۂ آخرت ہوں گی، مجھ سمیت حضرتِ استاذ کے محبّین کے لیے دنیا و آخرت میں فائدہ مند ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ صحیح بات، صحیح نیت اور صحیح طریقے سے کہنے والوں میں شامل فرمالے۔ نوٹ: ان سلسلہ ہائے مضامین میں جہاں بھی 'استاذ' کا لفظ آئے گا تو اس سے مراد شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق رحمہ اللہ ہوں گے۔

میر ان شاہ میں صحبتِ استاذ کی کچھ یادیں

ألحمد لله و كفىٰ والصلاة والسلام على محمدٍ المصطفى.

أللهم وفقني كما تحب و ترضى والطف بنا في تيسير كل عسير فإن تيسير كل عسير عليك يسير، آمين!

دورۂ شرعیہ اختتام پذیر ہوا اور ہم سب دیگر جہادی معمولات کی جانب لوٹ آئے۔ راقم کے ذمے کاموں میں میر ان شاہ میں رہتے ہوئے کچھ کرنا کم کم ہی تھا لہٰذا یہ عرصہ باقاعدہ مصروفیت کے بغیر ہی گزرا اور میر ان شاہ میں ایک ڈیڑھ ماہ کا عرصہ متفرق کاموں میں صحبتِ استاذ میں گزارنے کا موقع ملا۔ اس عرصے کی چند یادیں یادداشت کی ڈائری میں موجود ہیں، وہی نذرِ قارئین ہیں۔

ایک روز راقم استاذ کے مجموعے کے زیرِ انتظام مضافے (مہمان خانے) میں مخابرے (وائرلیس) پر رابطہ کاری کی خدمت پر مامور تھا۔ ایک صاحب نے مخابرے پر رابطہ کیا اور کسی سے رابطہ کروانے کا کہا۔ میں نے بتایا کہ فلاں صاحب موجود نہیں ہیں۔ رابطے کرنے والے صاحب نے پھر کہا، میں نے وہی جواب دیا اور پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ میں 'بابا' ہوں اور ساتھ ہی ان متعلقہ صاحب سے رابطے کے لیے اصرار کرنے لگے۔ میں نے وہی عرض دہرائی، لیکن کچھ جھنجھلاہٹ بھی میرے لہجے میں شامل ہو گئی۔ 'بابا' نے کہا کہ چلیں جب وہ آجائیں تو رابطہ کروادیں۔ یوں سلسلۂ کلام ختم ہوا۔

کچھ ہی دیر گزری کہ حسن بھائی جو ان دنوں حضرت الاستاذ کے معاون کے طور پر مقرر تھے، آ گئے۔ کہنے لگے حضرت آپ کو بلا رہے ہیں۔ میں ساتھ چل پڑا۔ خدمتِ استاذ میں پہنچا تو بعد از سلام و مختصر حال احوال حضرت نے پوچھا کہ 'معلوم ہے کہ "بابا" کون ہے؟'

میں نے نفی میں جواب دیا۔

استاذ بولے، 'یہ بزرگ مجاہد مولانا قاری سیف اللہ اختر صاحب ہیں'۔ یہ سنتے ہی میں اپنے لہجے میں شامل ہونے والی جھنجھلاہٹ پر شرمندہ ہوا۔

استاذ بولے، 'آپ کو خیال کرنا چاہیے کہ مخابرے پر جس سے بھی بات کریں تو کمالِ ادب اور دلی تواضع سے بات کریں اور پھر خاص کر جب کوئی بڑا مقابل میں ہو تو یہ ادب تو اور بھی بڑھ جانا چاہیے'۔ استاذ نے مختصر سی نصیحت کی، پھر مخصوص انداز سے سر ہلایا، مسکرائے اور کہا کہ 'اب آپ رخصت ہو سکتے ہیں'۔

کچھ ذکرِ خیر مولانا قاری سیف اللہ اختر صاحب شہید، رحمۃ اللہ علیہ کا......

مولانا قاری سیف اللہ اختر صاحب ایک ممتاز بزرگ دینی قائد اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔ انہوں نے اپنی ساری جوانی، کہولت اور پھر بڑھاپا اللہ کے دین کے راستے میں ہجرت، جہاد، قتال، گرفتاریوں اور نفاذِ شریعت کی جدوجہد میں بسر کیا اور بالآخر پیرانہ سالی میں ارضِ ہجرت امارتِ اسلامیہ افغانستان کے صوبۂ غزنی کے ضلع ناوا میں لیلائے شہادت سے ہمکنار ہوئے۔ قاری صاحب ایک عالمِ دین بھی تھے، داعیٔ دینِ متین بھی اور مرابط و مقاتل فی سبیل اللہ بھی۔ قاری صاحب کو عسکری علوم و فنون میں خصوصی مہارت حاصل تھی اور بلا مبالغہ سیکڑوں نوجوانوں کو آپ نے خود امارتِ اسلامیہ افغانستان کے دورِ اول اور اس کے ۱۹۹۶ء میں قیام سے قبل جہادی عسکری ٹریننگ دی جسے 'جند اللہ' کہا جاتا تھا۔

جس طرح قاری صاحب نے اپنی زندگی جرأت و شجاعت کے ساتھ جہاد میں گزاری آپ کا انجامِ کار بھی بالخیر ہوا۔ قاری صاحب کے گھر پر امریکی و افغانی فوج کے کمانڈوز نے فضائی چھاپہ مارا۔ قاری صاحب نے پیرانہ سالی اور سفید داڑھی کے ساتھ مقابلہ کیا اور اپنی کلاشن کوف نہیں رکھی یہاں تک کہ اللہ پاک نے مثلِ شہدا ان کی روح اپنی شان کے مطابق قبض کر لی، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔ نحسبه كذلك والله حسيبه!

یوں میر ان شاہ میں کئی کام کرتے وقت گزرتا رہا، جس میں یومیہ معمول تھا کہ رات گزارنے کے لیے راقم استاذ کی جگہ پر چلا جاتا تھا اور علی الصباح بعد از نمازِ فجر وہاں سے روانہ ہو

جاتا۔ یونہی ایک دن صبح کے وقت میں نے استاذ سے 'ایم ایس جی'[1] جسے عرفِ عام میں 'چائنا سالٹ' کہا جاتا ہے کی حلت و حرمت کا مسئلہ پوچھا۔ حضرت نے فرمایا کہ 'بالتحقیق مجھے نہیں معلوم البتہ ایک عام چیز ہے اور بظاہر میری نظر سے اس کے خلاف کسی مستند عالم کی رائے نہیں گزری۔ جو استعمال کرے اس کو بلا تحقیق مطعون نہ کریں اور نہ ہی بلا وجہ ترویج کی ضرورت ہے'۔

بات ختم ہو گئی۔ شام کو میں معمول کے مطابق جب حضرت کی جگہ پر پہنچا تو باہر ہی حسن بھائی مل گئے۔ کہنے لگے کہ 'آج آپ بچ گئے ہیں!'۔ میں نے پوچھا 'کیوں؟ کیا ہوا؟'۔ کہنے لگے 'صبح آپ نے چائنا سالٹ کا مسئلہ پوچھا اور دوپہر میں مضافے میں تیار مصالحے کے ڈبے سے بریانی پک رہی تھی اور ساتھیوں کے درمیان کچھ تلخی اسی چائنا سالٹ پر ہو گئی، جو پہلے سے عموماً ہر تیار مصالحے کے ڈبے میں موجود ہوتا ہے'۔ 'تلخی کچھ بڑھی تو حضرت کے پاس مسئلہ پہنچا تو انہیں آپ کی صبح کی بات یاد آئی اور انہوں نے کہا کہ اس کو میں نے منع کیا تھا اور یہ سیدھا مضافے میں پہنچ گیا اور یہ بحث شاید اسی نے چھیڑ دی، آنے دو شام کو، خبر لوں گا!'۔ یہ کہہ کر حسن بھائی مسکرائے اور پھر بولے 'شکر کریں کہ آپ نے صبح بحث نہیں کھولی تھی'۔ اس پر میں بھی خوب کھلکھلا کے ہنسا۔ حضرت کی ڈانٹ سے یقیناً ڈر لگتا تھا، لیکن ڈانٹ میں اور ان کی خبر گیری (اگر بہت کوئی سنجیدہ بات نہ ہو تو) میں ایک چاشنی بھی ہوتی تھی، خاص کر جب وہ مذاق مذاق یا ہلکے انداز میں نسبتاً بے تکلف ماحول میں کانوں کی کھنچائی کرتے۔

خیر میں استاذ کے پاس کمرے میں داخل ہوا، سلام کیا۔ وہ اپنے کاموں اور معمولات میں مصروف تھے۔ بعد از مغرب یا بعد از عشاء رات گئے کچھ بات ہوئی تو کہنے لگے 'میں تو پریشان ہو گیا تھا کہ آپ نے مضافے میں یہ بحث شروع کر دی ہے شاید، شکر ہے کہ آپ نے نہیں کی۔ بات یہ ہے کہ جس کے متعلق حرام ہونے کا فتویٰ نہ ہو اور کئی علما اس کو حلال کہتے ہوں اور ہمیں مشتبہ لگ رہی ہو تو اچھی بات یہ ہے کہ ہم خود اس کو چھوڑ دیں لیکن باقیوں پر نافذ نہ کریں'۔

بس اتنی سی بات ہوئی اور بعد ازاں کئی جگہ سے تحقیق کروائی گئی اور پاکستان کے کئی نامی گرامی علما مثلاً مفتی تقی عثمانی صاحب اور مفتی اسماعیل طورو صاحب کے چائنا سالٹ کے متعلق 'حلال' ہونے کے فتاویٰ کا معلوم ہوا اور یوں یہ بحث دم توڑ گئی۔

خیر اوپر ذکر ہوا کانوں کی کھنچائی اور ہلکی سی محبت پر مبنی دل لگی کا تو ایک واقعہ یاد آ گیا وانا کا، جو پہلے نہیں لکھ سکا۔

ایک روز وانا میں بعد از مغرب ہم بیٹھے تھے، میں اپنے کمپیوٹر پر حسبِ ہدایتِ استاذ کسی کام میں مشغول تھا۔ استاذ بھی آ گئے۔ باتوں باتوں میں کہیں علامہ اقبالؒ کا ذکر آ گیا۔ میں اس وقت کم فہم بھی زیادہ تھا اور کچھ شوخ بھی، یونہی میں نے بڑ مار دی کہ 'اقبال شاعر تھوڑا ہی تھا'۔ اس پر استاذ نے مجھے گھور کر دیکھا اور سر کو ہلکا سا جھٹکا دے کر پوچھا 'کیا؟!'۔ میں نے کہا 'اور کیا!' اور دلیل میں کہا کہ اقبال کا اپنا قول ہے کہ 'میں نے اپنے آپ کو کبھی شاعر نہیں سمجھا، کچھ باتیں ہیں جن کے بیان کے لیے شاعری کو ذریعہ سمجھتا ہوں'۔ خیر اس پر حضرت نے کہا کہ آپ بھی کمال باتیں کرتے ہیں اور نسبتاً اُکھڑے سے انداز سے ایک بات کہی جو میں بے کار و ناکارہ محسوس کر بیٹھا۔

اب استاذ نے بھی محسوس کر لیا کہ یہ کچھ ناراض سا ہو گیا ہے۔ بات اصل میں کچھ بھی نہیں تھی یعنی جس کو کہا جائے کہ دراصل کوئی ایشو نہیں تھا اور چند لمحوں میں میرا حال بھی درست ہو جانا تھا، لیکن حضرت خود بھی بہت حساس طبیعت کے تھے، یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی حساسیت کو اپنے اوپر طاری نہ ہونے دیتے تھے۔ لیکن عموماً حقوق اللہ و حقوق العباد کے معاملے میں حساس ہی تھے اور اظہار بھی کیا کرتے۔ فوراً انہوں نے وہاں موجود ایک دفتر (کاپی) اٹھائی اور قلم لیا اور کچھ لکھ کر میری طرف بڑھا دیا۔ اس پر لکھا تھا 'میں نے آپ کی دل شکنی کی اس پر مجھے معاف کر دیں!'۔

میں یہ پڑھ کر اور شرمندہ ہوا، دراصل میں شرمندہ پہلے ہی ہو رہا تھا کہ میں نے ایک بے کار بات کی تھی۔ اس پر میں نے معذرت کی۔ حضرت کی تواضع اور محبت تھی کہ اسی پر نہ رکے بلکہ وہاں موجود دیگر ساتھیوں سے پوچھا کہ 'اگر کوئی چھوٹا بھائی بڑے بھائی سے ناراض ہو جائے تو بڑا بھائی کیا کرے؟'۔ جس پر ایک ساتھی نے کہا کہ کچھ میٹھا اس کو کھلایا جائے۔ استاذ اس پر فوراً اٹھ گئے اور غالباً یا اسی رات یا اگلے دن کچھ میٹھا غالباً کسٹرڈ یا کھیر گھر سے بنوا کر لے آئے۔ اللہ پاک استاذ پر ڈھیروں رحمتیں کرے اور جو اچھے اخلاق اور جہادی فکر و تدبر وہ اپنے رفقا اور شاگردوں میں دیکھنا چاہتے تھے اور جس کی محنت کیا کرتے تھے وہ مجھ میں اور دیگر ساتھیوں میں بھی عام فرمادے، آمین۔

ایک اور دن کا ذکر ہے کہ 'وکی لیکس' کے ایڈیٹر اِن چیف 'جولین اسانج' (Julian Assange) کے متعلق بات ہونے لگی تو میں نے کہا کہ 'اس نے کیوں اتنے راز افشا کیے ہیں؟ کوئی چکر تو ہو گا؟!'۔ اس پر استاذ مجھے سمجھانے لگے کہ 'ہر چیز کے پیچھے سازشی نظریہ (conspiracy theory) تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہمارے لوگوں کا مزاج بن گیا ہے کہ ہر چیز کے پیچھے کانسپیریسی تلاش کرتے ہیں اور نکال کر دم لیتے ہیں۔ دنیا میں بہت سے ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کا پیشہ یا کام یا جیسا بھی وہ نظریہ رکھتے ہیں وہی ان کا عقیدہ ہوتا ہے۔ بس اپنے اس عقیدے کے لیے اور دنیا میں جسے جمہوریت اور حقوق کہتے ہیں اسی کی حفاظت کے لیے ان کو اگر اپنی ہی حکومتوں اور جمہوریتوں اور نظاموں میں کچھ "حقوق" کی حق تلفی نظر آئے تو وہ اس پر بات کرتے ہیں۔ دنیا میں بہت سی سازشیں ہوتی ہیں لیکن ہر چیز سازش نہیں ہوتی اور ہر چیز کے پیچھے "یہودی" نہیں چھپے ہوتے۔ (باقی صفحہ نمبر 59 پر)

---

[1] Monosodium Glutamate

موجودہ ریاستیں اور خلافتِ اسلامیہ

زاہد صدیق مغل

دنیا کے پانچ درجن کے لگ بھگ مسلم ممالک میں اس وقت کس نوعیت کا اجتماعی نظام مؤثر طور پر کار فرما ہے اور یہاں کے 'مسلم' معاشرے کن اساسی تصورات کے تحت تشکیل پا رہے ہیں، یہ اس دور کے باشعور مسلمانوں کے لیے بنیادی اہمیت کا سوال ہے۔ اس بارے میں ایک واضح موقف اختیار کرنے کے بعد ہی معاشرتی اصلاح کے دینی فریضے سے عہدہ برآ ہونے کے لیے موزوں لائحۂ عمل تجویز اور اختیار کیا جا سکتا ہے۔ زیرِ نظر تحریر میں مغربی ریاست اور اسلامی اجتماعیت کے بعض فکری پہلوؤں کا تقابل کرتے ہوئے بعض اہم نکات کی نشان دہی کی ایک مخلصانہ کوشش کی گئی ہے۔ معمولی تصرف کے ساتھ یہ تحریر نذرِ قارئین ہے، نیز بعض جگہ قوسین میں موجود زاہد صدیق مغل صاحب ہی کی عبارتوں کو حاشیے میں درج کر دیا گیا ہے۔ (ادارہ)

اس مضمون میں ہم خلافت اور موجودہ مسلم ریاستوں کے بنیادی فرق پر روشنی ڈالیں گے، جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ موجودہ مسلم ریاستیں خیر القرون کی خلافت تو کجا، خلافتِ عثمانیہ و مغلیہ کے ہم پلہ بھی نہیں۔ درج ذیل تمام فرق بذاتِ خود تفصیل طلب موضوعات ہیں لیکن نفسِ مضمون کا لحاظ اور خوفِ طوالت کے سبب ہم اختصار کو ملحوظِ خاطر رکھیں گے۔

اوّل: قومی ریاست بمقابلہ اسلامی ریاست

خلافت اور موجودہ ریاستوں کا پہلا فرق یہ ہے کہ اب ہم نے قومی ریاستیں قائم کر لی ہیں جب کہ پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔ قوم کا مطلب ہے:

"ایک مخصوص جغرافیائی حدود کی بنا پر اپنا تشخص تلاش کرنا، جیسے پاکستانی، عراقی، افغانی، مصری وغیرہ۔"

یہ ویزے اور سفارت خانوں کی بھرمار اسی قوم پرستانہ تصورِ تشخص کا نتیجہ ہے۔ قوم پرستی کی چند بنیادی "صفات" ہیں:

1. اس کی بنیاد نفرت ہوتی ہے یعنی قوم پرستی اپنی قوم کے علاوہ دوسروں کو اپنا حریف سمجھنے کا تقاضا کرتی ہے۔
2. خیر و شر کو قومی پیمانوں پر طے کیا جاتا ہے یعنی خیر اسی شے کو سمجھا جاتا ہے جو ایک مخصوص جغرافیے میں رہنے والے افراد کے لیے بہتر ہو جیسا کہ (امریکہ کے خلاف) جہادِ افغانستان کے وقت پاکستانی حکومت نے "سب سے پہلے پاکستان" کا نعرہ لگا کر کیا۔
3. قوم ہمیشہ اپنے لیے جیتی ہے، اس کا مطمحِ نظر مادی ترقی اور حصولِ طاقت کے ذریعے صرف ایک مخصوص علاقے کے لوگوں کا معیارِ زندگی بلند کرنا ہوتا ہے، اسی معنی میں قومی ریاست صرف سرمایہ دارانہ ریاست ہوتی ہے جس کا مقصد افراد کی آزادی یعنی سرمائے میں لامتناہی اضافہ کرنا ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ قوم پرستی سرمایہ داری کی مختلف تعبیرات میں سے ایک تعبیر ہی ہے۔
4. قوم کے پاس مادی ترقی و خوشحالی کے علاوہ نوعِ انسانی کی فلاح و ہدایت کا کوئی دوسرا لائحۂ عمل نہیں ہوتا۔ سرمائے کی بڑھوتری ہی وہ واحد خیر ہے جسے قوم خود بھی اپناتی ہے اور دوسروں کو بھی اس کی طرف دعوت دیتی ہے۔
5. قومیت کبھی جغرافیائی حدود پار نہیں کر سکتی یعنی قوم پرستانہ نظریے کے لیے کسی دوسرے علاقے کے رہنے والے لوگوں کو اپنی شناخت میں سمو لینے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔
6. اسی لیے قومی ریاست ہمیشہ ایک استعماری ریاست ہوتی ہے جس کا مقصد دوسروں کو مغلوب کرنا ہوتا ہے، یعنی ایک قوم پرست شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی قوم باقی قوموں پر غالب آ جائے اور انھیں محکوم بنا کر رکھے، لہٰذا ہر وہ کام 'خیر' کہلاتا ہے جو قوم کے غلبے کا باعث بنے۔

قومیت کا یہ تشخص اور اس کا استحکام و پھیلاؤ اُمت کے اس بنیادی تصور ہی کے خلاف ہے جہاں جغرافیائی حدود بے معنی ہیں اور جس کے مطابق اسے اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے جینا ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آلِ عمران: ۱۱۰)

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے۔"

یعنی امتِ مسلمہ کا مقصد بنی نوعِ آدمؑ کی اصلاح ہے۔ اس تصورِ ملت میں صرف دو ہی گروہ ہیں، ایک امتِ اجابت اور دوسری امتِ دعوت، گویا یہاں اُمتِ مسلمہ کا تعلق ملتِ کفر کے ساتھ نفرت کے اُصول پر نہیں بلکہ دعوت و اصلاح کے اُصول پر استوار ہے اور اگر کسی وجہ سے ملتِ کفر کے ساتھ لڑائی و دشمنی کا معاملہ ہے بھی تو اس لیے نہیں کہ دنیا کے مال و متاع پر قبضہ کرنے کے نتیجے میں وہ ہم سے آگے نکل گئے ہیں بلکہ اس تنازع کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ دنیا میں فتنے کا باعث بن رہے ہیں اور وہ حق کی اس دعوت کے پھیلاؤ میں مزاحم ہیں، جو انسانوں کے خالق نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے۔

تصورِ قومیت اور امت کبھی ایک ساتھ پنپ نہیں سکتے، کیوں کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، اوّل الذکر کی بنیاد نفرت جب کہ مؤخر الذکر کی بنیاد محبت پر ہے۔ اسلامی ریاست[1] استعماری نہیں بلکہ جہادی ہوتی ہے، جہاں ریاست کی توسیع کا مقصد دوسروں کو محکوم بنانا نہیں بلکہ دعوت و تبلیغِ اسلام کے مواقع پیدا کرکے دوسروں کو اُمتِ مسلمہ میں شریک کرنا ہوتا ہے اور اس تسخیرِ قلوب کے مقصد کے لیے طاقت سے بڑھ کر کردار کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ اسلامی خلافتیں ہمیشہ جہادی رہی ہیں یہاں تک کہ خلافتِ عثمانیہ و مغلیہ بھی جہادی ریاستیں ہی تھیں جن میں پھیلاؤ آتا رہا، مثلاً خلافتِ عثمانیہ عثمان خان کے دور ۱۲۸۸ء میں صرف ساڑھے سات ہزار مربع میل سے شروع ہو کر محمد فاتح کے دور ۱۴۸۱ء تک ایک لاکھ مربع میل سے بھی زیادہ ہو گئی تھی۔

دوم: نمائندگیِ عوام بمقابلہ نیابتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

موجودہ جمہوری ریاستوں میں عوام کو رعایا کی بجائے Citizens یعنی اصل حاکم (Autonomous) مانا جاتا ہے اور ریاست و حکومت محض عوام کی سوچ اور خواہشات کو پورا کرنے کے لیے عوام کی نمائندگی کا نام ہے۔ یعنی حکومت چلانے والے افراد عوامی نمائندے (Representatives) ہوتے ہیں جن کا مقصد حصولِ لذت کی ذہنیت کا عموم اور عوام کی خواہشات کی تسکین کے لیے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کرنا ہوتا ہے۔ یہی عوامی نمائندگی جمہوریت کی حقیقت ہے، جہاں مفادات ہی وہ پیمانہ ہیں جس پر ریاست و جمہور کے تعلق کو پرکھا جاتا ہے۔ حاکم و محکوم کے درمیان میں یہی رشتہ ہے، قیادت اور عوام کے مابین یہی میثاقِ وفا ہے۔ جو اسے پورا کرے اس کی حمایت کی جاتی ہے اور جو عوام کی جھولی کو مراعات و سہولیات سے نہ بھر سکے، اس کا عمل قابلِ اتباع نہیں ہوتا۔

سارا جمہوری فلسفہ، اس چھتری کے تحت قائم ادارے اور این جی اوز وغیرہ اسی عقیدے کے فروغ کا وسیلہ ہیں۔ جمہوریت کا معنی ہی یہی ہے کہ فیصلے عوام کی مرضی اور خواہشات کی بنا پر ہونے چاہئیں، گویا اس کا مطلب خیر و شر کا منبع انسانی خواہشات کو مان لینا ہے۔ اس کے مقابلے میں اسلامی ریاست میں عوام Subject (یعنی رعایا) ہوتے ہیں اور خلیفہ عوام الناس کا نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سیاسی نائب ہوتا ہے، جس کی ذمہ داری عوام الناس کی خواہشات کو شریعت کے تابع کرنے کی ذہنیت عام کرنا ہوتی ہے، نہ یہ کہ خود عوام کی خواہشات کے پیچھے چلنا! اسی معنی میں جو ریاست جتنی زیادہ جمہوری ہوتی ہے اتنی زیادہ غیر اسلامی ہوتی ہے۔ گویا جمہوریت میں پیری مریدی کا تعلق ہی اُلٹ جاتا ہے، یہاں عوام بجائے مُرید کے پیر (فیصلہ کرنے والے اور ہدایت دینے والے) بن جاتے ہیں اور حاکم جس کا کام لوگوں کی رشد و ہدایت کا انتظام کرنا ہوتا ہے، اس معنی میں مرید بن جاتا ہے کہ ہر کام سے پہلے عوام الناس کی خواہشات کی طرف دیکھتا ہے۔

لوگوں نے ووٹ کو بیعت کا متبادل سمجھ لیا ہے، حالانکہ ووٹ تو بیعت کی عین ضد ہے۔ بیعت کا مطلب حصولِ ہدایت کے لیے عوام کا اپنے نفس کو کسی بلند ترین ہستی کے سپرد کر دینا ہے، جب کہ ووٹ کا مطلب عوام کی حکمرانی قبول کرکے حاکم کا خود کو ان کے نفس کے سپرد کر دینا ہے۔ علمِ اسلامی میں خیر کے تعین میں عوام کی خواہشات اور اس کی کثرت کی کوئی شرعی حیثیت ہے ہی نہیں، بلکہ خلافت میں فیصلے اس بنیاد پر ہوتے ہیں کہ کسی معاملے میں شارع کی منشا و رضا حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اور ظاہر ہے، یہ طے کرنے والے علما ہی ہوتے ہیں جو درحقیقت قرآن و سنت کا علم رکھتے ہیں۔ چنانچہ نمائندگیِ عوام کا تصور نہ تو کبھی کسی اسلامی ریاست بشمول خلافتِ راشدہ میں ہی ملتا ہے اور نہ ہی اسلامی تعلیمات میں اس کا کوئی ذکر ہے۔ دوسرے لفظوں میں عوام الناس کی حاکمیت اور نمائندگی کے تصورات بدعاتِ سیّئہ ہیں۔

لوگوں نے ووٹ کو بیعت کا متبادل سمجھ لیا ہے، حالانکہ ووٹ تو بیعت کی عین ضد ہے۔ بیعت کا مطلب حصولِ ہدایت کے لیے عوام کا اپنے نفس کو کسی بلند ترین ہستی کے سپرد کر دینا ہے، جب کہ ووٹ کا مطلب عوام کی حکمرانی قبول کرکے حاکم کا خود کو ان کے نفس کے سپرد کر دینا ہے۔

سوم: سوشل سائنسز بمقابلہ علومِ شرعیہ کی بالادستی

اسلامی ریاست کے قیام کا خواب اس وقت تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا جب تک اسلامی علوم (یعنی علمِ کتاب و سنت، فقہ اور زہد و تقویٰ) کا معاشرتی غلبہ قائم نہ ہو جائے، کیوں کہ نظامِ علم ہی ریاستی حکمتِ عملی اور اسے نافذ کرنے والے افراد مہیا کرتا ہے۔ ہر نظامِ علمیت معاشرے میں تین بنیادی مقاصد انجام دیتا ہے:

1. غالب علمی و ثقافتی ورثے کو اس طرح اگلی نسل تک منتقل کرنا کہ اسے حاصل کیے بغیر معاشرے میں کامیاب زندگی کا تصور ناممکن ہو جائے۔
2. افراد کو چند مخصوص مقاصدِ زندگی اور معاشرتی اقدار بطور مقصدِ حیات قبول کرنے پر تیار کرکے معاشرے میں فکری ہم آہنگی پیدا کرنا۔
3. افراد کے تعلقات کے نتیجے میں قائم شدہ معاشرے اور ریاست کو پیش آمدہ مسائل حل کرنے کے لیے حکمتِ عملی اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے اس علمیت کے حامل باصلاحیت افراد فراہم کرنا۔

چنانچہ کوئی معاشرہ و ریاست تبھی اسلامی بن سکتا ہے کہ جب اس کی غالب علمیت سائنس (بشمول نیچرل و سوشل سائنسز) نہیں بلکہ اسلامی علمیت ہو، کیوں کہ جب تک اسلامی علمیت

[1] دار الاسلام کو اسلامی ریاست کہنا درست تو نہیں لیکن یہ عام فہم ہے اس لیے یہاں یہ اصطلاح استعمال کی جا رہی ہے۔

غالب نہیں ہو گی معاشرتی فیصلوں اور ریاستی حکمتِ عملی کی اسلامی بنیاد فراہم نہیں کی جاسکتی۔اسلامی علمیت درحقیقت کتاب وسنت ،عقیدہ ،فقہ اور زہد و تقویٰ کی صورت میں متشکل ہو کر سامنے آتی ہے۔ مثلاً فقہ اسلامی کا مقصد قرآن وسنت میں وارد شدہ نصوص سے وہ مسائل اخذ کرنا ہے جن کی روشنی میں یہ طے کیا جاسکے کہ اَن گنت انسانی اعمال و افعال سے رضائے الٰہی کے حصول کا درست طریقہ کیا ہے، نیز یہ معلوم کیا جاسکے کہ افراد کے تعلقات کو کن ضروری بندشوں کا پابند بناکر معاشرے کو احکاماتِ الٰہی کے تابع کیا جاسکتا ہے۔

بالکل اسی طرح مغربی سوشل سائنسز کا دائرۂ کار سرمایہ دارانہ معاشرے وریاست کا جواز،اس کے امکانِ قیام کے لیے ضروری حالات کی نشان دہی وریاستی لائحۂ عمل کی ترتیب و تنظیم کرنا ہے۔ جدید سوشل سائنسز کا مقصد ایک طرف سرمایہ دارانہ شخصیت ،معاشرے وریاست کی علمی توجیہ پیش کرنا ہے اور دوسری طرف یہ افراد کے تعلقات میں آزادی کی ان لازمی حدود کا تعین کرنے کے اصول وضع کرتی ہیں جن کے نتیجے میں سرمایہ دارانہ معاشرتی و ریاستی صف بندی وجود میں آسکے۔ دوسرے لفظوں میں سوشل سائنسز کا دائرۂ عمل ایک ایسے نئے دستور، نئے قانون اور نئے معاشرتی نظام و سیاسی ڈھانچے کا قیام ہے جسے الہامی اور آسمانی قانون سے کوئی واسطہ یا رابطہ نہ ہو، جہاں کوئی رعایا (Subject) نہ ہو بلکہ سب شہری (Citizens) ہوں۔ اس پس منظر میں اسلامی تاریخ اور موجودہ ریاستوں پر غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ ہماری پوری تاریخ میں جو علمیت غالب رہی، وہ اسلامی علمیت تھی، جس کا ایک مظہر موجودہ درسِ نظامی ہے جو درحقیقت سلطنتِ مغلیہ میں ایک طرح کا ''سول سرونٹ کورس'' تھا۔

چنانچہ ہماری تاریخ میں اسلامی عِلمیت ہی کی بنیاد پر ریاستی حکمتِ عملی وضع کی جاتی تھی، گو کہ اس حکمتِ عملی میں حکمران اپنے بعض ذاتی مفادات کو بھی شامل کر دیتے تھے۔ اس کی مثال بالکل اسی طرح ہے جیسے دورِ حاضر میں ریاستی حکمتِ عملی سوشل سائنسز بالخصوص علمِ معاشیات کے اصولوں سے طے کی جاتی ہے اور حکمران طبقہ اسی حکمتِ عملی کے اندر رہتے ہوئے، ساتھ ساتھ اپنے مفادات کا تحفظ بھی کرتا ہے۔

سب دیکھ سکتے ہیں کہ جوں جوں سائنسی عِلمیت (مادہ پرستانہ افادیت) کو عروج حاصل ہوتا ہے، اسی رفتار سے اسلامی عِلمیت معاشروں میں بے معنی ہوتی چلی جاتی ہے۔ سائنسی علم کا معنی لامحدود انسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے کائنات پر ارادۂ انسانی کا تسلط قائم کرنا ہے۔ سائنسی عِلمیت کے مطابق 'علم' رضائے الٰہی کے حصول کا طریقہ جان لینا نہیں بلکہ تسخیرِ کائنات یا بہ الفاظِ دیگر انسانی ارادے کے کائناتی قوتوں پر تسلط قائم کرنے کا طریقہ جان لینے کا نام ہے اور سائنسی علمیت اس جاہلانہ ذہنیت و جنون کو پروان چڑھاتی ہے کہ انسانی عقل کو استعمال کر کے فطرت کے تمام رازوں سے پردہ اُٹھانا نیز انسانی ارادے کو خود اس کے اپنے سوا ہر بالاتر قوت سے آزاد کرنا عین ممکن ہے۔

دوسرے لفظوں میں سائنسی عِلمیت کا مقصد انسان کو خود اپنا خدا ابننے کا مکلف بناتا ہے۔ یہ تصورِ علم ایک ایسی شخصیت کا علمی جواز فراہم کرتا ہے جو انبیائے کرام کی تعلیمات سے کوسوں دور اور اخلاقِ رذیلہ سے متصف ہونے کے باوجود بھی معاشرے میں ایک باعزت علمی مقام پر فائز ہو سکتی ہے۔ یہ عِلمیت ایسا ریاستی لائحۂ عمل فراہم کرتی ہے جس میں فیصلوں کی بنیاد شارع کے حکم کی بجائے لوگوں کی خواہشات ہوتی ہے۔ چونکہ موجودہ مسلم ریاستوں میں غالب عِلمیت یہی جاہلی علمیت ہے لہٰذا یہ کسی بھی معنی میں اسلامی خلافت کے ہم پلہ نہیں ہیں بلکہ جیسے جیسے یہ ممالک اس علمیت کے شکنجے میں پھنستے جارہے ہیں، اتنا ہی زیادہ یہ استعمار کے وفادار اور طاغوتی نظام کے حامی وناصر بنتے جارہے ہیں۔

چہارم: دستور(ہیومن رائٹس) بمقابلہ شریعت(نظامِ عدل و قضا) کی بالادستی

ہمارے ملکوں کا نظام قانون آئین یا دستور پر مبنی ہے اور دستور وہ شے ہے جو حاکمیتِ الٰہی کی نفی اور حاکمیتِ انسان کی بالادستی قائم کرتا ہے اور نفاذِ شریعت کے امکانات کالعدم کر دیتا ہے؛ جس کی وجہ یہ ہے کہ دستور کتابِ الٰہی کا متبادل ہے اور جمہوری ریاستوں میں اسے ویسی ہی تقدیس حاصل ہوتی ہے جیسی مذہبی ریاستوں میں کتابِ الٰہی کو! دستور میں قانون سازی کی بنیاد ہیومن رائٹس ہوتے ہیں جس کے مطابق فرد کو اپنی آزادی استعمال کر کے خواہشات کی تسکین کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ اس قانون سازی کے دو بڑے مقاصد ہوتے ہیں:

اَ۔ ہر فرد کے اس حق کو ممکن بنانا کہ وہ زیادہ سے زیادہ مکلف ہو سکے (یعنی جو چاہنا چاہے، چاہ سکے اور اسے حاصل کرنے کا زیادہ سے زیادہ مکلف ہو سکے) یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے کی عین ویسی ہی آزادی میں رکاوٹ نہ بنے۔

یعنی اس بات کو طے کرنے کے لیے کہ افراد کو کیا کرنے کی اجازت ہو گی، اس سوال کا جواب دینا چاہیے کہ کیا تمام افراد کو اس عمل کی اجازت دینے کے بعد بھی اس عمل کو کرنا ممکن ہے یا نہیں؟ مثلاً فرض کریں: ایک شخص چاہتا ہے کہ وہ شراب پیے، اب سوال یہ ہے کہ اگر تمام افراد ایسا کریں تو کیا ایسا کرنا ممکن ہے؟ چونکہ تمام افراد کو اس فعل کی اجازت دینے سے افراد کی خواہشات میں کوئی تصادم لازم نہیں آتا، لہٰذا شراب پینا بالکل درست عمل ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ شراب پی کر کار چلائے تو یہ ٹھیک نہیں، کیوں کہ اگر تمام افراد کو ایسا کرنے کی اجازت دے دی جائے تو کوئی بھی شخص گاڑی نہیں چلا سکتا، جس سے واضح ہوا کہ شراب پینا تو ٹھیک عمل ہے مگر شراب پی کر گاڑی چلانا غلط ہے!!! اس جاہلانہ اُصول کے مطابق ایک بھائی کا اپنی بہن سے، باپ کا بیٹی سے اور بیٹے کا ماں سے بدکاری کرنا عین درست عمل ہے، کیوں کہ اگر تمام افراد ایسا کرنے لگیں تو بھی ایسا کرنے میں افراد کی خواہشات میں ٹکراؤ کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔ اخلاقیات کے اسی اُصول کو کانٹ (Kant) کا آفاقی اُصول (Principle of Universalizability) کہا جاتا ہے۔ اسی اصول کے

مطابق ایک فرد کا ہر وہ فعل اور خواہش قانوناً جائز ہے جسے وہ خواہشات میں ٹکراؤ آئے بغیر تمام انسانوں کو کرنے کی اجازت دینے پر تیار ہو سکتا ہے۔

ب۔ ہر فرد کے اس مساوی حق کو ممکن بنانا کہ وہ دوسروں کو اپنی آزادی اس طرح استعمال کرنے پر مجبور کر سکے جس سے وہ دوسرا شخص اس فرد کی آزادی میں مداخلت نہ کر سکے۔ یعنی اگر ایک باپ اپنی بیٹی کو یونی ورسٹی کے کسی رات کے فنکشن میں جانے سے منع کرے تو اس بیٹی کو اس بات کا حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ پولیس کو بُلوا کر اپنے باپ کو جیل بھجوا دے اور خود یونی ورسٹی جا سکے۔ اسی طرح اگر ایک باپ اپنی اولاد کو نماز نہ ادا کرنے پر سرزنش کرے تو اولاد کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ باپ کو ان کی آزادی میں مداخلت کرنے سے روک سکیں۔

دستور کے مطابق افراد کی خواہشات ہی وہ اساس ہیں جو ایک جمہوری معاشرے میں قانون سازی کی واحد بنیاد بن سکتی ہیں، نیز یہ کہ افراد اپنے اس حق کو اس طرح استعمال کریں کہ جس کے نتیجے میں افراد کی خواہشات میں اس طرح تحدید ہو کہ افراد کی آزادی میں بحیثیت مجموعی زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو سکے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر و بیشتر ریاستیں ہیومن رائٹس پر مبنی دستوری ریاستیں ہیں، جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ یہ لبرل سیکولر ریاستیں ہیں۔

اس کے بر خلاف خلافت کا منصب نظامِ قضا کا تقاضا کرتا ہے جہاں فیصلے شرع کی روشنی میں طے کیے جاتے ہوں۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ پوری اسلامی تاریخ میں ریاستی قانون کی بنیاد شریعت رہی ہے، جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ہماری عدالتوں میں شرعی نظامِ قضا قائم تھا جہاں اسلامی علمیت کے ماہر افراد شریعت کی روشنی میں فیصلے کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مغلیہ دور کے عالم گیرؒ نے کوئی دستور نہیں بلکہ فقہائے کرام کے فتاویٰ کو جمع کر کے اسے اپنی سلطنت کا قانون بنا دیا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ افراد کے معاملات اس دور کے مسلمان حکمران کی دانست میں شرعی احکامات کے مطابق طے ہوتے تھے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ کسی خاص فقہ کی تعلیمات کے مطابق ہوں۔ اسی طرح ہمارے ہاں حسبہ کا ادارہ بھی قائم تھا جس کا مقصد نہی عن المنکر کی بنیاد پر لوگوں سے اطاعت کرانا تھا۔ الغرض حاکمیتِ دستور اور نفاذِ شریعت واعلائے کلمۃ اللہ دو متضاد مقاصد ہیں، نظامِ قضا وحسبہ اس وقت قائم ہو سکتا ہے جب اسلامی عِلمیت اور اس کے حاملین افراد کا معاشرتی غلبہ ہو نہ کہ دستور اور سوشل سائنسز کا!!!

پنجم: مذہبی معاشرت بمقابلہ سول سوسائٹی:

معاشرے سے مُراد وہ ادارے ہیں جو افراد کے ان تعلقات سے وجود میں آتے ہیں جنھیں وہ برضا و رغبت اختیار کرتے ہیں۔ کسی بھی معاشرتی صف بندی کی نوعیت افراد کے ان مقاصد اور ان اقدار پر مبنی ہوتی ہے جن کے حصول کی خاطر وہ آپس میں تعلقات قائم کرتے ہیں۔ یعنی معاشرتی تنظیم کی ہیئت اور نوعیت اس بات پر منحصر ہے کہ جو افراد یہ معاشرہ بنا رہے ہیں ان کے میلانات، رجحانات اور خواہشات کیا ہیں اور وہ دوسروں سے تعلقات استوار کر کے کن مقاصد کا حصول چاہتے ہیں۔ چونکہ سرمایہ دارانہ معاشرے میں ہر فرد اپنی خواہشات کی تکمیل کرنا چاہتا ہے، لہٰذا لوگ جس بنیاد پر اپنے تعلقات قائم کرتے ہیں وہ ان کی ”ذاتی غرض“ (Self Interest) ہوتی ہے، یعنی ہر فرد ان تعلقات و روابط کے ذریعے اپنی کسی ذاتی خواہش ہی کی تکمیل چاہتا ہے۔ ایسے تعلقات سے تعمیر ہونے والے معاشرے کو مارکیٹ یا سول سوسائٹی کہتے ہیں، جہاں ہر تعلق اغراض کی طلب و رسد (Demand & Supply) کے اُصول پر قائم ہوتا ہے۔ ایسی سوسائٹی میں ہر شخص اپنی اغراض کی بنیاد پر Interest groups (غرضی گروہ) بناتا ہے، مثلاً محلہ و مارکیٹ کمیٹیاں، مزدور تنظیمیں، اساتذہ و طلبہ تنظیمیں، صارفین و تاجروں کی یونین، عورتوں اور بچوں کے حقوق کی تنظیمیں اور دیگر این جی اوز وغیرہ، اس کے اظہار کے مختلف طریقے ہیں۔ جہاں تعلقات کی بنیاد صلہ رحمی یا محبت نہیں بلکہ اغراض ہوتی ہیں۔ جتنے زیادہ افراد ان اداروں پر منحصر ہوتے چلے جاتے ہیں، سول سوسائٹی اتنی ہی مضبوط ہوتی چلی جاتی ہے۔ نتیجتاً ذاتی اغراض و مقاصد کی ذہنیت و سیاست پختہ ہوتی چلی جاتی ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کا اصل مقصد ہے۔

سول سوسائٹی کی اکائیاں اسی وقت وجود میں آتی ہیں جب خاندان کا ادارہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ یہ اکائیاں فرد کی زندگی کے اس خلا کو پُر کرنے کے لیے وجود میں آتی ہیں جو روایتی اداروں کے ختم ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ سول سوسائٹی درحقیقت مذہبی معاشرت کی ضد ہے جہاں تعلقات کی بنیاد صلہ رحمی، محبت اور باہمی تعاون کا جذبہ ہوتا ہے اور ان جذبات پر مبنی تعلقات کی بنیاد پر جو فطری ادارہ تشکیل پاتا ہے، اسے خاندان و برادری کہتے ہیں، جو اسلامی معاشرت کا جزوِ اوّل ہے۔ پوری اسلامی تاریخ میں ہماری معاشرت اسلامی تھی۔ تعلقات کی بنیاد صلہ رحمی تھی جس کی وجہ سے خاندان مضبوط تھا، حرص وہوس کو معاشرتی عموم حاصل نہ تھا۔ مخلوط معاشرت کی وبا ظاہر نہ ہوئی تھی اور تقریباً تمام افراد تزکیۂ نفس کے لیے بھی عبادات اور شریعت کی دیگر رہنمائی پر عمل کرتے تھے۔ موجودہ مسلم ریاستوں میں جو معاشرت عام ہو رہی ہے وہ اسلامی نہیں بلکہ سول سوسائٹی ہے جس کا سب بڑا اظہار خاندان و برادری کی کمزوری، بے حیائی و فحاشی کے فروغ اور افراد کے تربیت گاہوں سے لاتعلق ہو جانے کی صورت میں واضح ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ہماری حکومتیں جس نوعیت کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہیں، وہ سول سوسائٹی کو مضبوط اور مذہبی معاشرت کو کمزور کرنے کے لیے مؤثر ترین ہتھیار ہے۔

بعض شبہات اور ان کے جوابات

شبہ نمبر ۱: مسلم ممالک میں نماز جمعہ، نکاح، حج و دیگر فرائض ادا کرنے کی پوری آزادی ہے تو پھر ان پر ”کافرانہ یا فاسقانہ ریاست“ کا لیبل کیوں چسپاں کیا جائے؟

یہ امور جتنے گنوائے گئے ہیں، ان سب کی ادائیگی کی اجازت تو دورِ برطانیہ میں بھی تھی، نیز موجودہ ہندوستان کے مسلمان بھی انہیں آزادی کے ساتھ ادا کرتے ہیں، اور تو اور یورپ اور امریکہ وغیرہ میں بھی نماز جمعہ، نکاح، حج و دیگر فرائضِ اسلامی ادا کرنے کی پوری آزادی ہے تو کیا یہ سب ملک دارالاسلام ٹھہریں گے؟

مزید برآں جیسے ایک فرد کا ایمان معتبر ہونے کے لیے چند شرائط ہیں بالکل اسی طرح ریاست بھی اسلامی تب ہی ہوتی ہے جب وہ اسلامی اصولوں کے مطابق قائم ہو، گو کہ اس میں عملی خامیاں قبول کی جاسکتی ہیں مگر اُصولی باتوں پر ایمان لانا تو شرط ہے۔ اکثر و بیشتر موجودہ مسلم حکومتیں تو سرمایہ دارانہ نظام پر مبنی ہیں، جہاں اقتدار کا منبع عوام کی خواہشات کو مان لیا گیا ہے۔ شرع کی بجائے ہیومن رائٹس پر مبنی دستور نافذ ہے تو یہ اسلامی کیسے ہو گئیں؟ مسئلہ یہ ہے کہ ہم سرمایہ داری کو صحیح طریقے سے پہچانتے نہیں، جس کی وجہ سے ایسے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ اگر مسلمان عیسائی قانون کے مطابق ریاست چلائیں تو کیا وہ اسلامی ریاست ہو گی؟ بالکل اسی طرح اگر مسلمان سرمایہ دارانہ قانون کے مطابق ریاست چلائیں گے تو وہ ریاست اسلامی نہیں ہو گی، کیوں کہ سرمایہ داری بھی عیسائیت ہی کی طرح ایک مستقل کافرانہ 'مذہب' ہے۔

شبہ نمبر ۲: کیا پاکستان کے آئین میں قرآن و سنت کے منافی قانون سازی نہ کر سکنے کا آرٹیکل اسے اسلامی ریاست نہیں بنا دیتا؟

1. ۱۹۴۹ء کی قراردادِ مقاصد ہو یا ۱۹۷۳ء کا دستور، علما اس میں ایسے ہی دھوکہ کھا گئے جیسے سترہویں ترمیم کے وقت مشرف سے دھوکہ کھا گئے تھے۔ علما پر دستوری ریاست و ہیومن رائٹس کی حقیقت صحیح طریقے سے واضح نہ ہو سکی تھی جس کی بنا پر اُنہوں نے دستور میں مذہب کی پیوند کاری کرنے کی کوششیں کیں، حالانکہ جس شے کو اُصولاً رد کرنا چاہیے تھا، وہ بذاتِ خود ہیومن رائٹس پر مبنی دستوری قانون ہے جو کہ کتاب و سنت کا عملی متبادل ہے۔ ہیومن رائٹس پر مبنی دستور میں مذہبی پیوند کاری کی مثال ایسی ہے جیسے عقیدۂ تثلیث میں توحید تلاش کرنا۔ ہو سکتا ہے علما نے ۱۹۴۹ء میں یہ پوزیشن سوشلزم کے بڑھتے ہوئے خطرات کی بنا پر اختیار کی ہو، واللہ اعلم۔
2. قراردادِ مقاصد ہو یا ۱۹۷۳ء کا دستور، یہ شقیں تو ریاست کو کافرانہ نظام کے ماتحت چلانے کا بہانہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ شقیں ہمیشہ طاقِ نسیاں میں پڑی رہتی ہیں اور ہمارے ملک میں بے شمار قوانین خلافِ شرع ہونے کے باوجود پچھلے سینتالیس (۴۷) سالوں سے رائج ہیں اور عدلیہ ٹس سے مس نہیں ہوتی، بلکہ اس کی بجائے جب کبھی کوئی اسلامی قانون نافذ کرنے کا معاملہ پیش آئے تو اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتی ہے جیسا کہ سود کے خلاف قانون اور حسبہ بل کے معاملات میں دیکھا گیا۔
3. ان 'اسلامی نما' شقوں کی حیثیت صرف اتنی ہے کہ اُنھیں خود "ہم نے" دستور میں رکھا ہے اور اگر "ہم" چاہیں تو انہیں ختم بھی کر سکتے ہیں گویا اصل حاکمیت "ہماری" ہی ہے۔ پھر ان شِقوں پر مبنی شرعی قوانین کی نوعیت کسی بالادست قانون کی نہیں بلکہ وفاقی شرعی عدالت کے ایک "مشورے" کی ہوتی ہے جنہیں عدالتِ عظمیٰ چاہے تو ردّ کر سکتی ہے، گویا اصل حاکمیت تو دستوری قانون ہی کی ہو گی اور شارع کی بات بس ایک مشورے کے طور پر کہی اور سُنی جا سکتی ہے، العیاذ باللہ۔
4. اسلامی ریاست صرف قرآن و سنت کے خلاف فیصلہ "نہ" کرنے کی پابند نہیں ہوتی بلکہ ہر فیصلہ قرآن و سنت اور اسلامی علمیت کی روشنی میں کرنے کی پابند ہوتی ہے۔ گویا مسلمانوں پر شریعتِ اسلامیہ کی پابندی صرف سلبی نہیں بلکہ ایجابی بھی ہے۔ شرع کے دائرے کو تشکیلِ قانون میں صرف اس حد تک محدود کرنا کہ قانون کا کوئی فیصلہ شرع کے خلاف نہ ہو، اس مفروضے پر مبنی ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی دائرۂ عمل ایسا بھی ہے جہاں شارع نے انسان کو اپنی خواہشات پر چلنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا ہے، نیز قانون کا دائرہ شرع کے دائرے سے وسیع تر ہے۔ جب کہ اصل معاملہ اس کے عین برعکس ہے کہ شریعت ہمیں ہر معاملے کا حکم قرآن و سنت کی روشنی میں طے کرنے کا طریقہ بتاتی ہے اور اسلامی ریاست کا یہ وظیفہ ہوتا ہے کہ وہ براہِ راست کتاب و سنت یا قابلِ اجتہاد مسائل میں اہلِ علم کی شرعی رہنمائی سے تمام معاملات میں شرعی موقف اپنائے۔ شرع محض فرائض، واجبات اور محرکات کا ہی نام نہیں بلکہ اس کا دائرہ سنن، مندوب، مستحب، مکروہ، اساءت و خلافِ اولیٰ کے درجات تک اس طرح پھیلا ہوا ہے کہ پیدائش سے لے کر موت تک کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ انسانی فعل بھی اس کی گرفت سے باہر نہیں۔ لہٰذا طے کرنے کی بات یہ نہیں کہ کوئی فیصلہ شرع کے خلاف نہ ہو بلکہ یہ ہے کہ ہر فیصلہ شرع کے تقاضوں کے مطابق ہو، کیوں کہ اوّل الذکر رویہ شرع کو فرائض اور محرمات تک محدود کر دیتا ہے۔

بقیہ: غزوۂ ہند......وقت کی پکار ہے!

جہادِ کشمیر غزوۂ ہند کا محض ایک دروازہ ہے، جس میں سے داخل ہو کر ہند کے حکمرانوں کو بیڑیوں میں باذن اللہ جکڑا جائے گا۔ پاکستانی، بنگلہ دیشی اور ہندوستانی مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے دین کی نصرت کی خاطر اٹھیں کہ اسی میں ان کی فلاح مضمر ہے۔ اپنے قریب ترین محاذِ کشمیر کی جانب توجہ دیں اور جہادِ کشمیر کو اپنی جان، اپنے مال، اپنی دعاؤں اور اپنی صلاحیتوں کے ذریعے جِلا بخشیں۔

آیئے ہم بھی اپنے نام اس فہرست میں درج کروائیں جن کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کی آگ سے آزادی اور مغفرت کی خوش خبری سنائی ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

غزوۂ ہند......وقت کی پکار ہے!

محمد علی پرتاپ گڑھی

امارتِ اسلامیہ کی فتح بلاشبہ امتِ مسلمہ کے تمام مسلمانوں کے لیے دلوں کی ٹھنڈک کا باعث ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ امارتِ اسلامیہ کے قائدین و مجاہدین کو ثبات و استقامت نصیب فرمائے اور اس فتح کے عظیم ثمرات سے پوری امت کو بہرہ مند فرمائے۔ یقیناً اس فتح کا حصول کچھ سہل نہ تھا۔ امارت اسلامیہ کی بنیادوں کو نہ صرف مجاہدین بلکہ افغان عوام نے بھی اپنی جانوں، اپنے مالوں اور اپنے بے بہا خون کے ذریعے مضبوطی بخشی ہے۔ اور بلاشبہ وہ الخبیر، السمیع، البصیر رب ہی جانتا ہے کہ کیسے کیسے گوہرِ بے بہا اس رستے میں قربان ہوئے اور وہ الشکور رب ہی ان تمام قربانیوں کی قدر دانی فرمانے والا ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ کیا امارتِ اسلامیہ کی فتح کے بعد پوری دنیا میں جہاد و قتال کے عَلَم لپیٹ دیے جانے چاہییں؟ اسی پر قانع و مطمئن ہو کر بیٹھ رہنا چاہیے یا کہ ابھی کچھ کام باقی ہے!

ابھی بہت کام باقی ہے میرے عزیز بھائیو! یہ تو محض ابتدا ہے۔ یہ ایک محدود خطے کے اندر شریعت کے عَلَم برداروں کی فتح ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی مثال اپنے سامنے رکھیے۔ ایک محاذ کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا محاذ انھیں اپنی جانب کھینچتا رہا اور یوں پوری دنیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مدفون ہیں۔ مجلۂ ہٰذا کے نام کی تبدیلی (’نوائے افغان جہاد‘ سے ’نوائے غزوۂ ہند‘) ہمارے لیے دعوت ہے، پکار ہے کہ اے شہسوارو! ابھی اپنے ہتھیار مت کھولنا، منزل پانے کے لیے ابھی کئی گام سفر باقی ہے۔ یہ، ندا ہے کہ اے برصغیر کے مسلمانو! افغانستان کے مسلمان تو اپنا فرض نبھا چکے / اچھی طرح نبھا رہے ہیں، مگر برصغیر کے اندر کفر و ظلم کا غلبہ اور یہ اندھیری رات بتا رہی ہے کہ آپ کا فرض ابھی باقی ہے اور یہاں ابھی بطورِ قوم جانبِ منزل سفر شروع نہیں ہوا ہے۔

اے برصغیر کے عزیز مسلمانو! اللہ کا دین غالب کرنے اور انسانوں کو ظلم و جبر کی چکی سے نکالنے کے لیے مسلمانانِ برصغیر پر جہاد فرض ہے، یہاں دعوت و جہاد کے بنیادی مبادی کو عام کرنے اور شرعی بنیادوں پر تحریکِ جہاد کھڑا کرنے کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے، لازمی ہے کہ صالح سوچ، صائب فکر اور ایمان و کردار کی حرارت سے سرشار ایسا قافلہ یہاں اٹھے جو پورے برصغیر کے مسلمانوں کو ان کی منزل دکھائے، دوست و دشمن کی شرعی پہچان انہیں کرائے اور پھر غلبۂ دین کے راستے میں کھڑی نظامِ باطل کی تمام رکاوٹوں کے خلاف دعوت و قتال کے میادین سجا کر غزوۂ ہند بپا کرنے کے اجر سمیٹے۔ برصغیر میں پھر مسلمانانِ کشمیر کی نصرت اور مسلمانانِ ہند کے دفاع کا فرض کب سے پکار رہا ہے۔ وہ کشمیری جو تنہا ہی کئی دہائیوں سے قربانیاں تو دیتے چلے آرہے ہیں، مگر ان کی منزل کی راہ میں بیٹھے قزّاق ان کی قربانیوں کا رخ منزل سے مخالف سمت موڑتے رہے ہیں۔ کسی نے اس کا رخ زمین کی آزادی کی جدوجہد کے نام پر موڑا تو کسی نے اسے قومی تعصب کے نعروں سے لتھیڑ دیا، اور کسی نے اپنے سیاسی اور دفاعی مفادات کی خاطر ان کے پاکیزہ خون کی تجارت کی۔ مگر اب کشمیری مجاہدین یہ جان گئے ہیں کہ ان کی فلاح اور ان کی بقا کا راستہ فقط شریعتِ اسلامی کا نفاذ ہے۔

کشمیر میں جہادی تحریک محض اسی وقت درست فکر و منہج کے ساتھ صحیح سمت اختیار کر سکتی ہے جب اس کو وہ افراد میسر ہوں جو اس سرزمین سے صرف اس لیے محبت کرتے ہوں کہ اس میں مسلمان بستے ہیں۔ جو فقط اس لیے اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر اس پر خون وادی کا رخ کریں کہ مظلوم و مقہور مسلمانوں کی مدد و نصرت اللہ رب العزت کا حکم ہے۔ وہ محض اس لیے اپنی تمام تر توانائیاں اس محاذ کے سپرد کریں تاکہ وہ بھی غزوۂ ہند کے باذن اللہ ’مغفور‘ ہراول دستوں میں شامل ہو سکیں اور بالآخر یہاں اللہ اور صرف اللہ کا دین غالب کر سکیں۔ مگر یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ جہادِ کشمیر کی کامیابی کا راستہ بھی مسلمانانِ برصغیر کے تعاون کے بغیر کٹنا ممکن نہیں۔ پاکستان، بنگلہ دیش اور پھر خود ہندوستان ہی وہ سرزمین ہے جہاں کے مسلمانوں کی جہادی بیداری کشمیر کے مسلمانوں کے لیے فتح و نصرت کے دروازے کھول سکتی ہے اور یہی بیداری پھر کشمیر سمیت پورے برصغیر کو اسلام کے نور سے منور کر سکتی ہے۔

لہٰذا دورِ حاضر میں، مسلمانانِ برصغیر اور بالخصوص پاکستان، بنگلہ دیش اور ہندوستان کے مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ جگہ جگہ مجاہدین کے ہراول دستے تیار کریں، انھیں ایمان و یقین، دین و شریعت اور حرب و ضرب کی تعلیم سے آراستہ کریں۔ ان کے اندر شجاعت اور غیرتِ ایمانی کی روح پھونکیں اور عین اپنے پڑوس میں بسنے والے مظلوم کشمیری مسلمانوں، مجبور و بے گھر روہنگیا مسلمانوں اور ظلم و جبر تلے پسنے والے مشرقی ترکستان کے مسلمانوں کی مدد کی خاطر اٹھیں۔ وہ مسلمان جو مخبرِ صادق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں وہ کیونکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے غزوۂ ہند میں شامل ہونے والے مجاہدین کے لیے مغفرت اور جہنم کی آگ سے آزادی کی دعا سن کر بھی بیٹھے رہ سکتے ہیں؟ یہ تو منافقین کا وطیرہ رہا ہے کہ جب انھیں کہا جاتا کہ آؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہ وہ تمہاری مغفرت کی دعا کریں، تو وہ ٹال مٹول سے کام لیتے اور تکبر سے اپنے گردنیں موڑ لیتے۔ مومنین مخلصین تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کو پانے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہی پائے جاتے ہیں۔

(باقی صفحہ نمبر 71 پر)

خیالات کا ماہنامچہ

ذہن میں گزرنے والے چند خیالات: اپریل ۲۰۲۰ء

معین الدین شامی

اللہ سبحانہ' وتعالیٰ کا خاص فضل و احسان ہے کہ اس نے اس کائنات میں ہمیں جمادات، نباتات و حیوانات کے بجائے اشرف المخلوقات بنایا، پھر دولتِ ایمانی دی اور پھر سب سے بڑھ کر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کا شرف بخشا۔ اب مولا سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلائے اور ہمیں ویسا بنا لے جیسا اسے اپنے مقرب بندوں کو دیکھنا پسند ہے، مع الانبیاء و الصدیقین والشہداء والصالحین، آمین!

کورونا وائرس

بلاشبہ وبائیں، امراض اور اس طرح کی اجتماعی مصیبتیں اہلِ کفر و طغیان کے لیے عذابِ الٰہی اور اہلِ ایمان کے لیے رحمت ہیں۔ دراصل یہ چیزیں آزمائش ہیں۔ آزمائش اضافۂ درجات، گناہوں کی معافی اور تنبیہ ہوا کرتی ہے۔

کورونا وائرس بھی یہ سب ہی باتیں اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

جیسا کہ علمائے کرام نے اس وائرس کے اہلِ ایمان لاحقین کے متعلق کہا ہے کہ ان کے لیے وہی درجات، اجر اور حکمِ شرعی ہے جو 'طاعون' کے مریضوں کے لیے احادیث میں وارد ہے۔

اس لیے یہ وائرس اہلِ ایمان کے لیے تو بلندئ درجات اور گناہوں کی معافی کا سبب ہے۔

کفار جو اللہ کی وحدانیت کے کافر ہیں اور معبودانِ باطلہ اور ہوائے نفس کے پجاری ہیں اور اس سب کے ساتھ اہلِ ایمان کے حق میں ظالم و قاہر ہیں ان کے لیے یہ عذابِ الٰہی ہے۔

لیکن اہلِ ایمان ہوں یا اہلِ کفر، یہ رحمت ہو یا عذاب...... یہ وائرس سب کے لیے (بمطابق ایمان و کفر) ایک تنبیہ بھی ہے۔

آج کے اہلِ کفر نے جس درجہ طوفانِ کفر و عصیان و طغیان برپا کر رکھا ہے، جس طرح کا ظلم و فساد انہوں نے دنیا میں بپا کیا ہوا ہے، جس طرح یہ اسلام اور اہلِ اسلام کو آج مٹانے کے درپے ہیں اور جس طرح اپنے باطل نظاموں اور ان باطل نظاموں کو سہارا دیے ہوئے طاغوتی اور تاریخ کے بدترین کفر پر مبنی نظریات کو فروغ دے رہے ہیں...... یہ ایک الٰہی تنبیہ ہے کہ اللہ چاہے تو ایک حقیر جرثومے سے دنیا کو الٹ پلٹ کر رکھ دے۔

وہ نام نہاد 'کلمہ گو' بھی اس وائرس کی صورت میں متنبہ کیے جا رہے ہیں جنھوں نے خدائی طاقت سے بڑا امریکہ اور یورپ و چین کی طاقت کو بڑا سمجھ کر ان کا فرنٹ لائن اتحادی ہونا باعثِ فخر و اعزاز جان رکھا ہے کہ امریکہ اور چین بڑا نہیں "اللہ سب سے بڑا ہے"!

عام اہلِ ایمان جنھوں نے اہلِ کفر کو آج اپنا 'رول ماڈل' بنا لیا ہے اور وہ ساری برائیاں اپنانے میں لگے ہوئے ہیں جو یورپ و چین اور امریکہ و جاپان میں تباہ کاریاں مچا رہی ہیں...... یہ ان کے لیے بھی ایک الٰہی تنبیہ ہے۔

ہم 'لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ' پڑھنے والے عام مسلمان اور ہمارے پیشوایانِ دین و ملت اگر اپنا الٰہی فریضۂ اقامتِ دین و امر بالمعروف و نہی عن المنکر ادا نہیں کریں گے تو اس آیت میں ہمارے لیے بہت ہی اہم سبق موجود ہے:

وَاتَّقُواْ فِتۡنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُواْ مِنكُمۡ خَآصَّةً وَاعۡلَمُوٓاْ أَنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الۡعِقَابِ○(سورۃ الانفال:۲۵)

"اور ڈرتے رہو اس وبال سے جو خاص انہی لوگوں پر واقع نہ ہو گا جو تم میں سے ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اور جان رکھو کہ بیشک اللہ سخت ہے سزا دینے میں۔"

عافیہ صدیقی کیوں زندہ بچ گئیں؟

ڈرامہ رچانے کو بگرام سے قیدی نمبر چھ سو پچاس (۶۵۰) کو غزنی لایا گیا۔ غزنی کے ایک قید خانے میں عافیہ صدیقی کو امریکی فوجیوں اور ایف بی آئی کے ایجنٹوں نے تین گولیاں ماریں[1]۔

- ایک گولی چھوٹی آنت میں لگی، جس کے سبب آج عافیہ صدیقی کی چھوٹی آنت کا اکثر حصہ ہے ہی نہیں اور معدہ براہِ راست بڑی آنت سے ملایا جا چکا ہے۔
- دوسری گولی ایک گردے کو پار کر گئی، نتیجتاً ایک گردہ ناکارہ ہو گیا۔
- تیسری گولی پھیپھڑوں کو چیرتے اور پسلیوں کو توڑتے ہوئے دل سے صرف ایک سنٹی میٹر دور لگی۔

اس وقت عافیہ صدیقی صاحبہ کی عمر چھتیس سال تھی، وہ تین بچوں کی ماں تھیں اور وزن صرف اکتالیس کلو (امریکی حکام ہی کے مطابق جب عدالت میں پیش کیا گیا) تھا۔

سوچیے کوئی اتنا نحیف ہو، پھر تین گولیاں لگیں، جسم کے اعضائے رئیسہ یوں تباہ ہو جائیں اور ایک گولی دل سے فقط ایک سینٹی میٹر دور لگے...... پھر وہ بچ بھی جائے؟ کیوں بچ جائے ایسا زخمی شخص؟

[1] یہ تفصیل محترمہ فوزیہ صدیقی نے، شہید عالمِ حق حضرت مولانا محمد اسلم صاحب شیخوپوری (نوّر اللہ مرقدہٗ) کی عافیہ صدیقی کے حق میں منعقد کردہ ایک تقریب میں بتائی جس کی صوتی ریکارڈنگ موجود ہے۔

سوچتا ہوں کہ عافیہ صدیقی کیوں 'مر' نہ گئیں؟ وہیں دم توڑ دیتیں یا دورانِ علاج 'مر' جاتیں۔ کیوں زندہ رہ گئیں؟

جواب ملتا ہے کہ وہ 'لا الٰہ الا اللہ'، جس کی مالا میں اور آپ صبح و شام جپتے ہیں، اسی کی آزمائش کے لیے عافیہ صدیقی زندہ رہ گئیں۔ بخار ناپنے کو 'آلۂ حرارت / تھرمامیٹر' ہوتا ہے، ہماری غیرت کی گرمی اور حدتِ ایمانی کو ناپنے کے لیے 'عافیہ صدیقی' ہیں۔

میری اور آپ کی حمیت کا ثبوت یا بے غیرتی کی دلیل، عافیہ صدیقی ہیں!

عافیہ صدیقی میرے اور آپ کے درجۂ ایمان کو ناپنے کے لیے زندہ رہ گئیں!

کبھی تو سوچا کیجیے؟!

رام مندر کی تیاری فیصلہ آنے سے پہلے ہی مکمل تھی!

چند ماہ قبل سلمان تاثیر اور ایک سکھ عورت کے ہندوستانی-امریکی 'بیٹے'، آتش تاثیر نے ایک دستاویزی فلم بنائی[1]۔ اس دستاویزی فلم کے مضامین سے ہمیں فی الحال سروکار نہیں، البتہ ایک منظر اس فلم میں حیرت انگیز تھا۔

اس خاص منظر کی فلم بندی جب کی گئی، تو اس وقت بابری مسجد کی جگہ رام مندر کی تعمیر کا فیصلہ نہیں آیا تھا۔ لیکن دیکھا جا سکتا ہے کہ قبل از فیصلہ، آئندہ تعمیر ہونے والے رام مندر کے لیے مورتیوں اور ہندومت کے مذہبی نشانوں سے منقش اینٹیں، پتھر، ٹائلیں اور ستون بڑی تعداد میں تیار ہو چکے ہیں اور باقی ہو رہے ہیں۔

حکومتِ ہند تو عرصہ ہوا 'سیکولر' نہ رہی تھی، لیکن معلوم ہوا کہ انڈیا کی عدلیہ اور دیگر اداروں کے سیکولر نقاب کے پیچھے بھی ہندوتوا کے بھگتی ہی بیٹھے ہیں!

روس بھی صلیبی بساط ہی کا پیادہ اور سوار ہے!

پچھلے ماہ روس سے خبر آئی تھی کہ روس کے سرکاری حلف نامے میں اب 'خدا' کے نام کا حلف بھی لیا جا سکے گا۔ یعنی دہریہ روس جس کی اصل قدامت پسند عیسائیت تھی، وہ اپنے قدیم عقائد کی جانب لوٹ رہا ہے۔ وہ روس جہاں ہر 'مذہب' پر پابندی تھی اور جہاں صرف دینِ 'لادینیت' و 'دہریت' چلا کرتا تھا، وہاں بائبل پر حلف لیا جا سکے گا۔

اعداد و شمار کے مطابق روس میں اڑتالیس فیصد سے زائد آبادی عیسائی ہے جن میں سے پچاسی فیصد عیسائی قدامت پسند مذہب یعنی آرتھوڈاکس چرچ سے تعلق رکھتے ہیں۔[2]

جب سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے بیت المقدس فتح کیا تو اس زمانے میں رومن کیتھولک چرچ اور مشرقی آرتھوڈاکس فرقے کے لوگوں کی مشترکہ حکومت قائم تھی جسے 'سلطنتِ یروشلم'[3] کہا جاتا تھا، گو کہ سرکاری مذہب رومن کیتھولک ہی تھا۔

پچھلے ہی ماہ روسی صدر ولادیمیر پوتن نے 'شام' کا دورہ کیا اور ٹوئٹر وغیرہ پر موجود شامی ذرائع کے مطابق 'صلاح الدین ایوبی' کے مزار پر بھی گیا۔ اس کی مثال بالکل اسی طرح ہے، جس طرح ۱۹۲۰ء میں ارضِ شام خلافتِ عثمانیہ سے چھیننے کے بعد فرانسیسی جرنیل 'ہنری گوراد'[4] صلاح الدین ایوبی کی قبر پر گیا تھا اور اس نے صلاح الدین کی قبر پر لات مارتے ہوئے کہا تھا:

"Awake, Saladin. We have returned. My presence here consecrates the victory of the Cross over the Crescent."

''اٹھو اے صلاح الدین! ہم (صلیبی) واپس آ گئے ہیں۔ میری یہاں موجودگی 'صلیب' کی تقدیس اور 'ہلال' کی شکست کی علامت ہے۔''[5]

پھر ایک اور تصویر بھی نظر سے گزری جس میں شام میں مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے جانے والے روسی فوجی ایک ہال میں قطار باندھے کھڑے ہیں؛ ان روسی فوجیوں کی بندوقیں ایک میز پر پڑی ہیں؛ ایک روسی فوجی ہاتھ میں آبِ مقدس کا پیالہ لیے کھڑا ہے؛ اور ایک عیسائی پادری جس کے ایک ہاتھ میں صلیب ہے اور دوسرے ہاتھ سے وہ روسی فوجیوں کی بندوقوں پر 'آبِ مقدس' چھڑک رہا ہے۔ یہ صلیبی جنگ کا ایک منظر ہے اور اس بات کی دلیل بھی کہ روس شام میں کس طرح کے 'امن' کی جنگ لڑ رہا ہے...... وہ امن جو صلیب کی بالادستی سے قائم ہو گا۔

---

[1] آتش تاثیر، سلمان تاثیر اور اس کی بنا شادی کے معشوقہ 'تلوین سنگھ' کا بیٹا ہے۔

[2] سریدہ اطلسِ مذاہب و اقوام برائے روس (http://sreda.org/en/arena)

[3] Kingdom of Jerusalem

[4] Henri Gouraud

[5] جیسے صلیب عیسائیوں کا مذہبی نشان ہے، اس طرح 'ہلال' اصلاً تو مسلمانوں کا کوئی 'مذہبی یا دینی' نشان یا شعار نہیں ہے۔ ہاں خلافتِ عثمانیہ کا نشان 'ہلال' ضرور تھا اور اس کا بھی پس منظر مؤرخین نے یہ بیان کیا ہے کہ عثمانی خلافت کے سپاہیوں کے پاس ایک خاص قسم کا 'ترک' خنجر ہوا کرتا تھا جس کی شکل ہلال جیسی تھی۔ پھر یہی ہلالی خنجر خلافت کا بتدریج نشان بن گیا۔ چونکہ خلافت مسلمانوں کی اجتماعیت کی علامت تھی، لہٰذا خلافت کا نشان تدریجاً مسلمانوں کا نشان بھی کہلایا۔ آج ہماری مساجد کے گنبدوں اور میناروں پر نشانِ ہلال یہیں سے آیا ہے۔ پھر اقبالؒ نے 'قومیتِ اسلام' کو بیان کرتے ہوئے اپنے شہرۂ آفاق 'ترانے' میں بھی اسی نشان کی طرف نسبت کی ہے:

ع خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا!

یہ صلیبی عیسائی جس تثلیث کے پجاری ہیں، ان پجاریوں کے لیے دنیا میں 'گمراہی' کا خطاب بزبانِ قرآن موجود ہے اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اہلِ صلیب کا صلیبی جنگوں میں بالآخر شکست خوردہ ہونا 'لوحِ ازل' میں لکھا جا چکا ہے اور 'قلم' کی روشنائی یہ فیصلہ لکھنے کے بعد خشک ہو چکی ہے۔

خیر یہاں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ اس آبِ مقدس کے 'فیض' سے جنگ تو جیتی جا نہیں سکتی کہ یہ آسمانی فیصلہ ہے، البتہ شکست کا سامان مزید پیدا ہو رہا ہے...... اور وہ سامانِ شکست یہ ہے کہ جن بندوقوں سے ان روسی فوجیوں نے جنگ لڑنی ہے وہ بندوقیں دھات (metal) کی ہیں اور پانی سے دھات کو زنگ لگتا ہے اور زنگ آلود اسلحہ دورانِ جنگ پھنس سکتا ہے......!

سب سے بڑا رُپیہ!

زبانِ زدِ عام ڈائیلاگ ہے، 'باپ نہ بھیا...... سب سے بڑا رُپیہ!' اور اس ڈائیلاگ کی 'جائے پیدائش' اس کے انداز سے معلوم ہو رہی ہے؛ یعنی ہندوستان۔

جس نے بھی یہ کہا ہے 'ہندو' کے لیے صد فی صد درست کہا ہے۔ ابھی جب ٹرمپ ہندوستان آیا تو اس سے احمد آباد میں 'موتیرہ سٹیڈیم' کا افتتاح کروایا گیا جو کہ دنیا کا سب سے بڑا سٹیڈیم ہے۔

اس افتتاح سے پہلے اس سٹیڈیم سے ساٹھ (۶۰) بندر 'پکڑے' گئے اور انہیں احمد آباد سے سو دو سو کلومیٹر دور جا کر چھوڑا گیا کہ کہیں اس افتتاحی تقریب کو خراب نہ کریں۔[1]

لطیفہ اس میں یہ ہے کہ چونکہ ٹرمپ نے 'رُپیہ' لٹانا تھا اور رُپیہ ہر شے سے بڑا ہے تو بندروں کو بھی پکڑا گیا، بندر یعنی 'ہنومان جی' یعنی 'بندر خدا'۔

لطیفہ یہ بھی ہے کہ ہندو جس 'ہنومان' کو پوجتے ہیں، جس کو خدا مانتے ہیں اس 'خدا' میں اتنا شعور بھی نہیں ہے کہ کہاں اپنے 'معبودوں' 'عبادت گزاروں' سے کیسا سلوک کرنا ہے؟

بنی اسرائیل کے علمائے سو

اگر کسی کو دیکھنا ہو کہ بنی اسرائیل کے علمائے سوء کیسے تھے اور کیوں یہ لوگ اللہ کے مغضوب و مقہور قرار پائے، تو آج کے سعودی عرب میں موجود 'آلِ سعود کے ٹٹ پونجیے' علمائے سوء کو دیکھ لے۔ خدا جانے یہ 'علمائے سوء' بھی ہیں یا اس سے بھی آگے کی کوئی چیز، احبار و رہبان شاید ایسے ہی ہوں جن کے بارے میں قرآنِ مجید نے کہا:

إِنَّ كَثِيراً مِّنَ الأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللّهِ...... (سورۃ التوبۃ: ۳۴)

''اہل کتاب کے اکثر علما و مشائخ لوگوں کے مال باطل طریقوں پر کھاتے (اڑاتے) رہتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں۔''

ان 'سعودی' علما کی ساری کوشش اس میں ہے کہ کیسے اللہ کے دین اور اس دینُ اللہ کے پیروکاروں کی راہ میں روڑے اٹکائے جائیں اور کیسے ساری دنیا کے بادشاہوں اور اپنے سعودی بادشاہوں کو خوش رکھا جائے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

آلِ سعود کا خادمِ خاص سُدیس...... ایک بار اسلام آباد آیا جب لال مسجد پر 'پاک' فوج حملہ ور ہونے کو تیار تھی۔ یہ سدیس مشرف کی مجلس میں شریک ہوا اور دعا مانگتا پایا گیا کہ 'یا اللہ پرویز مشرف اور اس کے ساتھیوں کی نصرت فرما'۔ پھر ابھی دو سال قبل یہ سدیس امریکہ میں پایا گیا جہاں اس نے فرمایا کہ 'ٹرمپ صاحب نے دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے بہت کوششیں کی ہیں'۔

سعودیہ کا ایک اور عالمِ سوء شاہ عبد اللہ کے زمانے میں ایک ویڈیو میں دیکھا جا سکتا ہے کہ عبد اللہ کے ساتھ کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے 'لوگو! ان کی بیعت کرو، ان کی بیعت ایسی ہی جیسا کہ ابو بکرؓ و عمرؓ کی بیعت'۔

ابھی چند برس پہلے جب محمد بن سلمان 'جلوہ افروز' ہوا تو ایک اور نے ابو بکرؓ و عمرؓ کی بیعت سے بھی آگے کی بات کی، فرمایا 'لوگو! ان کی بیعت ایسی ہے گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت!'۔

ابھی چند ماہ پہلے ایک اور سعودی عالمِ سوء ایک ویڈیو میں یہ کہتا پایا گیا کہ 'ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان، ''اولی الامر'' ہے (یعنی شرعاً واجب الاطاعت ہے)۔ لہٰذا لازم ہے کہ بہر حالت ولی عہد کی اطاعت کی جائے چاہے ولی عہد روزانہ ٹی وی پر آیا کرے اور آدھا گھنٹہ زنا کیا کرے!'۔ پھر اس کو اس فتوے پر بھی چین نہ آیا تو مزید گویا ہوا کہ 'ولی عہد زنا ہی نہیں قومِ لوطؑ والا فعل بھی ٹی وی پر روزانہ کرے تب بھی اطاعت لازم ہے!'۔

اس 'عالمِ سوء' کی بات سن کر ہم نے اس روایت کو اپنی آنکھوں سے بھی عہدِ حاضر میں دیکھ لیا، جس میں علمائے بنی اسرائیل نے ایک بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے 'احکامِ خداوندی' میں تحریف کر کے بادشاہ کو زنا کی اجازت دی۔

ان مذکورہ علمائے آلِ سعود کی نسبت علمائے یہود سے ہے اور یہ اس زمین کا بوجھ ہیں، بلکہ اوجھ ہیں!

محمد بن علمان کے سعودی عرب سے

یوں تو ہم کئی بار لکھ چکے ہیں کہ یہ محمد بن سلمان نہیں محمد بن علمان ہے، علمان یعنی سیکولر! محمد بن سلمان نے بھی ہمارے اس دعوے کو کبھی غلط نہیں ہونے دیا، بلکہ یہ اس دعوے میں آگے ہی

[1] خبر از 'انڈیا ٹوڈے'۔

بڑھتا جارہا ہے۔ آدھے مغزوالے باپ[1] کے اس بیٹے نے رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے وطن کو کفر و فسق کا اڈا بنا دیا ہے۔

دنیا کے مقدس ترین شہر، جسے قرآن نے 'اُمّ القریٰ' کہا، یعنی کہ مکہ...... اس شہر میں ایک بدکار عورت rap[2] گانا گاتی ہے۔ اس گانے میں اپنی 'خباثت' کا اظہار کرتے ہوئے گانے میں ٹیپ کا مصرع رکھا گیا ہے 'أنا بنت مکة!'[3]۔ یہ ویڈیو سوشل میڈیا پر وائرل ہوئی...... وژن ۲۰۳۰ء اسی اندھے پن کا نام ہے!

سعودی عرب میں ایک کانسرٹ میں ایک عورت جو سر تا پا برقعے میں ڈھکی ہوئی ہے، حتیٰ کہ دستانے بھی چڑھائے ہوئے؛ ایک پیانو بجاتی دیکھی جا سکتی ہے۔

برقعے اور حجاب کو پامال کرتی کچھ اور فاحشائیں مذکورہ بالا قسم کے برقعے میں ملبوس ہو کر ریاض کی سڑکوں پر گٹار بجا رہی ہیں۔ کچھ اور 'عصمت' کا بیوپار کرتی ریاض کے ایک اور چوک پر نظر آتی ہیں اور فٹ پاتھ پر چلتے لڑکوں کو 'عطر' لگا رہی ہیں۔

ایک اور کانسرٹ میں اس وقت بدتمیزی، عریانی، فحاشی، یاوا گوئی اور شیطنت و ہیجانیت کا طوفان برپا ہو گیا جب کانسرٹ کے سٹیج پر نیچے موجود تماشائیوں میں سے ایک نے ایک زنانہ کپڑا ہوا میں اچھالا اور وہ سٹیج پر جا گرا۔

محمد بن علمان نے مکہ سے چند ہزار میٹر کے فاصلے پر 'امریکی بیس' بنوائی۔ موجودہ اسرائیلی توسیع پر امریکہ و اسرائیل کا حامی ہے اور ٹرمپ کے یہودی داماد 'جیرڈ کشنر' کا اتنا یار ہے کہ اس سے لحظہ بلحظہ، دم بدم (instant) رابطے کے لیے 'واٹس ایپ' پر موجود ہوتا ہے۔

اس علمان کے بیٹے، اور علمانیت کے علم بردار کا علاج توحیدی قوت والے بازو اور محمدیؐ تلوار ہے...... اے بد باطن علمان! تیرے ہی روحانی آبا کو مخاطب کر کے محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا 'جئتکم بالذبح!'۔

ہمارے سادہ لوح مسلمانوں کو یہ بات جاننی چاہیے کہ ہمارا 'عربوں' سے رشتہ ان کی عربی قومیت کے سبب نہیں، ہم ان کی عزت عرب ہونے کے سبب نہیں کرتے، بلکہ......

؏ محمدِ عربیؐ سے جہانِ عربی!

اخلاق و کردار سے عاری محمد بن سلمان!

محمد بن سلمان کے متعلق کافی کچھ اوپر بھی کہا گیا ہے کہ لیکن اس کے متعلق بعض باتیں نئے عنوان کا تقاضہ کر رہی تھیں۔

اس کی ایک ویڈیو ہے جس میں یہ محمد بن نائف سے ملتا ہے۔ محمد بن نائف کون ہے پہلے یہ ذکر ہو جائے پھر ویڈیو کی بات۔ کہانی یہ ہے کہ عبد اللہ بن عبد العزیز مرا تو بادشاہ بنا سلمان اور اس کا ولی عہد مقرر ہوا سلمان کا بھائی 'مقرن'۔ کچھ ہفتے گزرے کہ مقرن کو برطرف کر دیا گیا اور پھر ولی عہد بنایا گیا محمد بن نائف بن عبد العزیز کو اور ساتھ ہی ایک نئے عہدے کا اضافہ کر کے محمد بن سلمان کو نائب ولی عہد بنا دیا گیا۔ محمد بن نائف شاہ عبد اللہ کے زمانے میں عبد اللہ کے بعد سعودی عرب کا طاقت ور ترین شخص تھا اور سعودی عرب میں امریکی مفادات کا اصل محافظ بھی۔ سی آئی اے اور پینٹا گون میں بیٹھے 'دماغ' بھی اسی کو ولی عہد دیکھنا چاہتے تھے اور بعض رپورٹوں کے مطابق اب بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ سلمان بن عبد العزیز نے جب محمد بن نائف کو ولی عہد بنایا تو سلمان تو 'ڈمنشیا' کا مارا ہے، کھایا بھول جاتا ہے، فون پر بات نہیں کر سکتا اور تقریر ادھوری چھوڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگتا ہے۔ ایسے میں سعودی عرب کی ساری قوت و اقتدار پاس تھی محمد بن نائف کے۔ یہ تو ہوا تعارف۔

ویڈیو کا ذکر یہ ہے کہ ولی عہد محمد بن نائف کھڑا ہے اور نائب ولی عہد محمد بن سلمان آتا ہے، ابنِ نائف سے مصافحہ کرتا ہے، پھر اس کے ہاتھ چومتا ہے، پھر جھک جاتا ہے، قدموں میں بیٹھ جاتا ہے اور اس کے پیروں کو چھوتا ہے، پھر کھڑا ہو جاتا ہے، پھر ہاتھ چومتا ہے۔

یہ تو تھی ویڈیو کی کہانی، اس ویڈیو کے بعد 'فلم' کا اگلا منظر ہے کہ محمد بن نائف کو پکڑ لیا جاتا ہے، اس سے اس کے فون وغیرہ ضبط کر لیے جاتے ہیں اور بعد اَوہ 'خوشی خوشی' کہتا ہے کہ میں اپنے عہدے سے دستبردار ہو رہا ہوں اور اگلے منظر میں محمد بن سلمان ولی عہد بن جاتا ہے (لیکن اس کے ولی عہد بنتے ہی نائب ولی عہد کا عہدہ بھی ختم کر دیا جاتا ہے)۔ اس کے بعد محمد بن نائف کو اس کے ایک محل کے اندر 'ہمیشہ' کے لیے نظر بند کر دیا جاتا ہے۔

ابھی چند ہفتے پہلے محمد بن سلمان کے محافظین (باڈی گارڈز) میں سے ایک، فائرنگ کے تبادلے میں مارا گیا۔ یہ خبر بھی دبالی گئی لیکن جب یہ خبر باہر نکلی تو ساتھ ہی یہ بات بھی نکلی کہ مقتول محافظ، محمد بن سلمان کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور شاید اپنے ارادے پر عامل ہونے ہی والا تھا کہ ایک 'شُوٹ آوٹ' یعنی فائرنگ کے تبادلے میں مارا گیا۔ اس محافظ کے ڈانڈے ملائے گئے تو اصل سازشی 'محمد بن نائف' معلوم ہوا اور اس کے ساتھ ہی 'نظر بندی' ختم کر کے محمد بن نائف کو جیل میں بند کر دیا گیا۔

اسی کے ساتھ شاہ سلمان کے بھائی احمد بن عبد العزیز کو بھی گرفتار کر لیا گیا، احمد بن عبد العزیز، شاہ عبد العزیز کے ان بیٹوں میں سے ہے جن کے ابھی تک ہوش و حواس قائم ہیں۔

---

[1] بادشاہ سلمان کو dementia کی بیماری ہے، جس میں بعض کو تو ابھی کا کھایا بھی بھول جاتا ہے۔ بعض لوگ بات کرتے کرتے بھول جاتے ہیں کہ وہ کیا کہہ رہے تھے اور پھر ان کو بات یاد ہی نہیں آتی۔ سلمان بات کرنے میں واقعی ایسا ہی ہے، ترک صدر رجب طیب اردگان سے ایک بار فون پر بات کر رہا تھا تو بیچ گفتگو میں بھول گیا اور پھر فون منقطع کرنا پڑا۔ ایک بار عرب لیگ کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے ایک پیراگراف پڑھا اور آگے تقریر نہ کر سکا۔

[2] گانے کی ایک قسم جسے عموماً حبشی، جھٹکے دے دے کر گاتے ہیں۔

[3] میں مکہ کی بیٹی ہوں!

یہ سب تو چلتا ہے، لیکن برطانوی صحافی 'ڈیوڈ ہرسٹ' کے مطابق محمد بن سلمان نے اپنی ماں کو پہلے سے ہی قید کر رکھا ہے اور اس وقت سلمان بن عبد العزیز بھی نظر بندی کی سی کیفیت سے گزر رہا ہے[1]۔

یہ سب واقعات ہم اہلِ اسلام کے لیے ایک لمحۂ فکریہ ہیں کہ کس قسم کے لوگوں کو ہم 'خادم الحرمین' اور اسلام کے محافظ وغیرہ سمجھتے ہیں۔ یہ تو اخلاق سے اتنے عاری ہیں کہ اپنی سگی ماں کو بھی قید میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ بھی سوچیں کہ یہ ہے وہ محمد بن سلمان جس کی بیعت کو نعوذ باللہ محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کے مساوی کہا جا رہا ہے!

یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ اہلِ اسلام سلمان کے بعد کسی محمد بن سلمان یا نائف یا کسی اور قسم کی چھری یا چھرے[2] کو اقتدار میں نہ آنے دیں بلکہ یہ جان لیں کہ جزیرۃ العرب یعنی سعودی عرب، یمن، امارات، قطر، عمان اور بحرین و کویت وغیرہ میں حکمرانی کے اہل یہ 'ڈکیتوں' کے خاندان نہیں، بلکہ جزیرۃ العرب کو امریکی، سعودی و اماراتی اور حوثی یلغار سے بچانے والے مجاہدینِ عالی قدر ہیں جو انور العولقی، سعید الشہری، ابو بصیر ناصر الوحیشی اور قاسم الریمی (رحمہم اللہ) سے لے کر شیخ خالد باطرفی (حفظہ اللہ) کی قیادت میں بقا و نفاذِ اسلام کی جنگ جزیرۃ العرب میں لڑ رہے ہیں!

ان سے ملیے..... یہ ہیں 'علامہ' عارف علوی صاحب!

پچھلے ماہ معروف صحافی حامد میر نے صدرِ پاکستان عارف علوی کا انٹرویو کیا۔ کہا کہ اس انٹرویو کو ہم عمومی انداز سے ذرا جدا رکھیں گے اور بات کریں گے کتابوں کے متعلق۔

پہلی کتاب کچھ قرآنی و حدیثی اور حکایات و کہانیوں پر مبنی تھی۔

اس کے ذکر کے ذیل میں عارف علوی نے اپنے آپ کو ایک دین پسند بلکہ متدین اسلامی حکمران کے طور پر ظاہر کیا..... یہ اس نظام اور اس نظام کے چہروں کا دجل ہے۔ دجل کہتے ہیں دھوکے کو، دجل کہتے ہیں سونے کا پانی کسی ادنیٰ دھات پر چڑھانے کو۔ پاکستان کا نظامِ حکومت اور اس کے چہرے اسی دجل کی ایک اعلیٰ مثال ہیں۔

عارف علوی صاحب اس انٹرویو میں دین کو ایسے پیش کرتے ہیں گویا یہ سرمایہ دارانہ جمہوریت ہو اور نعوذ باللہ من ذلک گویا شارعِ دین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کسی 'جدید ریاست' کے حکمران۔ پھر اپنے 'علم' کی نمائش کرتے ہوئے پانچ نمازوں کی فرضیت بیان کرتے ہیں کہ یہ نمازیں کب کب کس نے کہاں اور کیوں پڑھیں۔ اسی میں نمازِ عشاء کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ تب پہلی بار پڑھی گئی جب 'یوسف علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے نجات پا کر نکلے'۔

اب اندازہ لگائیے کہ یہ ہیں وہ لوگ جو اپنے آپ کو اسلامی کہتے ہیں اور 'ریاستِ مدینہ' کے والی کہلائے جانا چاہتے ہیں۔

خیر پہلی کتاب وہ جیسی بھی ہو اور کیسے ہی اچھے واقعات سے پُر ہو کا نچوڑ آپ کو اوپر کے قصے سے معلوم ہو گیا ہو گا۔ اس کے بعد جتنی کتابیں یہ ذکر کرتا رہا تو ان میں کوئی ایک بھی ایسی نہ تھی جس میں 'ریاستِ مدینہ' کے خط و خال بیان ہوئے۔ بلکہ یہ سب کتابیں انہی مفکرین اور فلاسفہ و ادیبوں کی تھیں جن کی فکر اس وقت دنیا کے جدید نظام کی صورت میں ظاہر ہے۔ یا اگر کسی کی فکر نافذ نہیں ہے تو اس کی فکر بس اتنی ہے کہ موجود انسانوں کے خود ساختہ نظاموں میں ان کی عقلوں کے مطابق جو سقم ہیں تو ان کو دور کیا جائے۔

موجودہ حکمرانوں کو اپنی حکمرانی کے لیے یہ طریقہ زیادہ اچھا لگا ہے کہ درود و سلام سے شروع کرو اور دعا پر ختم کرو، کسی آیت یا حدیث کا ترجمہ یا 'ایاک نعبد و ایاک نستعین' کا جھوٹ موٹ میں ورد کرو (اصل میں کہنا چاہ رہے ہوتے ہیں 'یا جنرل باجوہ و یا امریکہ! ایاک نعبد، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، و ایاک نستعین اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں') تو بس حکمرانی چلتی رہے گی۔

ہم 'غریبوں' کا بھی حال یہ ہے کہ 'مائیکل ہارٹ' اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام عظیم ترین ہستی کے طور پر لکھ دے تو ہم مارے خوشی کے چھلانگیں مارنے لگتے ہیں، لالو پرساد یا یودھ ہندوستان سے آ کر نبیٔ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر دے تو بس اسی پر فدا ہونے لگتے ہیں اور اگر برطانوی روایتی قانون میں 'قانونِ عمر'[3] (رضی اللہ عنہ) شامل ہو تو اسی ریاست پر جان دینے کو آمادہ ہو جاتے ہیں۔ رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا قائل تو ابلیسِ لعین عزازیل بھی ہے، تب ہی تو اس کو انسانوں میں جتنی دشمنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور انبیا علیہم السلام کی امتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں سے ہے کسی اور سے اتنی نفرت و عداوت نہیں..... لیکن اصل بات تو عظمت کا قائل ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کرنا ہے نہ کہ بس عظمت کے ترانے اور شریعت کے بالمقابل اپنے ایک لاکھ خود ساختہ قوانین میں ایک 'قانونِ عمر' کو ڈالنا اور یہ قانون بھی اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ اس میں ان کو اپنا نفع نظر آیا ہے۔

کرسیٔ صدارت پر بیٹھ کر مذہبی ترانے گانا اور اقامتِ نماز و اقامتِ دین کے بجائے اقامتِ جمہوریت کے ساتھ محض نماز کے متعلق قصے سنانا مطلوب نہیں اور 'ہم' بھی کیا سادہ ہیں..... کیا بات کر رہے ہیں یہ تو اقتدار کو ایسے قصوں سے ہی دوام بخشتے ہیں اور اس وقتِ وطنِ عزیز میں بھی تو بس 'قصے کہانیاں' ہی رواں ہیں!

---

[1] یہ صحافی اس واقعے کا بھی راوی ہے کہ سلمان کو تاش کھیلنے کا شوق ہے اور وہ اپنے ایک خاص دیرینہ دوست کے ساتھ مل کر تاش کھیلتا ہے۔ کچھ عرصہ قبل جب سلمان کا دوست تاش کھیلنے شاہی محل میں گیا تو اس کو داخل نہ ہونے دیا گیا۔ بعد میں سلمان نے اپنے متعلقہ دوست کو فون کیا اور پوچھا کہ آئے کیوں نہیں تو اس نے بتایا کہ مجھے شاہی محل میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔ سلمان نے کہا کہ تم آؤ میں دیکھ لیتا ہوں۔ یہ دوست دوبارہ آیا لیکن شاہی محل کے محافظین نے اس بار بھی اس شخص کو داخل نہ ہونے دیا۔ (یہ صحافی ڈیوڈ ہرسٹ 'مڈل ایسٹ آئی' نامی ادارے کا مدیرِ اعلیٰ ہے اور سابقاً گارڈین اخبار سے وابستہ رہا ہے۔)

[2] عربی میں نائف کا جو بھی معنیٰ ہو، انگریزی میں نائف / knife چھری کو کہتے ہیں۔

[3] Umar's Law

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امارتِ اسلامیہ افغانستان

دفترِ امیر المومنین

بھنگ کی کاشت (اور دیگر نشہ آور اشیا) کو روکنے کی بابت

امارتِ اسلامیہ کے مسئولین کے نام امیر المومنین کی ہدایات

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ بھنگ کی کاشت میں تیزی آئی ہے، جس کے سبب عوام اور خصوصاً نوجوان نسل نشے کی لعنت میں مبتلا ہو رہی ہے اور بھنگ کی پیداوار میں یہ تیزی دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس سے ہمارا معاشرہ متاثر ہو رہا ہے۔ لہٰذا ہر قسم کی نشہ آور اشیاء اور ضرر رساں چیزوں سے اپنی نئی نسل کو بچانے کی خاطر ذیل میں درج کیے گئے احکامات کو جلد از جلد نافذ کیا جائے:

1. ملک میں تمام کاشتکاروں کو بھنگ کی کاشت سے منع کیا جائے اور ان کو اس کی کاشت کے خلاف تحریض دلائی جائے تاکہ وہ اس ضرر رساں چیز کی کاشت کو چھوڑ کر اس کی جگہ فائدہ مند اور بے ضرر اشیا کی کاشت کی طرف توجہ دیں۔
2. قومی اور مقامی عمائدین کو بھنگ کی کاشت کے خلاف تحریض دلائی جائے تاکہ وہ اپنے علاقوں میں قومی اور عوامی ہم آہنگی کے راستے سے بھنگ کی کاشت اور چرس کے کاروبار کے خلاف متفقہ اقدام کریں؛ جس کے نتیجے میں اس قسم کی چیزوں کی کاشتکاری اور کاروبار مطلقاً بند ہو جائے۔
3. وزارتِ دعوت و ارشاد (کمیسیون برائے امر بالمعروف و نہی عن المنکر) علمائے کرام کے توسط سے عوام کو بھنگ، چرس اور باقی نشہ آور اشیاء کے نقصان اور ان کی حرمت کے بارے میں مستند علمی بیانات و ہدایات دیں۔
4. امارت کی زمینیں جس کو بھی اجارہ پر دی جائیں تو اس شرط کے ساتھ دی جائیں کہ اس پر بھنگ کی کاشت نہیں ہو گی۔
5. ایک علاقے کے لوگوں کو دوسرے علاقے میں بھنگ کی کاشت کے لیے زمین کی اجارہ داری سے مطلقاً منع کیا جائے۔
6. وزارتِ عشر و زکاۃ (کمیسیون برائے عشر و زکاۃ) اس معاملے کی طرف توجہ دے تاکہ اس کے ذریعے بھنگ کی کاشت کو روکا جائے۔
7. امارتِ اسلامیہ کے مسئولین، مامورین اور عوام اس ضرر رساں پودے کی کاشت، کاروبار اور منتقلی سے اپنے آپ کو بچائیں، خلاف ورزی کی صورت میں متعلقہ مسئول کو ذمہ داری سے ہٹا دیا جائے اور اس غلط فعل کی سزا اور احتساب کے لیے پیش کیا جائے۔

والسلام

زعیم امارتِ اسلامیہ

امیر المومنین مولوی ہبۃ اللہ اخوندزادہ

*نوٹ: یہ اعلامیہ اصلاً پشتو زبان میں نشر کیا گیا تھا، جس کی اردو ترجمانی ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' نے کی ہے۔

طالبان کی مثالی حکومت

شیخ ابو منذر الساعدی حفظہ اللہ

معروف عرب مجاہد عالم دین، شیخ ابو منذر الساعدی کے امارتِ اسلامیہ افغانستان میں وقت گزارنے کے بعد طالبان کی پہلی حکومت (۱۹۹۶–۲۰۰۱ء) کے بارے میں احساسات

میں خود یورپ میں بھی رہا ہوں اور افغانستان میں بھی، مگر مجھے ان دونوں میں بہت تناقض نظر آیا۔ وہاں چوری، دہشت گردی اور قتل وغارت گری عام ہے جبکہ کابل کی سڑکوں پر منی چینجر اپنی ٹوٹی ہوئی میزوں پر کرنسیاں سجائے بیٹھے رہتے تھے اور انہیں اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوتا تھا۔

حقیقتاً ہم نے پہلی مرتبہ ایک ایسی مملکت اپنی زندگی میں دیکھی جو ہماری آرزوؤں اور امنگوں کی ترجمان تھی۔ ہم اس کے سائے میں عزت اور امن و امان کے ساتھ رہ رہے تھے، جہاں ہم اپنے والیوں اور امیر المومنین کی اطاعت کرتے اور طالبان کے ہم قدم امارتِ اسلامیہ کو مضبوط بنانے کی سعی کرتے تھے۔

میں بعض ایسے حالات سے گزرا جس سے میرا امارتِ اسلامیہ سے تعلق اور بھی مضبوط ہو گیا۔ امارت نے اس جدید دور میں ایسے مضبوط خطوط پر نظام چلایا جس سے پورے عالمِ اسلام کو تقویت ملی۔ اس دور میں مَیں نے دیکھا کہ دین دار اور متقی علما جب حکومت کرتے ہیں تو کیسے کرتے ہیں۔ یہاں میں چند ایک چیدہ چیدہ مثالیں پیش کرتا ہوں۔

ایک بڑے مسئول (ذمہ دار) سے کچھ غیر ضروری تجاوز سرزد ہو گیا تو متاثرین ان کے دفتر میں آئے اور ان سے بہت درشت لہجے میں مخاطب ہوئے اور میں وہاں پر موجود تھا۔ اس مسئول نے کہا کہ میری خطا اور میری ذات کے بارے میں شکایت محکمۂ عسکریہ کو جمع کراؤ۔ میں ہر اس سزا کے لیے تیار ہوں جو قاضی مجھے سنائے گا کیونکہ میں اس بات کے لیے تیار نہیں ہوں کہ قیامت کے دن اللہ کے دربار میں پیش ہوں اور میری گردن پہ ظلم کا بوجھ ہو۔ مگر مظلوم مدعی نے انھیں معاف کر دیا اور معذرت پر ہی اکتفا کر لیا۔ پھر چند دن بعد اس وزیر کا نائب ان متاثرین کے گھر گیا کہ کہیں وہ ناراض نہ ہو جائیں۔ ہمیں آج سارے عالمِ اسلام میں اس کا موازنہ کرنا چاہیے کیونکہ کسی بھی چیز کی ضد سے اس کی اصلیت واضح ہو جاتی ہے۔

امارتِ اسلامیہ افغانستان میں محکمۂ عسکریہ کے پاس بہت وسیع اختیارات تھے جس کی بنا پر بہت سے وزیروں اور مسئولین کو سزائیں دی گئیں۔ میں نے ذاتی طور پر ایسے کئی واقعات دیکھے کہ کسی کے ذاتی تعلقات اس کو اس محکمے کی شرعی گرفت سے بچا نہیں سکتے تھے۔

میں ایک وزیر کی مجلس میں حاضر ہوا جس میں اسے بعض تحفے تحائف وصول ہوئے تو اس نے ان کو حاضرینِ مجلس میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ میں نے حاضرینِ مجلس سے ایک شخص کو مخاطب کر کے کہا کہ وزیر نے اپنے لیے کوئی چیز نہیں رکھی تو وزیر میری بات سمجھ گیا اور کہنے لگا کہ امیر المومنین نے ہمیں تحفے قبول کرنے سے منع کر رکھا ہے۔ اس لیے کہ وزرا اور امرا کے تحائف رشوت کے زمرہ میں آتے ہیں، جو کہ حرام ہے۔

مجھے شیخ ابو اللیثؒ نے ملا محمد ربانیؒ کی وفات کے موقع پر اپنی امیر المومنین سے زیارت کا حال بیان کرتے ہوئے بتلایا کہ کیسے امیر المومنین نے مسجد میں لوگوں کو عصر کی نماز پڑھائی اور پھر وہ مسجد سے نکلے اور زمین پر اپنی چادر بچھا کر بیٹھ گئے اور لوگ ان کے پاس تعزیت کے لیے آتے تھے۔ اور مجھ سے ایک مجلس کا حال بیان کرتے ہوئے کہنے لگے کہ وہ معززین میں امیر المومنین کو نہ پہچان سکے اور جب انہیں بتایا گیا کہ یہ امیر المومنین ہیں تو کہنے لگے اللہ کی قسم! مجھے (ان کے سادہ حلیے کی وجہ سے) ایسا لگا جیسے کوئی ٹیکسی ڈرائیور ہو۔

قندھار کے علاقے میوند کے کمان دان نے ایک مشتبہ آدمی کو گرفتار کیا اور جب وہ پیش ہوا تو اس نے اسے اپنی جیب کی تمام چیزیں نکالنے کو کہا' اس آدمی نے کچھ اوراق اور کچھ نقدی نکالی جس پر کمان دان نے نقدی علیحدہ کر کے اسے لوٹاتے ہوئے کہا کہ اپنا مال لے لو۔ پھر اس نے اوراق لیے اور آدمی کو ساتھ والے کمرے میں بٹھایا اور مجھے کہا کہ میں ذرا ان اوراق کو دیکھ لوں۔ یہاں تک کہ جب اسے کوئی ثبوت نہ ملا تو اس نے فوراً اس آدمی کو رہا کر دیا تاکہ وہ اپنے گھر لوٹ جائے۔ وہ آدمی مجھ سے کہنے لگا کہ طالبان سے پہلے جب میں اپنے پاسپورٹ کے ساتھ سفر کرتا تھا، اُس وقت اگر میں اُن خانہ جنگی کرنے والے مجرموں کے ہاتھوں پکڑا جاتا جو اپنے آپ کو مجاہدین کہتے تھے، تو میرا کیا حشر ہوتا!!!

یہ تمام اور اس جیسی کئی مثالیں بکھری پڑی ہیں جن کی یاد آتے ہی میرے آنسو بہہ جاتے ہیں اس صلیبی فتنے پر جو اس امارت پہ وارد ہوا، وہ امارت جس کے سائے میں میں نے سعادت کی زندگی بسر کی۔ اور یہ میں اس لیے کہتا ہوں کہ جب امارت گری اللہ جانے وہ کیسا وقت تھا......؟ اس لیے کہ میں اس قوم سے محبت کرتا ہوں اور مجھے یہ بہت بڑا نقصان معلوم ہوتا ہے۔ [اور الحمدللہ آج امارتِ اسلامیہ دوبارہ قائم ہو چکی ہے۔ (ادارہ)]

بزبانِ شاعر:

أجد الملامة في هواك لذيذة
حبا لذكرك فليلمني اللوم

''تیری محبت مجھ پر کی جانے والی ملامت کو لذیذ بنا دیتی ہے اس لیے اے ملامت! تو بھی مجھے ملامت کر تاکہ محبوب کی یاد تازہ رہے۔''(باقی صفحہ نمبر 88 پر)

ہم ایک ہیں!

میاں سعد خالد

پچھلے ماہ امارتِ اسلامیہ افغانستان کے رسمی نشریاتی ادارے 'الامارۃ' نے ایک ویڈیو جاری کی۔ اس ویڈیو کا عنوان ہے 'د سلفی علماو بیعت' یعنی 'سلفی علما کی امارتِ اسلامیہ کی بیعت'۔

شارعِ اکرم نبیٔ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے:

عليكم بالسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين!

تم پر میری سنت کی اتباع لازم ہے اور اسی طرح تم پر لازم ہے کہ میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے کی اتباع کرو!

علمائے کرام نے اس کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس سے ایک مراد اہلِ سنت والجماعت کا حصہ بنے رہنا ہے۔

اہلِ سنت والجماعت امتِ مسلمہ کا وہ مسلک و طبقہ ہے جس میں کئی مشارب و مکاتبِ فکر داخل ہیں۔ حنفی ہوں یا سلفی، حیاتی ہوں یا مماتی، پنج پیری ہوں یا سلفی، شوافع ہوں یا مالکی و حنبلی...... یہ سب اہلِ سنت والجماعت ہی کے شجرہائے سایہ دار کی شاخیں اور پھل پھول ہیں۔ ان سب کی جڑ اتباعِ قرآن و سنت ہے۔

دین کے فروعی معاملات میں حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان بھی اختلاف پایا جاتا تھا جس کے متعلق حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی (نوّر اللہ مرقدہٗ) فرماتے ہیں:

"ان کے (یعنی صحابہؓ کے) باہمی نزاعات میں خطا و صواب کا تقابل ہے، حق و باطل یا طاعت و معصیت کا نہیں۔ اور سب جانتے ہیں کہ مجتہدِ خاطی کو بھی اجر ملتا ہے نہ کہ زجر (ملامت)۔"[1]

عام طور پر مشاہدہ ہے کہ اہلِ سنت والجماعت کے مابین آج جو فروعی اختلافات پائے جاتے ہیں، ان میں سے کئی حضراتِ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے زمانے سے چلے آ رہے۔

کسی نے فروعی اختلافات کو ہوا دینے والوں کے متعلق کیا ہی اچھی بات کی ہے کہ 'تم نماز میں ہاتھ اوپر یا نیچے باندھنے پر لڑ رہے ہو جبکہ تمہارا دشمن (اہلِ کفر) تمہارے ہاتھ ہی کاٹ ڈالنا چاہتا ہے!'۔

امتِ مسلمہ کے جو بھی طبقات ہوں، جو بھی اہلِ سنت والجماعت کے دریا سے پھوٹتی نہریں ہوں، اس میں جس بھی رنگ و نسل کے لوگ ہوں یہ سب ایک ہی تسبیح کے دانے ہیں، یہ سب ایک ہی جسم کے اعضا ہیں۔ جسم ان سب اعضا سے مل کر ہی پورا ہوتا ہے۔ جسم کا کوئی ایک عضو دوسرے کو کاٹ کر اس کے بنا نہیں رہ سکتا۔ اہلِ سنت کے یہ سب طبقے ایک ہی دل کے خانے ہیں، دل کے خانوں میں سے کوئی ایک خانہ ہی کیا کوئی ایک شریان بند ہو جائے تو جسم کی موت واقع ہونے لگتی ہے۔ یہ حال امتِ مسلمہ کے ان متبعِ کتاب و سنت طبقات کا بھی ہے۔ ہاں جہاں تک بات اچھوں اور بروں کی ہے تو یہ تو ہر مسلک میں پائے جاتے ہیں لیکن یہ جاننا اصل ہے کہ اہلِ سنت والجماعت کے ہر مسلک کی بنیاد خیر اور کتاب و سنت کی اتباع ہی ہے۔

فروعی اختلافات پر دھڑے بندی کرنا، فروعی امور پر ناجائز تکفیر و تفسیق کرنا اور ایک دوسرے کو گمراہ کہنا خود راہِ دین اور مزاجِ شریعت سے ہٹی ہوئی فکر ہے۔ کسی خرابی یا برائی کے سبب پورے کے پورے مسلک کو ہی غلط اور باطل قرار دینا دراصل ان برے لوگوں کی حمایت و تائید ہے جو اس مسلک میں موجود ہیں۔ یوں عمومی مخالفت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس مسلک کی ہم مخالفت کر رہے ہوتے ہیں اس مسلک کے اصحابِ خیر کی (جو کثیر تعداد میں ہوتے ہیں بلکہ اکثر غالب تعداد میں ہوتے ہیں) بھی نفی ہو جاتی ہے۔ کسی نے 'فتنے' کی ایک بہت اچھی تعریف یہ بھی کی ہے کہ 'فتنہ اسے کہتے ہیں جس میں اصحابِ شر کے ساتھ اصحابِ خیر پر بھی زد پڑے'۔

> یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ سلفی علما و داعیانِ دین ہوں یا دیوبندی حضرات، جو بھی نظام کے خلاف اور نظام میں موجود کل پرزوں کے خلاف بات کرتا ہے تو نظام ترجیحاً ایسے حضرات کو راستے سے ہٹا دیتا ہے، اور اس کے لیے بے تحاشا مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں...... مولانا حق نواز جھنگوی سے لے کر علامہ احسان الٰہی ظہیر اور مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا ولی اللہ کابلگرامی سے مولانا عبد اللہ غازی و مولانا عبد الرشید غازی (نوّر اللہ مرقدہم)...... ان سب کے قتل و شہادت کے پیچھے باطل نظام ہی کے ہاتھ کار فرما رہے ہیں۔

امت کی جس بھی تحریک میں مسلکی تعصبات کے سبب دھڑے بندی ہوئی ہے وہ ناکام و نامراد ہوئی ہے۔ پھر اگر خدانخواستہ یہ تعصبات کسی جہادی تحریک میں در آئیں تو نتیجے میں تباہی عام دین دار تحریکوں سے بدرجہا زیادہ ہوتی ہے۔ یہ بھی عام مشاہدہ ہے کہ دشمنانِ دین، طواغیت اور طاغوتی نظاموں کے آلۂ کار و محافظین یا تو مسلکی تعصبات اور جتھے بندیوں کے پیچھے ہوتے ہیں یا اگر بنیادی کردار ان کا نہ ہو تو کم از کم ان کی تائید و حمایت ضرور ان مسالک کی بنیاد پر تعصبات کھڑے کرنے والوں کے پیچھے ہوتی ہے۔ پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ سلفی علما و داعیانِ دین ہوں یا دیوبندی حضرات، جو بھی نظام کے خلاف اور نظام میں موجود کل پرزوں کے خلاف بات کرتا

---

[1] مسلکِ علمائے دیوبند، ص ۲۵ (شائع کردہ طیب پبلشرز)

ہے تو نظام ترجیحاً ایسے حضرات کو راستے سے ہٹا دیتا ہے، اور اس کے لیے بے تحاشا مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں...... مولانا حق نواز جھنگوی سے لے کر علامہ احسان الٰہی ظہیر اور مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا ولی اللہ کابلگرامی سے مولانا عبد اللہ غازی و مولانا عبد الرشید غازی (نوّر اللہ مرقدہم)...... ان سب کے قتل و شہادت کے پیچھے باطل نظام ہی کے ہاتھ کار فرما رہے ہیں۔

الحمدللہ، امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کی زیرِ قیادت قائم ہونے والی امارتِ اسلامیہ افغانستان ان تعصبات سے بفضل اللہ سبحانہٗ پاک اور بچی ہوئی ہے۔

امارتِ اسلامیہ کا حوالہ بہر حوالہ اہم بلکہ اہم ترین ہے۔ اس وقت دنیا میں اگر کہیں شریعت بطورِ قانون و نظام اور عدالت و حکومت قائم ہے تو وہ افغانستان کی سرزمین میں بشکلِ امارتِ اسلامیہ ہے۔

اسلامی حکومت، اسلامی امارت، اسلامی خلافت کسی مسلک کی نمائندہ نہیں ہوتی بلکہ وہ اسلام اور اہلِ سنت والجماعت کی نمائندہ اور انہی کے مفاداتِ اخروی و دنیوی کی محافظ ہوتی ہے۔ وہ احناف کا علم لے کر اور احناف کو ساتھ لے کر غیر احناف کو زیرِ خنجر نہیں رکھتی اور نہ ہی وہ سلفیت کا پرچم لے کر غیر سلفی حضرات کی تکفیر و تفسیق کرتی ہے۔ فقہائے کرام نے کہا ہے کہ سلطان یعنی حاکم کسی خاص مسلک یا فرقے کا نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کو کسی ایک مسلک کے خلاف دوسرے مسلک کی طرف داری کرنی چاہیے اور نہ ہی کسی خاص مسلک و فرقے کی مخالفت۔ وہ امت مسلمہ کا سلطان و حاکم ہوتا ہے جس کے اندر سب مسلمان ہوتے ہیں۔

امتِ مسلمہ میں بہتے افکار و زاویہ ہائے نظر کے چشمے خیر القرون سے بہتے آ رہے ہیں۔ امتِ مسلمہ کی حمایت اور اسلام و ایمان اور دین و شریعت کی نگہبانی کی ایک اعلیٰ مثال 'امارتِ اسلامیہ افغانستان' ہے۔

امتِ مسلمہ میں بہتے افکار و زاویہ ہائے نظر کے چشمے خیر القرون سے بہتے آ رہے ہیں۔ امتِ مسلمہ کی حمایت اور اسلام و ایمان اور دین و شریعت کی نگہبانی کی ایک اعلیٰ مثال 'امارتِ اسلامیہ افغانستان' ہے۔

آج ایک بار پھر حضرت امیر المومنین شیخ الحدیث والتفسیر مولانا ہبۃ اللہ اخندزادہ کی قیادت و امارت میں 'امارتِ اسلامیہ' عملاً قائم ہونے لگی ہے اور امارتِ اسلامیہ کی جانب سے رسماً سلفی علمائے کرام کی بیعت کو قبول و نشر کرنا امارتِ اسلامیہ کے مبنی بر اعتدال موقف اور حکمت و بصیرت کی نظیر ہے۔

اس ویڈیو میں سلفی علمائے کرام حضرت مولانا عبد العزیز نورستانی (حفظہ اللہ ورعاہ) کی قیادت میں امارتِ اسلامیہ کی بیعت کی تجدید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> ''ہم تو امارتِ اسلامیہ کے ساتھ اس کے اولین دور (ملا عمر صاحب کے زمانے) سے جڑے ہوئے ہیں اور ہم سلفی علما نے امارت کی مخالفت نہیں کی اور ہم سلفی علما نے یہ فتویٰ دیا کہ 'امارتِ اسلامیہ ہماری امارت و اسلامیہ حکومت ہے اور جو اس کے بالمقابل (مخالفت میں) کھڑا ہو گا تو اس کے خلاف جہاد کیا جائے گا'۔ سلفی علما کے اکابرین نے یہ اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اور خود اپنے ہاتھ سے اس پر دستخط کیے ہیں۔ ہم اب بھی امارت کے ساتھ اس عہد اور اس عقیدے پر سختی سے کاربند ہیں اور ہم امارت کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں رکھتے۔ ہم امارت کو اپنا امیر سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو امارت کی رعایا گردانتے ہیں۔
>
> جہاں تک امارت کی بیعت کا معاملہ ہے تو علمائے کرام پہلے بھی امارت کی بیعت کر چکے ہیں جن میں سرِ فہرست شیخ امین اللہ پشاوری صاحب، شیخ حیات اللہ صاحب، شیخ عنایت الرحمٰن صاحب اور دیگر سلفی علمائے کرام شامل ہیں۔
>
> (بیعت تو ہم پہلے ہی کر چکے ہیں) لیکن آج اس بیعت کی تجدید کی کیا ضرورت پیش آئی؟ تو ماجرا یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ بہت سی سازشیں اور منصوبے تیار کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ امارتِ اسلامی کا بفضل اللہ مقابلہ نہ کر سکے...... اور انہوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے ایک جتھا، ایک فرقہ بنایا جو 'دولتِ اسلامیہ یا داعش' کے نام سے معروف ہوا۔ یہ لوگ بظاہر آمین بالجہر بھی کہتے تھے اور رفع الیدین بھی کرتے تھے (لیکن ان کا سلفی علما کی فکر سے کوئی تعلق نہیں)۔ پس ایسے (غالی) افکار کے حاملین کی مذمت ہم پہلے بھی کرتے تھے، اب بھی کرتے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے، ان شاء اللہ۔ (ہم سلفی ہوں یا حنفی ہوں) ہم ایک ہیں!''

اسی تقریب میں شیخ فضلِ ربی صاحب (حفظہ اللہ ورعاہ) نے فرمایا:

> ''ہماری دعا، حمایت اور تائید امارتِ اسلامیہ کے ساتھ ہے اور ہم یہ آرزو کرتے ہیں کہ امارت پوری قوت و شوکت کے ساتھ قائم ہو جائے اور یہ امارت پوری دنیا کے لیے ایک دینی نمونہ و اسوہ بن جائے اور اللہ تعالیٰ اس امارت کو پوری دنیا میں قائم فرما دیں!''

اس تقریب اور دراصل امارتِ اسلامیہ کی شان یہ بھی ہے کہ اس میں امارتِ اسلامیہ کی جانب سے بطورِ ذمہ دار شریک ہونے والے بلکہ اس تقریب کی صدارت کرنے والے امارتِ اسلامیہ کی وزارتِ دعوت و ارشاد (دعوت و ارشاد کمیسیون) کے مسئول شیخ الحدیث مولانا محمد خالد صاحب (دامت برکاتہم) نے کی اور مذکورہ حضرت کا اپنا تعلق مسلکِ حنفیہ سے ہے۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ امارتِ اسلامیہ کو مزید قوت و تمکین عطا فرمائیں اور اللہ پاک ہمیں فروعی اختلافات میں وہ اخلاقِ عالیہ اپنانے کی توفیق عطا فرمائیں جو اسلافِ امت...... حضراتِ صحابہ اور ائمۂ امت کے تھے، آمین یاربّ العالمین!

★★★★★

شکریہ امارتِ اسلامیہ!

معین الدین شامی

امارتِ اسلامیہ افغانستان کا شکریہ ادا کرنا لازمی ہے، کہ اس امارتِ اسلامیہ نے اس زمانے میں اسلام کی تجدید و احیا کی خدمتِ عالی کی۔ ایک ایسا زمانہ جب عبادات کے مظاہر تو کرۂ ارض پر موجود ہیں لیکن حاکمیت اور دین کی افضلیت اور اس دین پر فخر کے مظاہر غائب ہیں (یہ الگ بات ہے کہ دین جہاں حاکم کے بجائے محکوم ہو اور دین پر فخر کے بجائے شعائرِ دینی پر عمل عار گردانا جاتا ہو تو روایتی طور پر جنہیں 'عبادات' کہا جاتا ہے؛ ان کا وجود بھی کہاں باقی رہ جاتا ہے؟!)۔

کیا ہماری یادداشت میں ایسی کوئی تصویر موجود ہے کہ آخری بار کب 'ذرائع ابلاغ' پر ہم نے اہلِ دین کے کسی ایسے نمائندے کو اظہارِ خیال کرتے دیکھا تھا جو 'جمہوری اسلام'، 'جمہوری سیاست یعنی پالیٹکس' اور 'جمہوری حقوق' میں لپٹی گفتگو کے بجائے 'حقیقی اسلام'، 'سیاست الشرعیہ' اور 'حقوق اللہ و حقوق العباد' کو محور بنا کر گفتگو کر رہا ہو؟

ایسی کوئی تصویر بھی ماضی کے البم میں شاید مفقود ہے کہ جب کسی 'اسلامی' لیڈر نے اہلِ مغرب سے کوئی مکالمہ کیا ہو، کوئی 'ایم او یو/MoU[1]' سائن کیا ہو یا معاہدہ طے پایا ہو تو 'اہلِ اسلام' نے تالیاں نہ پیٹی ہوں بلکہ واحد القہار کی کبریائی بیان کی ہو؟

یہ کب ہوا تھا کہ پنج ستارہ و ہفت ستارہ کانچ سے بنے ہوٹلوں میں بوقتِ نماز 'قومِ حجاز' کا کوئی ایک فرد نہیں، بلکہ پوری قوم، قبلہ رو ہو کر زمیں بوس ہوئی ہو؟

کیا یہ عکس دماغ میں کہیں محفوظ ہے، یا دماغ چھوڑیے ابلاغی اداروں کی یادداشتوں (آرکائیو) میں ایسا کچھ موجود ہے کہ اہلِ اسلام کے کسی نمائندے سے سوال 'عالمی پالیٹکس' کے متعلق ہو تو وہ گفتگو کی ابتدا و انتہا اور گفتگو کے حاشیے و حوالے میں شریعتِ محمدی (علی صاحبہا الصلاۃ و السلام) کا ذکر لاتا ہو؟

میرا ذہن تو ماضی کی ایسی مثال سے خالی ہے۔ 'ماضی' بلکہ مناسب نہ ہو گا، دراصل پچھلے سو سال کا ماضی کہنا چاہ رہا ہوں ورنہ میرا ماضی تو بہت تاب ناک ہے، جھلملاتا، چمکتا ماضی ہے، الحمدللہ!

یہ اکیسویں صدی ہے۔ اس دور میں اب مسئلہ مسنون لباس کا نہیں رہا، ساتر لباس کا ہو گیا ہے؛ عورتوں کے لیے نہیں مردوں کے لیے بھی۔ اب جواز برتن میں کچھ کھانا بچا دینے کا ڈھونڈا جاتا ہے، خاص کر جب یہ کھانا کسی یک ستارہ سے ہفت ستارہ ریستوران میں کھایا جا رہا ہو اور جواز ڈھونڈنے والے تو بہت اچھے ہیں، اصل معاملہ تو خود ہی بوفے کھاتے ہوئے کتنا ہی کھانا خود ہی ویسٹ بن (کچرہ دان) میں پھینک دینے کا ہے۔ اہم میٹنگ میں نمازِ باجماعت تو کجا نماز ہی کے ترک کی مثالیں ہیں۔ اب 'اسلام' اکہتر (۱۹۷۱ء) کے آئین کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے۔

پاکستان، مصر، تیونس، ترکی، بنگلہ دیش، ملائشیا وغیرہ کے قوانین کی حدودِ اربعہ میں ہی 'حدود اللہ' کو بھی 'ایڈجسٹ' کر دیا گیا ہے۔ 'ہم''اہلِ دین'' بھی حقوق، مساوات، آزادی وغیرہ پر ویسا ہی یقین رکھتے ہیں جیسا کہ ''اہلِ مغرب''!'، یہ نعرہ بھی اب عام ہے۔ انٹرنیشنل اکانومی کے اصولوں کے مطابق ہمارا 'اسلامک بینک' بھی 'سٹیٹ بینک' کی 'اوپن' کی گئی (یعنی کھولی گئی) 'ونڈو' (کھڑکی) کے ذریعے بینکاری کر رہا ہے۔

ایسے میں، مَیں اسلام پر فخر کرنے والے، دن کے شہسوار، راتوں کے راہب، مجاہدین فی سبیل اللہ، جماعتِ علما و طلبہ، اقامتِ دین و شریعت کا احیا کرنے والے، اسلامی اصولِ سیاست و سفارت کے ماہرین...... امارتِ اسلامیہ افغانستان کے قائدین و عمائدین کا کیوں شکریہ ادا نہ کروں؟

یہ اپنے ڈھیلے ڈھالے لباسوں، پگڑیوں، کاندھے پر پڑی چادروں اور مسنون داڑھیوں کے ساتھ اہلِ کفر کو میدانِ قتال میں ذلیل کرنے کے بعد مذاکرات کی میز پر شکست دیتے ہیں۔ یہ بوقتِ نماز اپنے کاندھوں سے چادریں اتار کر زمین پر بچھاتے ہیں، امریکی و چینی، روسی و ایرانی، پاکستانی و قطری...... پچاس ممالک کے سفیروں وزیروں سے مرعوب نہیں ہوتے بلکہ ایک اللہ کا رعب اپنے دل پر طاری کرتے ہوئے، ایک اللہ کے سامنے زمیں بوس ہوتے ہیں۔ یہ سی این این، بی بی سی، رشیا ٹوڈے، جیو و دنیا نیوز، الجزیرہ، وائس آف امریکہ و وائس آف جرمنی سے بھی بات کرتے ہیں تو بنامِ خدا 'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' سے شروع کرتے ہیں۔ حمد و ثنا اور درود و سلام ہی ان کی گفتگو کا منتہا ہیں۔ یہ نیویارک ٹائمز میں 'آرٹیکل' لکھیں یا کسی اور موقع پر 'حقوقِ نسواں' کی بحث ہو، ان کا مرجع و مصدر، حاشیہ و حوالہ، متن و مضمون 'اسلام' اور 'شریعت' ہی رہتا ہے۔ کوئی صحافی لاکھ ان کے منہ میں 'جمہوریت' کی اصطلاح ڈالے یہ 'نظامِ اسلامی' ہی کی بات کرتے ہیں۔

یہ ہبۃ اللہ ہیں، سراج الدین ہیں، مولوی محمد یعقوب ہیں، عبد الغنی برادر ہیں، ذبیح اللہ مجاہد ہیں، امیر خان متقی ہیں، عباس ستانکزئی ہیں، سہیل شاہین ہیں...... میں ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، میں ان پر فخر کرتا ہوں اور ہر اس مجاہد و سپاہی پر فخر کرتا ہوں اور اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو ان کے پیچھے چلتا ہے۔ میں شکر گزار ہوں ان کا اور اپنے آپ کو ان سے جوڑ کر فخر محسوس کرتا ہوں جنہوں نے اکیسویں صدی میں اسلام کو اس کی 'اصل' تعبیر کے ساتھ نافذ کیا ہے۔

شکریہ امارتِ اسلامیہ!

---

[1] Memorandum of Understanding یعنی افہام و تفہیم کی دستاویز

دیکھنا......!

محمد سعید حسن

اس تحریر کے مخاطبین محض اہلِ پاکستان نہیں کہ یہاں کا 'جمہوری' تصورِ دین وطنیت کے ساتھ گندھا ہوا ہے۔ بلکہ اس تحریر کے مخاطبین 'جدید قومی ریاستوں (Nation States)' کے باسی ہیں۔ چونکہ مضمون 'اردو' میں ہے سو ہم کہہ سکتے ہیں کہ بنیادی مخاطبین پاکستانی، ہندوستانی، بنگلہ دیشی وغیرہ ہیں لیکن دراصل مخاطبین تمام عالم میں موجود ستّاون (۵۷) یا اس سے زیادہ یا کم 'مسلم قومی ریاستوں' کے 'شہری/citizens' ہیں۔ (ادارہ)

لاٹھی کی ضرب سے کعبے میں بت ایک ایک کر کے منہ کے بل گر رہے تھے۔ صدیوں سے چھایا ابلیسی طلسم ٹوٹ رہا تھا۔ لات، منات، عزّیٰ...... فہرست چلتی چلی جاتی ہے۔ پتھروں اور لکڑیوں سے تراشیدہ معبود، ایک کے بعد ایک، صفحۂ ہستی سے مٹ رہے تھے۔ دِلوں میں چھپے عصبیتوں کے اصنام پاش پاش ہو رہے تھے۔ حق کی روشنی سے نفرتوں کی دیواریں، نسلیت کی باڑیں اور قومیتوں کی سرحدیں مٹتی چلی جا رہی تھیں۔ ایک نئے عالم کی پیدائش ہو رہی تھی۔ کون ہو؟...... کہاں سے ہو؟...... کس خاندان سے ہو؟...... کی بنیاد پر محبتوں کے لائق اور نفرتوں کے مستحق گردانے کا دور جا چکا تھا۔ اولادِ آدم کے لیے اپنے ربّ کے حضور سجدۂ شکر بجا لانا ہی وجۂ عزّت و شرف ٹھہرایا جا رہا تھا۔

اس منظر سے یہ سوال جنم لیتا ہے کہ آخر خدا نے اپنے نبی کے لیے یہ کیوں لازم کر دیا کہ وہ قوم اور وطن پرستی کی جڑ کاٹنے پر اپنی قوتیں صرف کرے؟! اس کے معمولی سے بھی اظہار کو ''جاہلیت کے بدبودار جملے'' کہے! اس بنیاد پر عزّت و شرف کے بیان کو ''اپنے پیروں کے نیچے'' بتا کر ذلیل کرے!

اس کی سیدھی سادی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ وطن اور قوم پرستی امّت میں تفرقہ ڈالتی ہے۔ اس تفرقے کے نتیجے میں نیکی اور بدی کا تصور یکسر بدل جاتا ہے۔ برے اور بھلے کی جو تمیز ہر بشر میں رکھ دی گئی ہے اور جس کی وجہ سے سب انسان بھلائیوں کو جانتے ہیں اور غلط کاری کے وقت انھیں اندرونی طور پر اس کا خوب احساس ہوتا ہے کہ وہ غلط کام کر رہے ہیں؛ یہ نیکی اور بدی کا فہم قومیت کے فلسفے کو مانتے ساتھ ہی بدل جاتا ہے۔ یہ ایسے ہوتا ہے کہ وہ تمام چیزیں جو خلقِ خدا کی بھلائی سے متعلق تھیں وہ ایکا ایکی قومی بھلائی (National Interest) میں محدود کر دی جاتی ہیں۔ یعنی اس فلسفے کو درست ماننے اور اپنانے سے قبل جسے نیکی اور بھلائی کہا کرتے تھے، وہ یک دم غداری کہلائی جانے لگتی ہے اور جو شے بے حمیّتی گردانی جاتی تھی، وہ اچانک عین دانش مندی تصور کی جانے لگتی ہے! اسے یوں سمجھیں کہ کسی کمزور قوم کو، بِلا اشتعال، لوٹ مار کا نشانہ بنانا سبھی انسانوں کے نزدیک ناجائز اور ناروا جانا جاتا ہے، لیکن اگر یہ عمل ایک طاقتور قوم کے حق میں (In National Interest) جاتا ہو تو قومیت کا یہ فلسفہ اسے جائز ہونے (Legitimate) کی سند اس طاقتور قوم کے جمہور کی مرضی سے (Democratically) فراہم کر دیتا ہے۔ اسی طرح کسی کمزور قوم پر ہونے والے ظلم و ستم اور دست درازی پر دم سادھے بیٹھے رہنا اور ع 'ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم' کی تصویر ہو جانا فقط اس لیے جائز اور درست مانا جاتا ہے، کیونکہ مظلوم کی حمایت کے نتیجے میں ظالم کے ظلم و جور کا نشانہ خود کو بھی بننا پڑ جاتا ہے اور یہ قومی مفاد (National Interest) کے عین خلاف ہے۔ سپر پاور سے محض اس بنیاد پر لڑائی چھیڑ لینا کہ وہ ان معدنی وسائل پر اپنا حق جتلاتی ہے جو اس کی ملکی حدود سے بہت دور کسی کمزور قوم کے پاس ہیں کہاں کی ہوش مندی کہلائے گی؟ محض سچ، صداقت، حق اور دیانت دنیا چلانے کے لیے کافی نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ سچ، صداقت، حق اور دیانت اگر قومی مفاد (National Interest) میں ہے تو اس کے راگ ٹی وی چینلوں پر بھی الاپے جائیں گے لیکن اگر اس سچ کی قیمت پتھر کے دور میں دھکیلے جانے کی دھمکیوں کی شکل میں ادا کرنی پڑے تو پھر ایسی باتیں بچوں کی کہانیوں میں بیان کی جاتی ہیں، قوموں کی زندگیوں میں البتہ منافقت، خود غرضی، بوالہوسی، طوطا چشمی، جھوٹ اور ابن الوقتی سے بڑھ کر کارآمد اور فائدہ بخش شے کوئی اور نہیں ہے۔ لہٰذا کسی جابر کے جبر اور کسی قاہر کے قہر کا نشانہ بننے والوں کی مدد اور نصرت سے دست کش ہونا اس فلسفۂ قومیت کی روشنی میں عین دانش مندی اور کمالِ ذہانت کہلائے گی۔ ہاں! اس پرائے پھڈے میں ٹانگ اڑا بیٹھنا نری سفاہت اور حماقت ہو گی۔

یہ ہے وہ فساد جو ابلیسِ لعین زمین میں برپا کرنا چاہتا ہے۔ وطن پرستی کے خوشنما نعروں، جیوے جیوے کی صداؤں اور قومی ترانوں کی بجتی دُھنوں کے شور میں بلکتی، سسکتی انسانیت کی آہیں دب جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے اپنے نبی کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ اس مکروہ ذہنیت اور اس کے مظاہر کو کبھی تو ''جاہلیت کے بدبودار جملے'' کہے اور کبھی اسے اپنے ''پیروں تلے'' ہونے کو بتا کر ذلیل کرے! اس فلسفے کے مقابلے میں ایک اور قوم اور ایک اور برادری تشکیل دے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برادری کو خدا کے حقِ خدائی تسلیم کرنے کی بنیاد پر اٹھایا، پھر اسے خدا کے اس حقِ خدائی سے انکار پر کھڑی ایک دوسری برادری سے بِھڑوا دیا۔ اس امّت کو یہ خوب خوب باور کرایا گیا کہ دیکھو! جھنڈوں کی کثرت اور نسلوں کا تفاوت تمہیں یہ دھوکا نہ دے کہ اس امّت کے مقابلے میں کئی اُمم ہیں! کبھی اس فریب میں مت آ جانا کہ تیکھی ناک والے تو دشمن ہوئے، البتہ پھینی ناک والوں سے خدا کی اجازت سے تم خوب خوب یارانہ رکھ سکتے ہو اور ان کی محبتوں اور الفتوں کے گیت صبح و شام گا سکتے ہو! جس طرح تم خدا کے بھیجے ہوئے اس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کا اقرار کرنے کی وجہ سے ایک امّت ہو اور جغرافیائی

سرحدیں تمہارے لیے کچھ معنی نہیں رکھتیں اسی طرح اس رسول کی رسالت پر ایمان نہ لانے والے بھی ایک اُمت ہیں! چاہے ان کے رنگ مختلف ہوں، چاہے ان کی زبانیں مختلف ہوں۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَمِنكُم مُّؤْمِنٌ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ○

(سورۃ التغابن:۲)

''وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن، اور اللہ وہ سب دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو۔''

اس امّت کو اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ (سورۃ النساء:۱۳۵)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علم بردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔''

اس امّت کی شان اور اس کا مقام تو یہ ہے کہ جب خدا اسے حق کے ساتھ کھڑے ہونے کا حکم دیتا ہے تو پھر وہ حق اور سچ کے سامنے اپنے نفس کو پست کر لیتی ہے، اپنا آپ مار لیتی ہے، اپنے نفس کو اپنی خواہشات کو اور اپنی محبتوں، چاہتوں اور الفتوں کو حق اور سچ کے سامنے کھڑا ہونے نہیں دیتی ہے۔ پھر ایسی ہی قوم کی تعریف و توصیف میں وحی نازل ہوتی ہے کہ:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ○ (سورۃ المجادلۃ:۲۲)

''تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبّت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے اہلِ خاندان۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے ان کو قوت بخشی ہے۔ وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ وہ اللہ کے دھڑے کے لوگ ہیں۔ خبردار رہو، اللہ کے دھڑے والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔''

دیکھنا!......برطانوی، فرانسیسی، پرتگالی اور ولندیزی سامراج کی کھینچی گئی لکیروں اور ان لکیروں کی بنیاد پر گھڑے ہوئے امتیازات (distinctions) کی محبّت خدا اور رسول کی محبّت پر حاوی نہ ہو جائے۔

دیکھنا!......کہیں جھنڈوں کی لہلہاہٹیں، قومی ترانوں کی بجتی دھنیں اور جیوے جیوے کی صدائیں کٹی پھٹی، تیشہ چلی، درماندہ و مظلوم امّت کی آہوں سے تمہیں بہرہ نہ کر دیں۔

دیکھنا!......کشمیر سے اس لیے نہ رشتہ جوڑنا کہ کوئی اسے شہ رگ کہہ گیا ہے اور مشرقی ترکستانیوں کو اس لیے نہ نظر انداز کر دینا کہ لاہور تا کراچی اور قراقرم تا گوادر تمہاری سڑکیں اور انڈسٹریاں 'سی پیک' کے طفیل لگی ہیں!

دیکھنا!!......دیکھنا!!

گوشۂ افکارِ شاعرِ اسلام علامہ محمد اقبالؒ

چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد!

چاہے تو کرے کعبے کو آتش کدۂ پارس
چاہے تو کرے اس میں فرنگی صنم آباد

قرآن کو بازیچۂ تاویل بنا کر
چاہے تو خود اِک تازہ شریعت کرے ایجاد

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

'جدید مشائخ دربار و کلیسا نواز' کا طریقہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآنِ عظیم الشان کی ایمانی غیرت و عزت اور اقامت و نفاذِ شریعت کے احکام کو پس پشت ڈال کر قرآنِ مجید کو محض 'تاویلات' کا ایک کھیل بنا دیا ہے۔ یہ کھیل کبھی اپنے نفس کو موٹا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی سرکار و دربار کو راضی رکھنے کے لیے۔

اسی کھیل کے ذریعے، انہی تاویلات کے ذریعے 'علمِ دین سے منسوب حضرات' اپنے 'جادوئی قلم' اور 'جادوئی بول' کے ذریعے، اللہ کے گھر کعبۃ اللہ کو اہلِ سرکار و دربار کی رضا کی خاطر کبھی آتش کدۂ فارس بناتے ہیں تو کبھی کعبے اور کعبے والے (اللہ) کے دین کو عین جدید 'جمہوریت' ثابت کرتے ہیں۔ یہ جادو گر مشائخ دربار و سرکار ایسے ہیں کہ جب چاہیں اسی قرآن کو جس کے ساتھ شارعِ مکرم نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود اس کی تشریح و نفاذ کے لیے مبعوث کیے گئے......اسی قرآن کے ذریعے غیر شرعی قوانین، باطل آئین اور نئی شریعت ایجاد کر دیں!

نصابِ حکمرانی

ضرغام علی حبیب

ڈگری تو ڈگری ہوتی ہے...... جعلی ہو یا اصلی۔ کیونکہ جیسا نظامِ حکومت اور جس طرح کے حکمران ہمارے ہاں چلے آرہے ہیں اس کے لیے کالجوں، یونیورسٹیوں سے ملنے والی ڈگریاں تو ابھی تک کام آتی نہیں دیکھی گئیں۔ ان پڑھ سے ان پڑھ سیاست دان ہوں یا سویلین اخلاق سے قطعی محروم بوٹ، آج تک امورِ مملکت چلانے کے لیے انہیں کسی پروفیسر سے ٹیوشن پڑھنی نہیں پڑی، سوائے انگریزی بہتر بنانے کے لیے تھوڑی مشق کے۔ یہ بات اس لیے کہہ دی کہ ابھی تک جتنے بھی حکمران نظر آئے، زیادہ پڑھے لکھے بھٹو، بے نظیر، شوکت عزیز یا عارف علوی ہوں، متوسط ڈگریوں والے عمران خان یا بڑی ڈگری سے محروم زرداری و نواز شریف یا پھر انٹرمیڈیٹ میں ماٹھے سے نمبر لے کر کاکول میں بوٹ زمین پر مارنے کی مشق کرنے والے جرنیل......سب کے دورِ اقتدار ہمارے سامنے ہیں۔ نہ تو بھٹو کی فی البدیہہ تقریریں کچھ کارگر نظر آتی ہیں، نہ مجھے کیوں نکالا اور ووٹ کو عزت دو اور نہ ہی امپورٹڈ شوکت عزیز و حفیظ شیخ کی معاشی میدان میں مہارتوں سے ملکی معیشت مستحکم ہو گئی۔ دوسری طرف زرداری جیسا بغیر کسی مشکل کے اتنے عرصے تک اپوزیشن اور قوم دونوں کو جھانسا دے رہا ہے اور نواز شریف بھی تین دفعہ اپنی صلاحیت کے جوہر دکھا لینے کے بعد اپنے لیے نہ سہی اپنی 'مریم نواز' کے لیے جگہ بنانے میں لگا ہے۔ اور جرنیل تو قومی سلامتی کے ایشو کو جس مہارت سے کیش کروا رہے ہیں اس پر بڑی بڑی سیاست والے بھی دنگ ہیں۔

یہ سب کچھ دیکھ کر انسان سوچنے لگتا ہے کہ بھائی امور مملکت چلانا تو بہت بڑی ذمہ داری ہے، دفاع، معیشت، خارجہ پالیسی، تعلیم، صنعت......کیسے کیسے مشکل امور پر نظر رکھنا پڑتی ہے۔ پرانے زمانوں میں تو چلیں اٹھان ہی اس طرز پر ہوتی تھی کہ سترہ سالہ محمد بن قاسم سندھ پر حملہ آور ہو جاتا تھا، غزنوی، غوری، ابدالی سب کے گرد ماحول اور اساتذہ ایسے ہوتے تھے جو ان کو جہاں بانی اور جہاں گیری کے لیے تیار کرتے تھے۔ لیکن اب تو ہم اس تہذیب سے دست بردار ہو کر مغرب کا نظام اپنائے ہوئے ہیں جس کی پیچیدگیاں اس قدر ہیں کہ بندے کو پڑھنا پڑ ہی جاتا ہے۔ پھر معاملہ کیا ہے؟ ہمارے حکمرانوں کے پاس کون سی کنجی ہے جو پڑھے لکھے اور ان پڑھ ہر ایک کو اقتدار کا ایک سا موقع فراہم کرتی ہے۔

اس بات کا جواب امریکہ میں پاکستان کے سفیر رہنے والے حسین حقانی کی امریکی اعلیٰ عہدہ داروں سے ملاقاتوں کی داستانوں سے مل گیا جو "اوباماز وارز(Obama's Wars)" میں چھپیں، جو منجھے ہوئے امریکی صحافی 'باب ووڈورڈ' کی تصنیف ہے۔

حسین حقانی جیسے انتہائی پڑھے لکھے موصوف امریکی عہدہ داروں کو کہتے ہیں کہ پاکستانیوں کی مثال قالین فروش کی سی ہے جو پہلے پہل قالین کی قیمت بہت زیادہ بتاتا ہے لیکن پھر بہت کم قیمت پر اسے بیچ دیتا ہے۔ اور پاکستانیوں کی مثال اس عورت کی سی ہے جس سے کچھ حاصل کرنے کے لیے مرد کو اسے کچھ دینا پڑتا ہے، مثلاً 'پرفیوم'۔

اب بتائیں اگر ایسے ہی حکومت ہوتی ہے اور یہی ہماری 'اپروچ' ہے تو پھر ڈگری جعلی ہو یا اصلی، کیا فرق پڑتا ہے؟ جب حکمران فیصلہ ہی یہ کر کے بیٹھے ہیں کہ ہمیں مانگ کر کھانا ہے تو پھر ضرورت تو مانگنے کے فن میں مہارت کی ہے۔ جب ان لوگوں نے فیصلہ ہی یہ کر رکھا ہے کہ دورِ اقتدار کو لمبا کرنے کے لیے امریکی آشیرباد حاصل کرنی ہے تو پھر سیکھنے والا فن تو چاپلوسی کا ہے۔ اگر ہر حکمران کرسی سنبھالتے ہی دستخط کر دے کہ تمام ملکی امور امریکہ، آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی نگرانی میں طے پائیں گے تو پھر ضرورت تو قوم کو اندھا رکھنے کے لیے جھوٹ بولنے کا ہنر سیکھنے کی ہے......یہ سارے فنون وہ ہیں جن میں ہمارے تمام 'حاضر سروس' و 'پنشن یافتہ' حکمران طاق رہے ہیں۔ اور اسی لیے چند سال پہلے بی بی کا 'سو گوار' رنڈوا خاوند اور سیالکوٹ کا نائی حکمران تھے، پھر آلو گوشت اور ہریسے کے حریص؛ نواز شریف و شباز[1] شریف، ساتھ ہی واجے باجے[2] اور اب عمران خان جو مشکل سے نکالنے کے لیے حل تجویز کرنے کے بجائے بس ایک نعرہ لگاتا ہے کہ 'گھبرانا نہیں ہے!' اور کمی اس چیز کی رہ گئی ہے کہ کہا کرے 'جاگدے رہنا...... ساڈے تے نہ رہنا!'[3]۔ سابقہ فوجی ترجمان بھی راشد قریشی، شوکت سلطان، وحید ارشد، اطہر عباس، عاصم باجوہ اور کیا ہی بات ہے 'سر' آصف غفور کی 'ماشاء اللہ' اس فن میں خوب ہی طاق رہے ہیں۔

ہاں مسئلہ قوم کا رہ جاتا ہے۔ کیا قوم بھی انہی لوگوں اور اسی طرزِ حکومت کو پسند کرتی ہے یا صحیح معنوں میں آزادی چاہتی ہے؟ میرے خیال میں قوم تو آزادی چاہتی ہے لیکن اس کی قیمت ادا کرنے کی ہمت نہیں پا رہی۔ میں اپنی قوم کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر وہ کھڑی ہو جائے تو ان شاء اللہ آزادی پانے کے لیے اس سے بہت کم قربانی دینا پڑے گی جتنی وہ آج دے رہی ہے۔

---

[1] شہباز شریف کو نواز شریف اور کئی اور شہباز شریف کے خیر خواہ 'شباز صاب' ہی کہتے ہیں۔

[2] باجوہ نے آرمی چیف کی کرسی سنبھال کر اپنے باپ کے زمانے کے افسروں سے کہا تھا کہ 'آپ لوگ مجھے چیف صاب نہ کہا کرو، میں آپ کا وہی واجا باجا ہوں'، اس قول کی راوی ایک فاختہ ہے جو روزنامہ دنیا میں کالم لکھتی ہے۔ اس فاختہ کا تعلق 'چڑیا' سے نہیں ہے، جو آ کر نجم سیٹھی کو خبریں بتاتی تھی اور ہے۔ ویسے فاختہ نے بھی سوچا ہو گا کہ چڑیا خبریں دے سکتی ہے تو میں کیوں نہیں؟!

[3] جاگتے رہنا، خود ہی انتظام رکھنا، ہم پر بھروسہ نہ کیے رکھنا کہ ہم کچھ کریں گے!

آزاد جہاد...... کیا، کیوں اور کیسے ؟

محمد مقبول

مقبوضہ کشمیر میں 'انصار غزوۃ الہند' سے وابستہ ایک مجاہد فی سبیل اللہ کے قلم سے منہجِ 'شریعت یا شہادت' کو بیان کرتی ایک تحریر

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا○ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا○وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا○(سورۃ الاحزاب: ۱ تا ۳)

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

"اے نبی! اللہ سے ڈرتے رہو، اور کافروں اور منافقوں کا کہنا مت مانو۔ بیشک اللہ بہت علم والا، بڑا حکمت والا ہے۔ اور تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر جو وحی بھیجی جا رہی ہے اس کی پیروی کرو، تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ یقینی طور پر اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور کام بنانے کے لیے اللہ بالکل کافی ہے۔"

میں کشمیر میں انصار غزوۃ الہند کے ساتھ کیوں وابستہ ہوا؟ میں نے کیوں ان بلند عزائم رکھنے والے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ان کے احکامات سے محبت رکھنے والے ان مجاہدین کے قافلے کا انتخاب کیا اور میں ان کی صفوں میں بالآخر کیسے شامل ہوا؟

میں مختلف مدارسِ دینیہ میں تعلم کرتا رہا، الغرض قرآنِ مجید حفظ کرنے سے لے کر دورۂ حدیث تک کئی مدارس میں کئی قسم کے سیاسی افکار کو دیکھتا رہا اور جہاد پر بھی ساتھ ہی نظر رہی۔ پہلے سے ہی یہ جستجو رہتی تھی کہ اللہ پاک کسی طرح اپنے راستے یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں قبول فرمائے۔ یہی وجہ تھی کہ محض کتابوں میں دل نہیں لگتا تھا اور علمِ دین کے ساتھ یہی سوچ لاحق رہتی تھی کہ کسی طرح جہادی کاموں میں بھی مستعد ہو جاؤں۔ اس زمانے میں کئی تنظیموں سے رابطہ رہا، لیکن دلی خواہش یہ تھی کہ جو پکار اور جس منہج کی دعوت برہان وانی بھائی اور ذاکر موسیٰ بھائی پیش کر رہے ہیں، کسی طرح اس دعوت و جہاد کے کاروان کا حصہ بن جاؤں۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی آج تک جتنے بھی نعرے سنے تھے سب مختلف تھے......

لیکن اچانک ایک مطیعِ رسول، ایک محبِ دین، ایک قائد، ایک مجاہد کے نعرے کی آواز میرے کانوں تک پہنچی جس نے باقی نعروں کی جگہ شریعت یا شہادت کا نعرہ بلند کیا۔ اس نعرے نے میرے دل کو جیت لیا کیونکہ جتنی احادیث پڑھی تھیں جہاد کے متعلق اور مجاہدین کے بارے میں جتنے اوصاف سنے تھے...... وہ سب اوصاف و احادیث اس مردِ قلندر پر صادق آ رہی تھیں۔ یہ جتنی خوشی کی بات تھی، اس قدر دل میں غم نے بھی گھر کر لیا کہ کیا کروں؟ اگر میں حق و صداقت کی پکار کا ساتھ نہیں دے پایا تو کل قیامت کے دن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیسے کھڑا ہوں گا؟

یہ بات اکثر ذہن میں رہتی تھی کہ ان سے رابطہ کرنا میرے لیے محال ہے۔ سو ایک دن عصر کی نماز کے بعد دعا کر رہا تھا کہ یا اللہ آپ ہر چیز پر قادر ہیں، کسی طرح میرا اپنے ان مجاہد بندوں کے ساتھ رابطہ کرا دے۔ ابھی شام ہوئی ہی نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور ایک ذریعہ جس سے پہلے سے کوشش جاری تھی، وہاں سے اچانک جواب آ گیا۔ ذاکر موسیٰ بھائی کے نائب ریحان خان بھائی سے رابطہ ہو گیا۔ اس رابطے پر جو خوشی ہوئی تو اس کا حال اللہ ہی جانتا ہے، یہ اللہ کا مجھ پر بہت ہی بڑا احسان تھا۔

میرے ایک قریبی ساتھی جو اسی طرح کا نظریہ رکھتے تھے، ان کو یہ احوال سنایا۔ میں نے کہا کہ 'معاملہ حل ہو گیا اب کوئی پریشانی نہیں'۔ جب میں نے ان سے کہا کہ ذاکر بھائی سے رابطہ ہو گیا ہے تو ان کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا، جب کچھ یقین آیا تو وہ بھی بہت زیادہ خوش ہوئے۔

یوں میں عملاً انصار غزوۃ الہند سے وابستہ مجاہدین سے جڑ گیا۔

ریحان خان بھائی سے بات ہوتی رہتی تھی۔ ایک دن میں نے ان سے کہا کہ 'حضرت! ایک بات بتایئے! ذاکر بھائی نے پاکستانی ایجنسیوں سے علی الاعلان برأت کیوں کی؟'

ریحان بھائی نے کہا 'بھائی جان! ہمارا مقصد یہ تھا کہ جہادِ کشمیر کو حکومت پاکستان اور ایجنسیوں کی ماتحتی سے آزاد کروایا جائے'۔

اب یہاں یہ بات بھی سمجھنا ضروری ہے کہ آزاد جہاد کا مطلب کیا ہے؟

آزاد جہاد کا مطلب یہ ہے کہ جہاد کو کسی بھی ایجنسی یا کسی بھی ایسی حکومت کے تحت نہ کیا جائے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ماتحت نہ ہو۔ آزاد جہاد کا مطلب دنیا کے تمام نظاموں اور ایجنسیوں سے آزاد ہو کر اللہ کی شریعت کے احکام کا غلام ہو کر جہاد کرنا ہے۔ آزاد جہاد اللہ کی شریعت کی غلامی کی وہ زنجیر ہے جو دنیا کے ہر طوق سے آزادی دلا دے۔

آزاد جہاد کا مطلب یہ ہے کہ جہاد کسی ملک یا ایجنسی کی وضع کردہ خارجہ پالیسی یا پراکسی جنگ (proxy war) نہ ہو۔ آزاد جہاد جس کی منزل شریعت کی حاکمیت اور دین کی اقامت ہو۔ آزاد جہاد جو نیشنل ازم، سیکولر ازم، کیپیٹل ازم، سوشل ازم اور ہر قسم کی عصبیتوں سے آزاد ہو۔ آزاد جہاد ایک ایسی جد و جہد کا نام ہے جس کی انتہا 'جے ہند'، 'جیوے پاکستان' اور 'جوئے بنگلہ' کے نعرے نہیں بلکہ 'دارالاسلام' کی بابرکت فضائیں ہوتی ہیں!

پس ہم نے یہ سمجھا کہ ان ایجنسیوں کا حکم ماننے سے انکار نہیں کیا، ان کی ماتحتی سے اعلانِ برأت نہیں کیا تو ستّر سال اور گزر جائیں گے اور یقیناً ہم اس دلدل سے نہیں نکلے ہوں گے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ستّر سال سے زائد ہوئے پاکستان کو بنے ہوئے لیکن قانون و نظام آج بھی وہی انگریز والا ہے۔ بس فرق یہ ظاہر ہوا کہ کل کے حاکم انگریز 'گورے' تھے جبکہ آج کے حاکم انگریز 'کالے' آ گئے۔

جنہوں نے ستّر سال میں شریعت کا خیال نہیں رکھا بلکہ شریعت کے خلاف جنگ پر آمادہ ہو گئے ان کی ماتحتی میں جہاد کے مقاصد کا پورا ہونا محال ہے، کیونکہ ردالعدوان یعنی کفر کی ہر اس طاقت و قوت کو توڑ دینا جو اسلام اور مسلمانوں کے لیے خطرہ ہو اور دنیا سے ان کا نظام مٹا کر اللہ تعالیٰ کے کلمے کو سربلند کرنا اور کفر کی ہر قوت کو توڑ ڈالنا جہاد کے بلند ترین مقاصد میں سے ہے۔ یہ محض خارجہ پالیسی یا پراکسی وار نہیں اور یہی بات واضح کرتی ہے کہ ایجنسیوں کی ماتحتی سے اعلان برأت کرنا کتنا ضروری تھا۔

یہ ایجنسیاں ہی ہیں جو اپنے مفاد کی خاطر جب چاہتی ہیں لائن آف کنٹرول جیسا بارڈر کھول دیتی ہیں اور جب مفاد نہیں ہوتا تو ہم پچھلے بیس سال سے دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح مجاہدینِ کشمیر کو تنہا (abandon) کیا گیا ہے۔

یہ ان مجاہدین کو اپنے مفاد کی خاطر استعمال کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، یہاں تک کہ کئی مجاہدین کو انہوں نے خود ہی یہاں وادی میں شہید کروادیا اور کتنوں کو ان کے 'گائیڈز' نے راستے میں مار دیا۔

خیر میں ریحان خان بھائی سے اپنے رابطے کا ذکر کر رہا تھا......

انہوں نے مجھے کہا کہ آپ علمِ دین کی سند مکمل کیجیے اور ساتھ ہی اس منہج کے متعلق کچھ کتابیں بھجوائیں۔ جب میں یہ کتابیں پڑھنے لگا تو ذہن میں ایک بات گردش کرنے لگی کہ ان معلومات کو عمل میں تبدیل کر دیا جائے اور میں نے ریحان بھائی سے کہا کہ مجھے جلد از جلد صفوں میں شامل ہونے دیا جائے۔

ریحان بھائی کا بہت ہی دل کو چیرنے والا جواب آیا۔ کہا 'بھائی! آپ کو پتہ ہے ایک بندوق والے ساتھی کے ساتھ تین پستول والے ہوتے ہیں، اتنی قلت ہے اسلحے کی...... ان شاء اللہ آپ پریشان نہ ہوں جو نہی اسلحے کا کچھ بندوبست ہو گا تو آپ کو شامل ہونے کا موقع فراہم کیا جائے گا'۔

پھر الحمدللہ وہ دن بھی آیا کہ اللہ کی رحمت مہربان ہوئی اور میں بھی اس صفِ جہاد کا حصہ بن گیا۔

بھائیو! ہمارا مقصد کیا ہے؟

ہمارا مقصد تو خالص یہ ہے کہ یا تو ہماری جدوجہد برگ و بار لائے اور شریعت ہمارے سامنے قائم ہو جائے یا شہادت ملے اور ہم اپنے بھائیوں برہان وانی، مفتی ہلال، سجاد گلکار، ابو دجانہ، سبزار احمد بھٹ، ذاکر موسیٰ، ریحان خان، عبد الحمید للہاری اور درجنوں سیکڑوں اور مجاہدین کے ساتھ جنتوں میں پہنچ جائیں۔

ہم یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں اسلامی نظام قائم ہو۔ اللہ پاک اپنی اتباع کرنے والوں کو حکم دیتا ہے کہ اس وقت تک کافروں سے جنگ کرتے رہیں کہ جب تک کفر کا فتنہ ختم نہ ہو جائے اور اللہ جل شانہ کا کلمہ سب سے بلند حیثیت سے نہ مان لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ (سورۃ الانفال: ۳۹)

"تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔ پھر اگر وہ فتنہ سے رک جائیں تو ان کے اعمال کا دیکھنے والا اللہ ہے۔"

جموں و کشمیر کے میرے مجاہد بھائیو! جو جس بھی علاقے میں ہوں، جس بھی تنظیم میں ہوں......واللہ! آپ ہمارے دلوں کی دھڑکن ہیں۔ کیا کوئی بد نصیب ایسا ہو سکتا ہے جو اپنے بھائیوں کے لیے بھی غلط سوچے؟ ہمارے دلوں میں آپ کے لیے کوئی رنجش نہیں، بلکہ محبت، احترام اور خیر خواہی ہی موجزن ہے۔ بس ہمیں تو ایک فکر ہے جس کی وجہ سے ہمارے دل بہت زیادہ غمزدہ رہتے ہیں اور وہ یہ کہ ہماری کوئی جدوجہد اور کسی شہادت کا ایک قطرۂ خون بھی اسلام کے سوا کسی اور کاز (cause)، مشن اور مقصد کی خاطر نہ بہے۔ ایجنسیوں کی پالیسی سے آزاد جہاد ہو۔

آزاد جہاد کا مطلب......ایجنسیوں کی ماتحتی سے آزادی ہے، خدانخواستہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم وادی میں اور وادی کے پار پاکستان میں اپنے جہاد کے انصار اور جہاد کے حامیوں کی نصرتوں اور قربانیوں کا انکار کر رہے ہیں۔

کشمیر میں موجود مجاہدینِ ذی قدر و ذی احترام! آپ یہ نہ سمجھیے کہ ہمارے دلوں کے اندر تعصب ہے!

تعصب تو دوسروں میں موجود خیر اور خوبی کا انکار ہے جبکہ اپنے اندر پائے جانے والے شر اور خامی کا دفاع ہے!

سچ تو یہ ہے کہ آپ کی قربانیوں نے ہمیں جہاد سے متعارف کروایا ہے۔ آپ کی پیر پنجال سے بلند ہوتی جہادی اذانوں نے ہمیں جہادی عزم و حوصلہ دیا ہے۔ وادی کا ایک ایک چنار آپ کی عظمتوں اور قربانیوں کا گواہ ہے۔ ہمارے سونے جیسے زعفران کی ایک ایک پتی میں شہیدوں کے خون کی مہک ہے۔ جموں و کشمیر کے ہر ہر ضلع اور ہر ہر قصبے میں ہمارا اور آپ کا بہتا لہو، ٹارچر سیلوں میں ہمارے بھائیوں کی آہیں اور سسکیاں ہی ہیں جنہوں نے ہمیں اس آزاد جہاد کی طرف بڑھنے کا راستہ دکھلایا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہر مجاہد کا مقصد اللہ کے دین کو غالب کرنا، ہندو بنیے کے قبضے سے آزادی اور اللہ کی راہ میں شہادت ہے۔ لیکن میرے بھائیو یہ مقصد پانے کے لیے راستہ بھی تو اسی کے مطابق اپنانا ہے ناں!

سوچیے آپ کا دہلی جانے کا ارادہ ہو اور آپ نے آگرہ کی گاڑی پکڑ لی تو کیا آپ دہلی پہنچ جائیں گے؟ کبھی نہیں! دہلی کے لیے آپ کو دہلی کی گاڑی پکڑنا لازم ہے۔

ہماری دعوت تو بس اپنے جہاد کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے ماتحت کرکے رضائے الٰہی کا حصول اور اپنے مظلوم بہنوں اور بھائیوں کی نصرت ہے۔

برما سے آتی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی دل دوز صدائیں، آسام میں کیمپوں میں گھیرے جانے والے کلمہ گوؤں کی آہیں، احمد آباد و گجرات، مظفر نگر اور اب دہلی میں جلتے ہمارے مسلم بھائیوں کے لاشے اور یہ ہمارا کشمیر جس کی کتنی نسلیں شہادتوں، گرفتاریوں، عصمت دریوں، پیلٹ گنوں کے ہاتھوں چھینی گئی آنکھوں کی روشنیوں اور یتیموں کی سسکیوں سے لبریز ہے...... یہ سب ہمیں پکار رہے ہیں اور ان کی پکار پر لبیک جہاد فی سبیل اللہ کا عمل ہے جو صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے تابع ہو، کسی اور کی پالیسی کے ماتحت نہیں!

بقیہ: طالبان کی مثالی حکومت

اے پڑھنے والے! تو مجھ پر میری معذرتوں اور صراحتوں پر ملامت نہ کر اور مجھے ان محبت بھرے لمحوں کی یاد تازہ کرلینے دے، اور میں اپنے دل کو ان دنوں کے لوٹ آنے کی تسلیاں دیتا ہوں اور یہ کام اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں۔ ہو سکتا ہے بہت جلد ہم طالبان یا ان سے بھی اچھے لوگ دیکھیں۔ آخر میں میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ سب اپنی ان تھک کاوشوں کو جاری رکھیں تاکہ ہم اللہ کے دین کی نصرت دیکھ سکیں، چاہے امریکیوں، کافروں اور تمام منافقین کو برا لگے (ان شاء اللہ)۔ جہاد و قتال کا سفر جاری و ساری رکھو۔ آج پھر سے صلیب وہلال کے معرکے بپا ہو چکے ہیں، میدان سج رہے ہیں، مجاہدین کے پاک خون سے اسلام کی کھیتیوں کو سیراب کرنے والی نہر آج فلوجہ سے فلسطین اور فلسطین سے کابل تک جاری ہے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ کل اگر ہلاکو کا ساتھ دینے والے اپنے ہی تھے تو آج بھی کچھ حکمران سب سے پہلے میری ذات کا نعرہ لگا کر آج کے ہلاکو کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اس لیے اے امت مسلمہ! فیصلہ کر لیجیے؛ آپ نے کسی ہلاکو کا ساتھ دینا ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کا؟

بقیہ: ہم کیا چاہتے ؟...... آزادی! مگر کون سی؟!

نے ہمت ہاری، نہ بزدلی دکھائی اور نہ کافروں سے دبے۔ ایسے ہی صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ پاک محبت کرتے ہیں۔"

پس ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ہمت ہارے، بزدلی دکھائے، اور کافروں سے دبے بغیر حصولِ آزادی کے طریق کار اور آزادی کے مقاصد کو سمجھتے ہوئے، آزادی کے اس مشن کو آگے بڑھائیں۔

اے میری ملت کے جوانو! آیئے اللہ رب العزت کے اس امر ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ پر لبیک کہتے ہوئے شہید افضل گورو، شہید غازی بابا، شہید برہان وانی اور شہید ذاکر موسیٰ رحمہم اللہ کے آزادی کے عَلَم کو، نفاذِ شریعت کے عَلَم کو اٹھاتے ہوئے جہادی کارواں میں شامل ہو جائیں۔ یقین جانیے یہ آزادی بغیر قیمت ادا کیے حاصل نہیں ہو سکتی...... اور اس آزادی کی قیمت خون ہے اس کی قیمت موت ہے، لیکن اس موت سے نہ ڈریے۔ یہی وہ موت ہے جس کے لیے میرے اور آپ کے رب نے موت کہنے سے منع فرمایا۔ فرمایا 'جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جائیں انہیں مردہ مت کہو وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے'۔ اور کہیں فرمایا 'جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کو مردہ نہ سمجھنا وہ مردہ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے یہاں زندہ ہیں اور ان کو رزق مل رہا ہے'۔ ایک اور جگہ فرمایا 'اور اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو جو مال و متاع لوگ جمع کرتے ہیں اس سے اللہ کی رحمت اور بخشش کہیں بہتر ہے'۔ یعنی ہر کفر و ظلم اور سامراج و طاغوت سے آزادی کے لیے جہاد فی سبیل اللہ میں شہادت یا موت کا ملنا تمہارے لیے خوب نفع کی چیز ہے۔ کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت نصیب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت ان تمام نعمتوں سے بہت افضل ہے جن نعمتوں کو لوگ بہت شوق سے چاہتے اور جمع کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت ہمیں حقیقی معنوں میں ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ پاک ہمیں شہادت کی موت نصیب فرمائے۔ اللہ پاک تمام مسلمانوں کو نفاذِ شریعت والی حقیقی آزادی کی بہاریں دکھائے، آمین۔ وما علینا الا البلاغ!

'نوائے غزوۂ ہند' کی ویب سائٹ

الحمدللہ، مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' (سابقاً نوائے افغان جہاد) کے تمام شمارے (اگست ۲۰۰۸ء تا شمارۂ ہٰذا) اور ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' کے تحت شائع ہونے والی تمام کتب و کتابچے...... اب 'نوائے غزوۂ ہند' کی ویب سائٹ پر بسہولت پڑھے جا سکتے ہیں اور ڈاؤن لوڈ بھی کیے جا سکتے ہیں۔

پتہ / ایڈریس ہے:

www.nawaighazwaehind.com

ہم کیا چاہتے ؟...... آزادی! مگر کون سی ؟!

محب اللہ میر

برادرِ محترم 'محب اللہ میر' ایک مجاہد فی سبیل اللہ ہیں اور آپ کا تعلق مقبوضہ کشمیر کے ضلع بڈگام سے ہے۔ آپ نے ۲۰۰۱ء میں جہاد میں شمولیت اور تربیت کی غرض سے ہجرت کی اور ایک کشمیری تنظیم سے وابستہ رہے۔ بعد ازاں جہادی نظم پر انٹیلی جنس ایجنسیوں کے تسلط کو دیکھتے ہوئے اور ایجنسیوں کی ماتحتی سے آزاد جہاد کی غرض سے آپ جماعت القاعدہ میں شامل ہو گئے۔ (ادارہ)

تاریخ بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔ اللہ رب العزت نے بھی انسان کو سمجھانے کے لیے قرآن پاک میں گزشتہ امتوں پر گزرے واقعات بیان کیے ہیں جیسے قوم عاد و قوم ثمود کے واقعات۔ فرعون اور اس کے لشکر کا فساد اور ان فسادیوں کا انجام، اور طالوتؑ کی قیادت میں اس کے لشکر کا جالوت اور اس کے لشکر کے خلاف جہاد کے لیے نکلنا۔ پھر ان کی آزمائش ہونا اور ان میں سے اکثر کا جہاد سے پیچھے رہ جانا۔ پھر ان میں سے جو آگے بڑھے، جو یقین رکھتے تھے کہ وہ (شہید ہو کر یا مرنے کے بعد) اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شرف پانے والے ہیں، ان کا یہ کہنا کہ

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ○ (سورۃ البقرہ: ۲۴۹)

”کئی مرتبہ اللہ رب العزت کے حکم سے تھوڑی سی جماعت بڑی جماعت پر غالب آجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

اور پھر طالوتؑ کی قیادت میں اس چھوٹی سی جماعت کے ہاتھوں جالوت اور اس کے لشکر کو شکست ہونا، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے موسیٰؑ کے ذریعے بنی اسرائیل کو قتال کا حکم ہونا اور بنی اسرائیل کا یہ کہنا کہ

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ○ (سورۃ المائدۃ: ۲۴)

”اے موسیٰؑ تو اور تیرا خدا جاکے لڑ ہم یہاں ہی بیٹھے ہیں۔“

پھر بنی اسرائیل کا قتال چھوڑنے کی پاداش میں چالیس سال تک بھٹکتے رہنا۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ...... (سورۃ المائدۃ: ۲۶)

”اللہ نے کہا: 'اچھا تو وہ سرزمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے، یہ (اس دوران) زمین میں بھٹکتے پھریں گے'۔“

الغرض یہ کہ تاریخ یقیناً نہایت اہمت کی حامل ہے۔ اور یقیناً کامیابی ہمارے لیے مقدر ہو جائے گی اگر ہم قرآن و سنت اور قرآن و سنت کا حقیقی علم رکھنے والے علما کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ تاریخ کے اسباق سامنے رکھ کر اپنی آزادی کے اس سفر کو آگے بڑھائیں۔

یوں تو آزادی مختلف قوموں نے مختلف جابروں اور ظالموں سے حاصل کی۔ اسی طرح مسلمانانِ پاکستان کو بھی برٹش سامراج سے آزادی ملی۔ جس کے لیے مسلمانانِ پاکستان نے ہر قسم کی قربانی دی؛ جان کی قربانی، مال کی قربانی، ہجرت، دربدریاں حتیٰ کہ عزت و عصمت کی قربانی، جو قربانی کی انتہا ہے۔ یہ تمام بڑی بڑی قربانیاں برٹش سامراج کے خلاف برسرِپیکار مسلمانوں کے لیے دینا آسان تھیں کیونکہ ان مسلمانوں کے کانوں میں یہ نعرہ گونجتا تھا، پاکستان کا مطلب کیا...... لا الہ الا اللہ!۔ وہ شرعی نظام کے خواب دیکھتے تھے۔ وہ پاکستان کی آزادی کو اسلام کے تصورِ آزادی کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن یہ تمام قربانیاں دینے کا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا کہ مسلمانانِ ہند کو ٹکڑوں میں تقسیم کیا جائے۔ نہ یہ قربانیاں اس لیے دی گئی تھیں کہ جو رائیل انڈین آرمی کل تک غدار اور ظالم تھی، جو فوج کل تک انگریز کی وفادار اور اسلام دشمن تھی، آج ہند کے مسلمانوں کے خواب کو انگریز کی بنائی ہوئی اسی اسلام دشمن فوج کے حوالے کر دیا جائے۔

چونکہ انگریز سامراج، یعنی اسلام کے ازلی دشمن نصاریٰ اور ان کے پیچھے کار فرما چال باز، سازشی اور فسادی یہود، جب یہ بات سمجھ گئے کہ اب ہم برِصغیر پر زیادہ دیر اپنے براہِ راست اقتدار کو برقرار نہیں رکھ سکتے تو ان فسادیوں نے ایک سازش کے تحت اپنے اداروں میں تیار کیے ہوئے سیکولر ذہنیت کے لوگوں کو یہاں کا اقتدار حوالے کر دیا۔ ایک تیر سے دو ہی نہیں بلکہ کئی شکار کیے گئے۔ اور آج بہتر سال گزرنے کے باوجود یہاں کے مسلمانوں کا اسلامی نظام کا خواب پورا نہ ہو سکا۔ یہی وہ تاریخ ہے جس میں نہ صرف آزادی کے لیے جدوجہد کرنے والی کشمیری قوم کے لیے بلکہ برِصغیر میں رہنے والے تمام مسلمانوں کے لیے اسباق موجود ہیں۔

کشمیر میں تمام لوگ جو آزادی کے لیے کسی نہ کسی طریقے سے جدوجہد کرتے ہیں اکثر یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ 'ہم کیا چاہتے ؟...... آزادی!'، اگرچہ یہ کوئی برا نعرہ نہیں لیکن ہر آزادی کا نعرہ لگانے والے مسلمان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام میں حصولِ آزادی کا طریقِ کار اور آزادی کا مطلب کیا ہے؟

بعض حضرات جو تحریکِ آزادیٔ کشمیر کے متعلق اول روز سے ہی یہ کہتے رہے ہیں کہ 'کشمیر میں اقوام متحدہ کے زیر نگرانی رائے شماری کروائی جائے'، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہند کے ساتھ رہنے کے حق میں زیادہ رائے آئے تو ہند کے ساتھ رہا جائے اور اگر پاکستان کے ساتھ رہنے کے حق میں زیادہ رائے آئے تو پاکستان کے ساتھ شامل ہو جایا جائے۔ یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ ان دونوں صورتوں میں مسلمانانِ کشمیر کو نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی 'آزادی' نہیں بلکہ وہی انگریز کے چھوڑے ہوئے نظام کی 'غلامی' حصے میں آجائے گی۔ در اصل یہ

حضرات اسلام کے تصورِ آزادی سے شاید واقف نہیں اور نظامِ پاکستان کو بھی سمجھنے میں ناکام رہے ہیں۔

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ رائے شماری اور آزادی کی بھیک، اقوام متحدہ کے زیر انتظام چلنے والے ادارے سلامتی کونسل سے مانگی جارہی ہے۔ سلامتی کونسل.....! جی ہاں وہی سلامتی کونسل جس کے مستقل ارکان پانچ عالمی بدمعاش؛ امریکہ، روس، برطانیہ، چین اور فرانس ہیں۔ جن کا کردار ہمیشہ مسلمانوں کے مال لوٹنا، عزتیں پامال کرنا اور خون بہانا رہا ہے اور یہی کردار اس وقت بھی جاری ہے۔

امریکہ: جس کی حکومت کی باگ ڈور یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ جی ہاں یہ وہی امریکہ ہے جس کی ہر طرح کی مدد سے مسلمانوں کے ازلی دشمن یہودیوں کی ریاست قائم ہے اور امریکہ سالانہ کئی کھرب ڈالر کی امداد اسرائیل کو دیتا ہے۔ اور امداد بھی آٹا چینی نہیں، عسکری امداد۔ امریکہ وہ ہے جس نے فلسطین، عراق، افغانستان، یمن، شام، صومالیہ اور باقی اسلامی دنیا میں بالواسطہ اور بلاواسطہ لوٹ کھسوٹ، وسائل کی تباہی، عزتوں کی پامالی، گرفتاریاں، تشدد اور بے شمار مسلمانوں کا قتل عام کیا اور کر رہا ہے۔

روس: جس نے ازبکستان، تاجکستان، چیچنیا، آذربائیجان، کرغزستان، ترکمانستان، قازقستان و افغانستان میں نہ صرف مسلمانوں کے اموال و عزتیں لوٹیں بلکہ ہزاروں نہیں، لاکھوں بچوں، خواتین، جوانوں اور بوڑھوں کا قتل عام کیا۔ اور عصر حاضر میں شام میں مسلمانوں پر فوجی کارروائیاں اور بمباریاں کر کے خون مسلم بہانے میں مصروف ہے۔

برطانیہ: جس کے ہند پر جبری قبضے، مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم، عام مسلمانوں اور علمائے کرام کا قتل عام کسی سے ڈھکا چھپا نہیں اور اس وقت کفر کے امام امریکہ کا بڑا اتحادی ہے۔ اور خود کشمیر کا مسئلہ بھی انہیں انگریزوں کا پیدا کردہ ہے۔

فرانس: یہ وہ نصرانی ملک ہے جس میں ہمارے پیارے نبی محمدِ مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کی گئی۔ یقیناً اس قبیح عمل سے اس ملک نے مسلمانوں کو سب سے زیادہ تکلیف پہنچائی۔ یہ نیٹو کا دوسرا طاقت ور ترین رکن ہے۔ مالی کے اندر مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم اس کے علاوہ ہیں۔

چین: جس نے مشرقی ترکستان (سنکیانگ) میں ایغور مسلمانوں پر بے انتہا مظالم ڈھائے اور آج تک ڈھائے جا رہا ہے، مظالم کی ایسی شکل جس کی نظیر نہیں ملتی۔

غرض نام نہاد سلامتی کونسل کے تمام ارکان اگر مسلمانوں کے شدید دشمن ہیں تو ان سے کشمیر کے مسئلے کے حل کی امید رکھنا کاہے کی عقل مندی ہے! پہلے تو یہ فسادی اور مسلمانوں کے خون کے پیاسے کبھی بھی نہیں چاہیں گے کہ کشمیر آزاد ہو اور اگر فرض کریں ان فسادیوں کے کردار سے آزادی مل بھی جائے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ آزادی پاکستان کی آزادی سے مختلف ہو سکتی ہے؟ کیا وہ آزادی اسلام کے تصورِ آزادی کے مطابق ہو گی؟ کیا وہ آزادی افضل گورو، غازی بابا، برہان وانی، مفتی ہلال، ندیم خطیب، سبزار احمد بھٹ، ذاکر موسیٰ، ریحان خان، عبد الحمید للہاری اور دوسرے شہداء رحمۃ اللہ علیہم کے خوابوں اور مشن کے مطابق ہو گی؟ ہر گز نہیں!

اسلام کا تصورِ آزادی کیا ہے؟

اسلام میں آزادی کا مطلب کیا ہے یہ ہم پر ان آیات سے واضح ہوتا ہے۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (سورۃ البقرۃ: ۱۹۳)

"تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور اللہ کا دین قائم ہو جائے۔"

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (سورۃ الانفال: ۳۹)

"تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔"

ان آیات میں اللہ رب العزت نے ہمیں حصولِ آزادی کا طریقہ اور آزادی کا مطلب دونوں سمجھا دیے ہیں۔ یعنی حصولِ آزادی کا طریقہ...... قتال فی سبیل اللہ اور آزادی کا مطلب دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جانا قرار پایا، اللہ کی زمین پر اللہ کے نظام کا نفاذ ہونا قرار پایا۔ ان آیات نے ہمارے اوپر یہ واضح کر دیا کہ ہمیں وہ آزادی چاہیے جس میں بندے کو تمام طواغیت سے آزادی اور صرف اللہ احکم الحاکمین کی مکمل غلامی میسر ہو۔

ہمیں اللہ کی زمین پر اللہ کی حاکمیت والی آزادی چاہیے۔ ہمیں مدینہ طیبہ کی وہ آزادی چاہیے جو مسلمانوں کو نبیٔ ملاحم ﷺ کی قیادت اور ابو بکر صدیق، عمرِ فاروق، علی مرتضیٰ اور عثمانِ غنی رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی خلافت میں میسر تھی۔ ہمیں تو وہ آزادی چاہیے جس میں جاگیردارانہ، سرمایہ دارانہ، جمہوری، سودی اور دیگر باطل نظاموں کے بجائے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا عادلانہ نظام ہو۔

اے میری غیور ملت! ہماری جد و جہد اسی آزادی کے لیے ہونی چاہیے۔ یہی وہ آزادی ہے جس کے لیے جد و جہد کرنا اجر اور اللہ پاک کی رضا کا ذریعہ ہے۔ اور یہ آزادی ہمیں ضرور ملے گی، لیکن یاد رکھیے اس آزادی کی قیمت بھی ادا کرنی پڑتی ہے! اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ یقیناً آپ نے پہلے بھی اس کی قیمت ادا کرنے میں کوئی بخل نہیں کیا۔ آپ نے مال دیا، آپ نے اس آزادی کے حصول کے لیے زخم کھائے، تشدد سہا، آپ نے اپنے جگر گوشے قربان کیے۔ آپ نے یقیناً ہر قسم کی قربانی دی۔ لیکن اللہ رب العزت قران پاک میں فرماتے ہیں:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ○ (سورۃ آل عمران: ۱۴۶)

"بہت سے نبی ہوئے جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والے، اللہ کے دشمنوں سے لڑے، لیکن اللہ کے راستے میں پہنچنے والی تکالیف پر نہ تو انہوں

باقی صفحہ نمبر 88 پر

غزوۂ ہند: آیئے مصداقِ قولِ رسولؐ بن جائیں!

محمد شاکر ترالی

سر زمینِ احرار خراسان میں معرکۂ تثلیث و وحدانیت کا ایک دور مکمل ہوا۔ جہاں بذاتِ خود ہندوستان و کشمیر کے سینکڑوں کڑیل جوانوں نے وہاں کی ریتلی زمین کو اپنے گرم خون سے تر و خوشبودار کیا تو وہیں سالوں داخلِ ہند و کشمیر میں جہادی تشکیلات گزارنے والے مہاجرین نے بھی خطۂ خراسان کا رخ کیا۔ یہ مشیت ایزدی بھی تھی، امیر جہاد شیخ اسامہ بن لادن کا حکم بھی اور امیر المومنین عمرِ ثالث کی پکارِ نصرت پر لبیک بھی۔ یہ مجاہدینِ برِّ صغیر پر ایک قرض بھی تھا، کہ امارت اسلامیہ کے دورِ اول میں امارت اسلامیہ نے جہادِ کشمیر کی اعانت کی بلکہ جہادِ کشمیر کی کتنی ہی ترتیبات کا بیس کیمپ (مرکز) امارت اسلامیہ افغانستان تھا۔ پشتون مجاہد شاعر، امارت اسلامیہ کی شان میں کہے گئے ایک قصیدے میں یونہی تو نہیں کہتا......

پہ عنوان امارت، پہ معنیٰ خلافت
زمونگ راز د قوت، زمونگ رمز د عزت
اسلامی امارت! اسلامی امارت![1]

آج ایک مرتبہ پھر زخم خوردہ وادی اور غمگین ہند کی منتظر نگاہیں خراسان و پاکستان میں ستا رہے شاہینوں کی طرف لگی ہیں۔ صرف انہی کی نہیں بلکہ ان شاہینوں کے انصار و اعوان اور قیادت کی طرف بھی کہ آئیں اور کم و بیش دو صدیوں سے منتظرِ شریعت اس سر زمین کی پیاس بجھائیں۔

اب جب کہ امارت اسلامیہ کو محض اللہ نے فتح سے ہمکنار کیا ہے تو یہ وقت اب غزوۂ ہند کے تمام منصوبہ جات پر باذن اللہ عمل درآمد کا ہے۔ روس کی شکست کے بعد مجاہدین عرب نے مانند شیر اس وادی میں جہاد کا آغاز کرنا چاہا، پاکستانی زیر حکومت کشمیر میں پرانے مجاہدین اور گائیڈز (رہبر) عرب مجاہدین کے معسکرات کے مقامات سے اب بھی واقف ہیں، مگر کچھ 'محسنوں' نے یہ ڈیٹ اور مراکز امارت کے اول دور ہی میں بند کروائے۔ کاش کہ کوئی صاحب عقل اس راز سے پردہ اٹھائے کہ اس دور میں ان کی جہادِ کشمیر سے کیا دشمنی تھی؟

اس کا جواب یہی ہے کہ یہ 'محسن' کبھی بھی وادی میں آزاد جہاد نہیں دیکھنا چاہتے تھے، آزاد جہاد یعنی ان 'محسنوں' کی پالیسیوں سے آزاد جہاد۔

محسن امت شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کے گھر ایبٹ آباد سے ملنے والی دستاویزات سے بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ شیخ وادی کے حالات پر گہری نظر رکھا کرتے تھے، حتیٰ کہ مسلمانوں کی عمومی سہولت کے منصوبوں پر بھی۔ الحمدللہ مجاہدینِ کشمیر اب بھی وہ گاڑی استعمال کرتے ہیں جو وادی میں ایک شاندار کارروائی کے بعد شیخ اسامہ رحمہ اللہ نے کمانڈر الیاس کشمیری رحمہ اللہ کو بطورِ تحفہ دی تھی۔

اسی طرح ہندوستان میں القاعدہ کی جانب سے جرمن بیکری پر شاندار کارروائی، اور دیگر معرکوں میں کمانڈر الیاس کشمیری رحمہ اللہ کی معاونت و منصوبہ بندی۔ ہیون میں کارروائیاں، یہودیوں کی ٹارگٹ کلنگ، انڈین پارلیمنٹ پر شیخ افضل گورو کا حملہ، کشمیر میں منہج شریعت یا شہادت کا فروغ، برما، ہندوستان، بنگلہ دیش و پاکستان اور خراسان میں دعوت و جہاد کے لشکروں کی تیاری......یہ سب قبل از قیامت اور حضرتِ مہدی علیہ الرضوان سے متصل اور تابع اس عظیم غزوے کے ابتدائی مراحل ہی ہیں جس کی بشارت اور فضائل خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سننے کو ملے اور جس کی تڑپ اور چاہت صحابہ کیا کرتے تھے۔

اسی غزوۂ ہند کی طرف خراسان و پاکستان میں موجود سب مجاہدین کو رغبت دکھانی چاہیے۔ الحمدللہ، اس میں امت سے مخلص اور قابل قدر امت کی جہادی قیادت پہلے ہی سے دعوتی، فکری، اعدادی اور قتالی حکمتِ عملی اور اس کے علاوہ کئی عملی اقدامات کی صورت میں اس جنگ کے لیے کمک مہیا کر رہی ہے۔ ہماری یہ قیادت ہی ہمارے اس جہاد کے ثمرات محفوظ طریقے سے باذن اللہ اس مقہور امت تک منتقل کر سکتی ہے۔ وہ جہادی قیادت جو اہم امور کو بتوفیق اللہ سامنے رکھے ہوئے ہے اور ایک ایک قدم سوچ و بچار اور اللہ سے مانگ مانگ کر اٹھا رہی ہے۔ اس جہادی قیادت کا اہلِ ہندوستان کے لیے بھی ان کی آزادی، ہند میں نفاذِ شریعت اور عظمتِ رفتہ کی بحالی کے لیے مجوزہ دروازہ، غزوۂ ہند کا اہم ترباب 'جہادِ کشمیر' ہی ہے۔

ہمارے مجاہدینِ امت بحمد اللہ طائفۂ منصورہ ہیں۔ ان مجاہدین میں تمام بلدانِ اسلامیہ اور اقوام دین کی تمام اکائیوں کی نمائندگی ہے۔ ان کے پاس قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے بارہا آزمائے ہوئے تجارب کا ذخیرہ بھی ہے۔ یہ جانتے ہیں کہ ہند میں فی الوقت عسکری حکمت عملی کیا ہوگی اور دعوتی کیسے، یہ کشمیر جہاد کی ضروریات حرب سے واقف ہیں، یہ یہ بھی جانتے ہیں کہ خفیہ اداروں کی ماتحتی کے بغیر جہاد کیسے شروع کیا جائے، کیسے جاری رکھا جائے اور اس کے نتائج کو کیونکر محفوظ رکھا جائے۔ اور خفیہ اداروں کی ماتحتی سے دور رہ کر جہاد کیوں کرنا ہے، یہ قیادت دہائیوں سے سمجھاتی چلی آئی ہے، اور اب تو یہ بات ویسے ہی ہر کشمیری مجاہد کو ان شاء اللہ سمجھ آچکی ہوگی۔

[1] عنوان امارت ہے اور اس کا معنیٰ و مطلب خلافت ہے۔ ہمارا راز ایمانی قوت ہے اور ہمارا شعار دینی عزت ہے۔ ہم اسلامی امارت ہیں، ہم اسلامی امارت ہیں!

ایسے میں مجاہدین کو چاہیے کہ عالمی جہادی قیادت کے تحت غزوۂ ہند کو بعَون اللہ برپا کرنے والی اس تحریک کا آ حصہ بنیں۔ اور قولِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے مصداق ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عِصَابَتَانِ مِنْ أُمَّتِي أَحْرَزَهُمَا اللَّهُ مِنْ النَّارِ عِصَابَةٌ تَغْزُو الْهِنْدَ وَعِصَابَةٌ تَكُونُ مَعَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِمَا السَّلَام.

"میری امت میں سے دو جماعتوں کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے آزاد فرمایا ہے: ایک وہ جماعت جو ہندوستان پر حملہ کرے گی اور دوسری وہ جماعت جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ (مل کر دجال کے مقابلے میں صف آرا) ہو گی۔"[1]

گزشتہ ماہ تین بھائیوں کی شہادت کے فوراً بعد ہی یہیں وادی میں ہمیں امید و غم میں ڈوبی ایک اور خبر ملی جب ہمارے دو مزید عزیز ترین بھائی دشمن سے ایک جھڑپ میں شہید ہو گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

ان میں سے ایک بھائی ہمارے مقامی ذمہ دار بھی تھے۔ آپ ایک مدت پاکستان بھی رہے اور اس نظام اور اس کی غداریوں کو بہت قریب سے دیکھا، پاکستان سے دو مہاجرین کو ہمراہ لیے وادی میں داخل ہوئے، طویل مدت کفر کا دردِ سر بننے کے بعد ربِّ غفار سے کیا اپنا وعدہ نبھا گئے۔ شریعت یا شہادت کے علمبردار اس مجاہد قائد اور اس کے مامور کی شہادت ایک مرتبہ پھر ہندو انٹیلی جنس ایجنسیوں کے دعووں کی قلعی کھول گئی کہ مجاہدین کاروانِ شریعت یا شہادت کو وادی سے ختم کر دیا گیا ہے۔

اے مسلمانانِ برصغیر! تاریخ ہمیں آج پھر ایک سنجیدہ موڑ پر لے آئی ہے، بالکل ویسے ہی جیسے یومِ تفریق نائن الیون کے بعد لے آئی تھی۔ آج غزوۂ ہند کو نہجِ شریعت پر کھڑا کرنے کا، جہادِ کشمیر کو خائن استخبارات کی ماتحتی کے بغیر بام عروج پر لے جانے کا، ہندواڑہ سے ایودھیا تک غازیوں کے وہ سب کارنامے دہرانے کا راستہ یہ ہمارے سامنے کھڑا ہے۔ آج مسلسل ایل او سی کے پار کارروائیاں کرتے شاہین ڈاکٹر ارشد وحید رحمہ اللہ کے ساتھ امریکی ڈرون حملے میں شہید ہونے والے اپنے کمانڈر استاد افضل کو کیسے بھول سکتے ہیں؟ متحدہ جہاد کونسل کی سر فہرست اور قائد جماعت کے شیر دل مجاہد کیا پاکستانی جیٹ طیاروں کی بمباری میں خیبر ایجنسی میں شہید ہونے والے مربیٔ جہاد انجنیئر احسن عزیز سے دھوکہ کریں گے؟ کیا وہ برہان وانی کے خوابوں کو ادھورا چھوڑ دیں گے؟ کیا وہ صدائے شریعت بلند کرنے کے بعد ذاکر موسیٰ کی عسرت کو بھلا دیں گے؟ کیا آج بھی خراسان میں بدر منصور کے نام کا دم بھرتے کشمیری جوان وادی میں ان کے مشن سے تہی دامن رہیں گے؟ کیا پاکستانی شہروں اور آزاد کشمیر میں موجود غازی بابا کے متعلقین اور محبین نے شہید شیخ افضل گورو کی کتاب "آئینہ" کا مطالعہ نہیں کیا؟ شہید اجمل قصاب کے ہم سفروں کو کون جنود الفداء اور شیخ مصطفیٰ ابو یزید کا تعارف کروائے گا؟ کیا مجاہدینِ کشمیر، قائدِ جہاد کمانڈر الیاس کشمیری کے خون سے غداری کا سوچ بھی سکتے ہیں؟

جواب یقیناً نفی میں ہے تو پھر آیئے اور حضرت مولانا عاصم عمر کے کاروانِ شریعت یا شہادت کے دست و بازو بنیے۔ ساری زندگی دعوت و جہاد میں کھپانے والے حکیم الامت فضیلۃ الشیخ ایمن الظواہری کے بڑھاپے میں ان تک خوشخبریاں پہنچانے کا ذریعہ آپ ہی ہیں! وادی و ہند میں اپنی بساط کا ہر مہرہ، ہر پتہ، تمام وزن محض اللہ کی رضا کے لیے جہادی قوت کے پلڑے میں ڈال دیجیے، یقین جانیے امتِ مرحومہ کا کوئی بھی تو فرد تہی دامن نہیں.....ارواح واموال سے، مشوروں اور دعاؤں سے ہندو سندھ کے حکمرانوں کو زنجیروں میں جکڑنے کو تیار اس لشکر کا حصہ بنیے جس نے یہیں سے ہی ان شاء اللہ، جناب مہدی علیہ الرضوان کی نصرت کو بھی روانہ ہونا ہے!

آ گیا ہے، آگیا ہے، کاروانِ الجہاد
حاملِ قرآن و سنت، پاسبانِ الجہاد
ظلم کی تاریخ میں ہم داعیانِ الجہاد
خونِ باطل سے ہوں رنگیں گلستانِ الجہاد

لشکرِ ابلیس ہو گا پیشِ آدم سر نگوں
آدمیت کے مقابل شیطنت کا ہے جنوں
توڑنا ہے کفر کی 'تہذیب' کا جھوٹا فُسوں
حضرتِ مہدیؓ کی آمد تک نہیں ضبط و سُکوں

یا الٰہی! پوری امت کو ہدایت ہو عطا
نصرتِ دینِ محمدﷺ[2] کی سعادت ہو عطا
فتنۂ دجّال سے ہر دم حفاظت ہو عطا
اے خدا! ہم کو 'شریعت یا شہادت' ہو عطا

وما توفيقنا الا بالله!

★★★★★

[1] سنن نسائی حدیث نمبر 3177 قسم صحیح، مسند امام احمد بن حنبل حدیث نمبر 12475 قسم صحیح

[2] صلی اللہ علیہ وسلم

غیرتِ جہاد اپنی زخم کھا کے جاگے گی!

محمد راشد دہلوی

بدلے کی آگ میں جھلستے آر ایس ایس کے مشن 'ہندو راشٹر' پر گامزن یوپی کے وزیرِ اعلیٰ یوگی ادتیاناتھ کا اسلام مخالف چہرہ ایک بار پھر سیکولر انڈیا کی دھجیاں بکھیرے ہوئے ہے۔ مسلمانوں کے سینے میں گھپنے والے اس تیر کے زخم سے گرتا خون چیخ چیخ کر مسلمانوں کو یہ پیغام دے رہا ہے کہ ہندوستان میں ان کی فلاح کا راستہ کچھ اور ہی ہے۔

یوگی کے تن پر بھگوا (زعفرانی یا زرد) رنگ کا لباس مسلمانوں کے خون میں رنگا کپڑا معلوم ہوتا ہے جس سے مسلمانوں کے خون کی بُو آتی ہے۔ بدمعاشوں اور غنڈوں کی زبان شاید یوگی کی زبان کے سامنے شرما جائے۔ کہتا ہے:

> ''ہر احتجاج کرنے والا، پریشانی پیدا کرنے والا روئے گا کیوں کہ یہ یوگی کی حکومت ہے اور یوپی میں ہونے والے پبلک اور پرائیویٹ پراپرٹی کا ہونے والا نقصان مسلمانوں سے وصولا جائے گا۔''

یہ ہے یوگی کا بدلہ و بیان......

یوپی میں مسلمانوں کا قتلِ عام، سینکڑوں کی تعداد میں گرفتاریاں، مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر پولیس کا وحشیانہ رویہ اور توڑ پھوڑ...... اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ہندوستان میں چاہے حکومت ہو یا انتظامیہ یا پھر عدلیہ، سارے ایک ہی 'پیج' (موقف) پر دکھائی دیتے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف کوئی اپنا حصہ زیادہ ڈالتا ہے اور کوئی کم۔

ظالموں کے ہاتھ کاٹ کر، ظلمت میں ایمان کا دِیا جلا کر، ظالم بادشاہوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر اور ہندوستان کو پھر سے دارالاسلام بنا کر، یوپی اور ہندوستان میں ہونے والے ہر ایک ظلم کا بدلہ جلد لیا جائے گا، ان شاء اللہ! یہ ہے میرے نبی ﷺ کی پیشین گوئی، جو سچ ہو کر ہی رہے گی۔

ہندوستان میں فروری ۲۰۱۶ء میں ہونا والا احتجاج جسے ہریانہ کے جاٹ جاتی کے لوگوں نے انجام دیا تھا، جس میں ان کی مانگ (او بی سی) رزرویشن تھی۔ اس احتجاج کے نتیجے میں دو کھرب (ہندوستانی) روپے[1] کی پراپرٹی کا نقصان ہوا۔ جو لوگ انصاف کے سورما بنے پھرتے ہیں ان سے سوال!

کیا کسی نے بدلہ لینے یا جاٹوں پر جرمانے کی بات بھی کی ہے؟ کیا جاٹوں کو احتجاج کرنے پر ملک کا غدار کہا گیا تھا؟ نہیں! بالکل نہیں، جمہوری ملک ہے اور اس جمہوری ملک میں ہندو اور مسلمان ہونے کی وجہ سے انصاف کے معیار بدل جاتے ہیں!

اَلٹی میٹم

> ''ہم دہلی پولیس کو تین دن کا الٹی میٹم دیتے ہیں کہ وہ جعفر آباد اور چاند پور کی سڑکوں کو تین دن میں احتجاجیوں سے خالی کریں۔ اس کے بعد ہمیں منانے کی کوشش نہ کی جائے۔ کیوں کہ ہم کسی کی نہیں سنیں گے...... صرف تین دن!''
>
> کپل شرما، بی جے پی

اور پھر ٹھیک تین دن بعد دہلی اور دہلی والوں نے ہندوؤں اور پولیس کا وہ خوف ناک چہرہ دیکھا جسے وہ شاید زندگی بھر بھلا نہیں سکیں گے۔ دہلی پولیس نے اور مقامی ہندو دہشت گردوں نے گوکل پوری، بابر پور، بھجن پورا، مصطفیٰ آباد اور سیلم پور کی سڑکوں پر مسلمانوں کے خلاف درندوں اور بھیڑیوں سے بھی بدتر سلوک کر کے یہ واضح پیغام دے دیا کہ ہندوستان سیکولر ملک کا جھوٹا لبادہ اوڑھے 'ہندو راشٹر' کی طرف بڑھ رہا ہے جس میں پولیس، فوج، سیاست دان، انتظامیہ اور عدلیہ ان کے مددگار ہیں۔

کیا تین دن کم تھے دہلی پولیس اور انتظامیہ کے لیے کہ وہ حرکت میں آتی؟ جبکہ دہلی پولیس نے تو دنگائیوں کے ساتھ مل کر آگ پر پٹرول چھڑکنے کا کام کیا۔

کیا اب صرف میڈیا پر مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی دکھا کر، پولیس اور ہندو دہشت گردوں کی دبے لفظوں میں تنقید کر کے، مسلمانوں کی جان و مال کی بھرپائی ہو سکتی ہے؟

جاؤ پاکستان

مسلمانوں کے خلاف استعمال ہونے والا یہ نعرہ نیا نہیں ہے، دہلی، گونڈہ میں ہونے والے ایک الیکشن کی ریلی میں بی جے پی کے ایک امیدوار نے یہ نعرہ لگایا تھا۔

ہندی، ہندو، ہندوستان
ملّا بھاگو پاکستان
نہ بھاگو گے پاکستان
تو پہنچا دیں گے قبرستان!

ہمارے علاقے کے ایک بزرگ صاحب نے جو ہندو فسادیوں کی خصلت سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس نعرے کے جواب میں یہ نعرہ بلند کیا۔

بچہ بچہ رام کا
بریانی کے کام کا

[1] ₹200,000,000,000

ہندوستان دار الاسلام
پہلے بھی تھا اور اب بھی بنے گا
ان شاء اللہ

این آر سی بل کے خلاف میرٹھ میں احتجاج کرنے والے مسلمانوں کو سینئر پولیس افسر ایس پی اخیلیش نارائن کا یہ مشورہ کہ 'پاکستان چلے جاؤ'، اس کی اسلام دشمنی اور ہندو مذہب سے محبت کا ثبوت دیتی ہے۔ حالانکہ وہ ایک ایسے ادارے سے تعلق رکھتے ہیں جو امن قائم کرنے اور سیکولر ادارہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ہندوستان میں اس طرح کے غیر امتیازی سلوک کے واقعات آئے دن رونماں ہوتے رہتے ہیں۔ کتنی ہی مرتبہ ہم نے پولیس اسٹیشنوں میں صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے بھید بھاؤ دیکھا ہے۔ اور اس بار تو احتجاج کرنے والے مسلمانوں کے خلاف ہندو پولیس والے جے شری رام کا نعرہ بلند کرتے دکھائی دیے۔ ہندوستان، جس کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ ملک مساوات کی بنیاد پر بنا تھا۔ تو پھر اس ملک کے اداروں سے منسلک لوگوں کا یہ رویہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ تصویر کچھ اور تھی اور ہمیں دکھائی کچھ اور گئی۔

الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

ہندوستان میں بالی ووڈ نے اس قدر ترقی کی ہے کہ وہ ہندوستان میں فحاشی، بے غیرتی، فرقہ پرستی اور معیشت کا ایک اہم سبب بنا ہے۔ ساتھ ساتھ بالی ووڈ نے ہندوستان میں بسنے والے بہت سے لوگوں کو ڈرامے باز بھی بنا دیا ہے۔ گزرے دہلی الیکشن میں بی جے پی کے ایک parliamentarian(اسمبلی کے رکن) پرویش شرما 'فرماتے' ہیں:

"یہ مسلمان تم لوگوں کے (ہندوؤں) گھروں میں گھس جائیں گے اور تمہاری ماؤں، بیٹیوں کے ساتھ ریپ کریں گے۔ پھر نہ مودی جی، نہ امت شاہ جی آپ لوگوں کو بچانے آئیں گے۔"

ہزاروں مسلمان بہنوں، ماؤں اور بیٹیوں کی عزتوں کو ہندوؤں نے تار تار کیا ہے اور الٹا الزام ان مسلمانوں پر لگایا جا رہا ہے جو شہریت کے بل کے ڈر سے جدوجہد کر رہے ہیں۔ ظالم تو تم لوگ ہو۔ جن کی بغل میں چھری اور منہ میں رام رام ہے۔ جو اپنے آپ کو مسلمانوں کا ہمدرد کہتے ہیں اور ان ہی کی کمر میں چھری گھونپتے ہیں۔ جو مسلمان سے دشمنی میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ ان کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کرتے ہیں۔

پرانی دہلی میں رہنے والے اپنے ایک استاد، سماج سیوک اور انتہائی معزز مسلمان بزرگ نے ہم سے چند باتیں فرمائیں۔ یہ باتیں ہمارے اس سوال کے جواب میں تھیں جو ہم نے ان سے پوچھا تھا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ ہندوستان میں تقسیمِ ہند کے بعد سے مسلمانوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے؟

حضرت بڑی دبنگ قسم کی طبیعت کے مالک تھے، فرمایا:

"دیکھو بھئی! جب ہم نے ذلیل کو ذلیل سمجھنا اور شریف کو شریف ماننا چھوڑ دیا ہو تو پھر گلا کس چیز کا؟ جب تک ہم اپنے دامن پر لگی گندگی کو گندگی نہ کہیں اور اسے صاف کرنے کی تگ و دو نہ کریں اور یہ کہتے رہیں کہ یہ گندگی ہمارے ساتھ ہے ہم اس گندگی کے ساتھ بچپن سے رہتے آئے ہیں۔"

تو پھر بھلا ہم پاک صاف کیسے رہ سکتے ہیں؟ دینِ اسلام کے احکام کو کیسے پورا کیا جائے گا؟ حضرت کی بات تھی جو ہجرت سے پہلے آدھی اور ہجرت کے بعد پوری سمجھ میں آگئی کہ گندگی کو صاف ستھرے پانی سے ہی دھویا جا سکتا ہے اور گندگی سے بچنے کے لیے جتنی تدابیر ہم کر سکیں، کریں۔

غیرتِ جہاد اپنی زخم کھا کے جاگے گی
پہلا وار تم کر لو دوسرا ہمارا ہے!

★★★★★

جہاد فرضِ عین ہے!

"میری ناقص رائے میں کوئی بھی نیک عمل ترکِ جہاد کے وبال سے معافی دلانے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ چاہے آپ دعوت و تبلیغ کے کام میں مصروف ہوں یا تالیف و تصنیف کے کام میں مصروف ہوں یا دینی تعلیم و تربیت کے کام میں۔ ان میں سے کوئی عمل بھی جہاد ترک کرنے کا باعث نہیں ہو سکتا۔ میری ناقص رائے میں آج کرۂ ارض پر موجود ہر مسلمان کے گلے میں ترکِ جہاد کے وبال کا طوق ہے۔ یعنی قتال فی سبیل اللہ کی عبادت نہ کرنے کا گناہ اور بندوق نہ اٹھانے کا بوجھ اس کی گردن پر ہے، اِلا یہ کہ وہ میدانِ جہاد کا رخ کر لے...... آج قتال دنیا کے ہر مسلمان پر فرض عین ہے!"

(مجددِ جہاد شیخ عبد اللہ عزام شہید رحمہ اللہ)

(بحوالہ: 'الشهيد عبد الله عزام بين الميلاد والاستشهاد ص: 18')

اپنی خودی پہچان او غافل 'مسلمان'!

احمد سعید لکھنوی

ایک وشال (بڑے) جنگل میں ایک راکشس (دیو) رہا کرتا تھا۔ جو بہت بے رحم اور ظالم تھا۔ اس راکشس کے تین سو چھ (۳۰۶) سر تھے۔ ایک مرتبہ راکشس کو جانے کیا سوجھی کہ اس نے یہ منادی کرادی کہ آج سے کوئی بھی اس جنگل میں کسی بے زبان جانور کو نہیں کھائے گا۔ اس خبر کا کہیں سواگت ہوا اور کہیں یہ خبر پریشانی کا سبب بنی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوا کہ آخر یہ کیسے پتہ چلے کہ گوشت خور کون ہے اور سبزی خور کون؟ اس سوال کے جواب میں راکشس نے یہ جواب دیا کہ وہ جنگل سے گزرنے والے ہر شخص کا تھوڑا سا خون پی کر یہ چیک کرے گا کہ انھوں نے گوشت کھایا ہے یا نہیں (جسے خون پینے کا چسکا ہو وہ بھلا تھوڑے پر کہاں بس کرے گا)؟۔ اس خطرناک عمل میں عالم، انصاری، خان صاحب اور نہ جانے کتنے ہی مسلمان بَلی کی بھینٹ چڑھ گئے۔ جب اموات زیادہ ہونے لگیں تو مظلوموں کا ایک وفد راکشس صاحب کے پاس پہنچا اور فریاد لگائی کہ ہم پر رحم کیا جائے۔ ہم اس جنگل کے نواسی ہیں وفادار ہیں، ہم وہ کرتے ہیں جو آپ کہتے ہیں، ہم اس جنگل کے سودھان (آئین) کو مانتے، اس کا احترام کرتے ہیں۔ تو بھلا ہمیں کیوں بَلی (قربانی) کا بکرا بنایا جا رہا ہے؟ راکشس کے سامنے زندگی کی بھیک مانگتے مانگتے اچانک راکشس نے کہا، ارے بھئی! مجھے آپ لوگوں کے منہ سے تو ایسی بُو آ رہی ہے مانو، آپ نے اور آپ کے پوروجوں (آباؤ اجداد) نے اس جنگل کی مخلوق پر بڑے ظلم ڈھائے ہیں۔ لہٰذا اب آپ لوگ یہاں سے نہیں جاسکتے۔ اب آپ لوگوں کو میری گفا میں، میری نگرانی میں رہنا ہو گا تاکہ میں آپ لوگوں کو پَوِتر (پاک) کر سکوں، یعنی آپ لوگوں کے پاپ (گناہ) دھلوا سکوں۔ یہ سن کر وہاں موجود لوگوں پر کپکپی طاری ہو گئی۔ چند نوجوانوں نے ہمت کر کے راکشس کے خلاف آوازیں بلند کیں۔

پھر کیا تھا چاروں طرف سے آوازیں اٹھنے لگیں! کسی نے کہا!

یہ جنگل کسی کے باپ کا نہیں ہے!

اس فیصلے کو واپس لو!

یہ جنگل ہمارا بھی ہے، ہم بھی اس کے نواسی ہیں!

کسی نے کہا، راکشس نے ہمیں تباہ کر دیا! ہم احتجاج کریں گے۔

یہ سن کر راکشس کو کروتھ (غصہ) آگیا، اس نے کہا اچھا اتنی جرأت، میں ابھی تم لوگوں کو سیدھا کرتا ہوں۔ راکشس نے اپنے کارندوں کو حکم دیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے خون کی ندیاں بہا دی گئیں، سینکڑوں کو قید کر لیا گیا۔ خوف و ڈر کا ایسا ماحول پیدا ہو گیا کہ مانو عدل و انصاف کا کوئی نام لیوا نہ بچا۔

چند دنوں بعد کچھ لوگ (لالچ کے سبب یا پھر جان کے خوف سے) ماتھے پر تلک لگائے، جے شری رام کا نعرہ بلند کرتے ہوئے بستی میں پہنچے اور کہنے لگے کہ راکشس نے ہم پر بڑا رحم فرمایا ہے اور راکشس صاحب بہت اچھے اور دیالو (رحم دل) ہیں، راکشس صاحب کی جے۔ ہم لوگوں نے گھر واپسی کر لی ہے۔ لیکن گاج گری (شامت) تو ان لوگوں پر، جنھوں نے راکشس صاحب کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

راکشس کے اس اقدام سے جنگل کے جانوروں کی تو حفاظت کیا ہوتی، لیکن لوگ انسانوں سے راکشس بننا شروع ہو گئے اور جنگل کے جانوروں اور انسانوں کی ہڈیاں راکشس صاحب کی گفا کے قریب سے برآمد ہونا شروع ہونے لگیں۔

"ہاہا، کیسا ڈٹینشن کیمپ؟ کہاں ہے ڈٹینشن کیمپ؟ کسی بھارتی کو ڈرنے کی جرورت (ضرورت) نہیں! کھترے (خطرے) کی کوئی بات نہیں!"

یہ اُس راکشس کا بیان ہے جس کے ہاتھ لاکھوں مظلوم مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں! جو مسلمانوں سے ان کا دین و ایمان اور ہندوستان میں رہنے کا حق چھیننا چاہتا ہے۔ رام لیلا میدان (دہلی) میں ہندوستان کے وزیرِ اعظم کا دیا گیا یہ بھاشن (تقریر) دجل و فریب کا وہ جال ہے جس میں مسلمان ۴۷ء سے پھنستے چلے آرہے ہیں۔

ایک سُوچنا (خبر)

آسام گوہاٹی سے ۱۲۹ کلو میٹر کے فاصلے پر، گولپارا میں، چھیالیس (۴۶) کروڑ کی لاگت سے ہندوستان کا سب سے بڑا ڈٹینشن کیمپ جو ۲۵ بیگھ پر مشتمل ہے مارچ کے آخر تک انجام پا جائے گا۔ جس میں ۳۰۰۰ لوگوں کو رکھنے کی گنجائش ہے۔ اس جیسے ۱۰ اور کیمپ حکومت کا بنانے کا منصوبہ ہے۔

اے ہندوستان کے غیور مسلمانو! ابنِ قاسمؒ اور غزنویؒ کے بیٹو، اورنگ زیبؒ، ٹیپو سلطانؒ کے جانشینو، سید احمد شہیدؒ کے وارثو، شیخ الہندؒ کے فرزندو!

آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ سیکولر و جمہوری ملک کے وزیرِ اعظم کو ذرا لجا نہیں آتی، مسلمانوں سے جھوٹ بولتے، مکر و فریب کرتے ہوئے؟ ایک طرف وہ ملک میں مسلمانوں کی شہریت کی حفاظت کی بات کرتے ہیں، تو دوسری طرف بڑے بڑے ڈٹینشن کیمپوں کی تیاری کی جاتی ہے۔ ایک طرف وہ سیکولر ملک ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو دوسری طرف مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے غیر امتیازی سلوک کے سیکڑوں واقعات موجود ہیں۔

آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ کہ ہندوستان میں مسلمانوں کو جانوروں سے بھی بدتر سمجھا جاتا ہے جانوروں کی خاطر مظلوم مسلمانوں کو بے دردی سے پیٹ پیٹ کر قتل کر دیا جاتے ہے۔

آخر اسکی کیا وجہ ہے؟ کہ ملک میں سودھان (آئین) کو بچانے کا نعرہ لگایا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے آئین کے مطابق ہمیں، اپنے دین کی دعوت دینے اور اس پر چلنے کی پوری

آزادی ہے۔ جبکہ اسلام قبول کرنے والے ہندوؤں اور مسلمانوں کے خلاف (لَو جہاد) کا سہارا لے کر تشدد کیا جاتا اور طرح طرح کے لالچ دے کر مسلمانوں کی گھر واپسی یعنی مذہب تبدیل کروایا جاتا ہے۔

آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ کہ اپنے آپ کو سیکولر عدلیہ کہنے والے، مسجد اور مندر کا فیصلہ آستھا کی بنیادوں پر کرتے ہیں۔

اے ہندوستان میں بسنے والے میرے مسلمانوں بھائیو!

میں آپ سے دل کی گہرائیوں سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دہلی ہو یا ہندوستان یا پھر دنیا کا کوئی بھی خطہ کیوں نہ ہو! مسلمانوں نے قرآن و حدیث کو چھوڑ کر کسی دوسرے طریقے سے فلاح نہیں پائی ہے۔ کیا اسلام کے علاوہ سیکولرازم، کیپٹل ازم یا نیشنلزم ہماری نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے؟ آپ نے بھی، اپنی اور ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کی حالتِ زار کا جائزہ لیا ہوگا۔ تقسیمِ ہند سے لے کر اب تک آپ جائزہ لے لیجیے۔ کیا کسی سیاسی جماعت نے یا کسی نظام نے مسلمانوں کی ڈوبتی نیّا کو بچایا ہے۔ رونا پیٹنا کرتے تو بہتوں کو دیکھا جا سکتا ہے لیکن مسئلے کا حل کسی کے پاس نہیں!

آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلے ہمیں لال قلعے سے نالے تک پہنچا دیا گیا۔ اور اب ہمیں اسی ذلت کے گندے نالے میں ڈبونے کی تیاری کی جا رہی ہے۔

آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ پہلے مسلمانوں کو ایک کڑوی گولی دی جاتی ہے، اگر ہم اسے جیسے تیسے کر کے نگل لیں، تو فوراً دوسری اس سے بڑی گولی ہمارے لیے تیار ہوتی ہے۔

آپ ذرا غور کیجیے! بابری مسجد کے فیصلے کے بعد این آر سی، این پی آر، سی اے اے/سی اے بی وغیرہ قوانین لائے گئے۔ اور پھر ہم سب نے دہلی اور یوپی فساد میں ہندوؤں اور پولیس کا وہ چہرہ دیکھا جس نے ہمیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔

تشویش

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آسام میں ۵ لاکھ مسلمانوں کو ڈٹینشن کیمپ میں رکھ کر آخر ان کا کریں گے کیا؟

اور پھر پورے ملک میں این آر سی کرانے اور مسلمانوں کی شہریت ختم کر کے ان کو ڈٹینشن کیمپ میں رکھنے کے منصوبے کے پیچھے کیا وجہ ہے؟

دراصل موجودہ بھارتیا حکومت آر ایس ایس کے نظریے کو لے کر ہی جدوجہد کر رہی ہے۔ ۱۹۳۵ء میں آر ایس ایس کے بانی ہیڈگوار نے کہا تھا کہ "مسلمان ہندوستان میں بغیر شہریت کے رہیں گے"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو چاہے ملک بدر کر دیا اور جب چاہا ڈٹینشن کیمپ میں قید کر دیا جائے۔ شاگرد اپنے استاد کے خواب کو پورا کرنے میں گامزن ہے۔ پھر مجھے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے باہر احتجاج کرتے ایک طالبِ علم کے ہاتھ میں وہ پوسٹر یاد آ گیا جس پر لکھا تھا کہ "یہ ہندوستان کسی کے باپ کا نہیں ہے!"، بالکل سچ بات ہے۔ یہ ہندوستان کسی کے باپ کا نہیں، بالکل یہ ہندوستان تو کیا، یہ ساری دنیا صرف اور صرف میرے رب کی ہے جہاں رب کا نظام ہی چلے گا۔

ارتداد کا خطرہ

گھر واپسی کے جبری ارتداد مشن کے مطابق ایک مسلمان پریوار (خاندان) جو اب ہندو بن چکا ہے، کہتا ہے کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے گاؤں کے لوگ بری نظروں سے دیکھتے تھے اور انھیں بہت برا سمجھتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اسلام کو چھوڑ کر ہندو مذہب قبول کر لیا۔ اناللہ وانّا الیہ راجعون!

پروین توگڑیا (بی جے پی) اپنے ایک بھاشن (تقریر) میں کہتا ہے کہ "ہندوستان کے مسلمانوں کے آباؤ اجداد ہندو تھے لیکن مغلوں کے ڈر سے انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اب ہم ان کی گھر واپسی کروائیں گے"۔

اے میرے ہندوستانی مسلمان بھائیوں، آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ کیسی کیسی سازشوں کے جال بنے جا رہے ہیں۔ میرے عزیز بھائیو! آپ اپنے اور مظلوم مسلمان قوم کے حوالے سے ذرا غور کیجیے۔ ان ڈٹینشن کیمپوں میں ہماری سب سے قیمتی چیز یعنی ایمان خطرے میں ہے۔ آپ اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ابھی ہمارے گھروں میں ہوتے ہوئے یہ ہمارے گھروں میں گھسنے سے دریغ نہیں کرتے تو جب ہم ان کے رحم و کرم پر ان کیمپوں میں ہوں گے، تو یہ ہر طرح ہماری نگرانی کی جائے گی۔ ہم پر زندگی تنگ کر دی جائے گی، ہمیں طرح طرح کے لالچ دیے جائیں گے، ہمیں ڈرایا دھمکایا جائے گا کہ ہم اپنے دین سے پھر جائیں اور نہ کرنے کی صورت میں ہماری عزت و آبرو، جان و مال سب کچھ خطرے میں ہوگا۔

یہ ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں

آپ یہ نہ سمجھیے گا کہ آسام میں یہ ڈٹینشن کیمپ ابھی تیار کیے جا رہے ہیں بلکہ (ترن گوگوئی، کانگریس) کے دورِ حکومت میں ہائی کورٹ کے حکم سے جیلوں کی صورت میں ڈٹینشن کیمپ موجود تھے۔ جہاں ۱۹۸۵ء سے لے کر ۲۰۱۹ء تک، تقریباً ایک لاکھ انتیس ہزار (۱۲۹۰۰۰) لوگوں کو غیر بھارتیا قرار دے دیا گیا۔ جس میں سے تہتّر (۷۳۰۰۰) کی معلومات نہیں ہیں۔ نومبر ۲۰۱۹ء تک نو سو اٹھانوے (۹۹۸) لوگوں کو چھ مختلف کیمپوں میں رکھا گیا۔

یہ صورتِ حال اس ملک کی ہے جس کو ہم بڑے فخر یہ انداز میں جمہوری سیکولر ملک کہتے ہیں۔ اور ہم یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ ہم نے اس ملک کے لیے جانیں دیں، تکلیفیں اٹھائیں اور ایسی قوم جو ہمارے اور ہمارے دین کے خلاف ہے اس کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر جینا چاہتے ہیں۔ یہ مانو، ایسا ہے جیسے آستین میں سانپ پالنا۔ ہندو قوم سے مراد عدلیہ، حکمران اور وہ سوچ ہے جو اسلام مخالف ہے۔ یہاں میں ایک اور نکتہ واضح کرتا چلوں، وہ ہندو جو ہمارے حق میں (کسی مقصد کے تحت یا بغیر مقصد کے تحت) بولتے ہیں، نہ ہمیں بچا سکتے ہیں اور نہ ہی مسلمانوں

(باقی صفحہ نمبر 99 پر)

ایندھن

ایمان و جذبات کو جِلا بخشتی ایمان و قلب کی روشنائی سے لکھی گئی ایک فکر انگیز و عمل رسا تحریر

امِ عمّار

جب سروں پر کئی کئی دن تک ڈرون گردش کرتا رہے اور اس کی مسلسل آواز اعصاب پر سوار ہونے لگے، بالخصوص تب جب یہ علم ہو کہ یہ کس کی تاک میں ہے، جب آس پاس ارد گرد میزائل آکر لگتے ہوں، چھاپے پڑ رہے ہوں، گرفتاریاں ہو رہی ہوں، کریک ڈاؤن پہ کریک ڈاؤن، سرچ آپریشن، تشدد، بلوے، آگ اور خون کا نہ رکنے والا کھیل، دربدریاں، جدائیاں، سہمے ہوئے بچے، پریشان حال مائیں، لاشیں، یتیمیں ہوں تو انھیں دیکھ دیکھ کر اور کٹے پھٹے اعضاء کا ڈھیر، ہڈیوں کے جابجا بکھرے ٹکڑے اٹھا اٹھا کر امت کے ان 'حسّاس ترین' انسانی دلوں کو بھی ٹھیس لگتی ہے جنھیں 'بے حس' کہا اور سمجھا جاتا ہے، ان کے دل بھی چند لمحوں کے لیے ہی سہی ڈوبتے ہیں، ان کے حوصلے بھی لحظہ بھر کو ہی سہی لرزتے ہیں، وہ بھی اپنے معصوم بچوں کے معصوم ذہنوں کو خوف کی پرچھائیں تک سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، وہ بھی اپنی خواتین کو اس احساسِ عدم تحفظ سے نکالنا چاہتے ہیں کہ کہیں ان کے بچے ان سے چھین نہ لیے جائیں، کہیں وہ بھی عافیہ نہ بنادی جائیں...... مگر پھر...... پھر اپنے رب سے کیا ہوا وعدہ، موت پر کی ہوئی وہ بیعت ان کے پاؤں کی زنجیر ہو جاتی ہے، کبھی اپنے وعدوں کے خلاف نہ کرنے والے رب کے وعدوں کی سچائی دامن تھام لیتی ہے، روک لیتی ہے، عقل اپنے مقام پر جا بیٹھتی ہے اور عشق کا وعدہ باگ ڈور سنبھال لیتا ہے، ڈھارس ملتی ہے، حوصلہ ملتا ہے، قدم جم جاتے ہیں یہ سوچ کر کہ اپنے رب کے در کو چھوڑ کر جائیں تو جائیں کہاں؟ اور جائیں کیوں؟ رب سے بھاگ کر کوئی کہیں پناہ پا سکتا ہے بھلا!

اللہ رب العزت نے دنیا کے مختلف خطوں میں اپنے جن بندوں کو اپنے رستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی ہے، جنھوں نے نفاذِ شریعت کی خاطر دعوت و جہاد کی گراں بار ذمہ داری اپنے کمزور کاندھوں پر اٹھا رکھی ہے، ان میں سے بہت سے وہ ہیں جو اپنی دی ہوئی دعوت کے ثمرات دیکھنے سے بہت پہلے ہی اپنے رب کے سچے وعدوں کو پانے پہنچ جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انسان جس مقصد کے لیے اپنے آپ کو کھپاتا ہے، اس کے حصول کی خوشی بھی محسوس کرنا چاہتا ہے، اس سے پوری طرح بہرہ مند بھی ہونا چاہتا ہے؛ مگر یہ اللہ کے کیسے بندے ہیں جو حصولِ مقصد کے نتیجے میں حاصل ہونے والی خوشی، اطمینان اور سرشاری سے بے پروا ہو کر فقط فرض کی تعمیل کی خاطر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا بیٹھتے ہیں؟ انھوں نے کیا سوچ رکھا ہوتا ہے؟ کیسے ان کو یہ ایمان نصیب ہوتا ہے کہ یہ اپنے رب سے موت پر بیعت کر لیتے ہیں؟ کیا انھیں خوف نہیں گھیرتا...... دشمن کا خوف، جان کا خوف، مال کے ضیاع کا خوف، بھوک کا خوف، اہل و عیال سے جدائی کا خوف، اولاد کے مارے جانے کا خوف، گرفتاری و تشدد کا خوف، معذوری کا خوف......؟ وہ بے حس ہوتے ہیں یا کہ اللہ رب العزت نے ان کے دل اتنے مضبوط کر دیے ہیں اور اپنی محبت کو ان کے دلوں میں اس قدر راسخ کر دیا ہے کہ وہ دیوانہ وار اپنے دین کی سربلندی کی خاطر قربانیاں دیتے جاتے ہیں؟ بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق! کیا کبھی ان عشّاق کے دلوں میں یہ خیال آتا ہو گا کہ آخر کب، کب ہم اس شریعت کی بہاروں سے لطف اندوز ہوں گے جس کی خاطر ہم سے پہلے کئی ایک نے اس مٹی کو اپنے خون سے سینچ کر نم کیا ہے اور یوں اس کی زرخیزی میں اضافہ کا سبب بنے ہیں، اور ہم بھی اللہ رب العزت کے اذن سے اس دین کو اس شریعت کو اپنا خون دینے چلے ہیں؟ کب تک ہم محض منزل کی گرد کو چومتے، قربانیاں ہی دیتے چلے جائیں گے؟ ابھی تو منزل دور سے بھی نظر نہیں آ رہی، صرف رب کے سچے وعدوں پر مبنی ہمارے خوب صورت خواب ہیں۔ کیا ہمارے یہ خواب ہماری زندگی میں حقیقت کا روپ دھار سکیں گے؟ الٰہی وعدوں پر مبنی ایسے ہی چند خواب ہمارے اسلاف کے بھی تھے۔ لوگ اللہ کے سچے وعدوں کو، دیوانے کی بڑ سمجھ کر ٹھٹھے اڑاتے تھے، کہتے تھے کہ 'ان کو دیکھو! یہ قیصر و کسریٰ کے محلّات فتح کرنے چلے ہیں، جب کہ بھوک سے ان کا حال یہ ہے کہ پیٹ پر پتھر باندھ رکھے ہیں اور خوف اس قدر ہے کہ راتوں کو پہرے دیتے ہیں'! پھر اللہ کے وعدے بالآخر سچ ہو کر رہے کیونکہ وہ اس ہستی کے وعدے تھے جو کبھی اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرتی اور انھیں دیوانے کا خواب سمجھنے والے، آج ان وعدوں کی حقیقت و حقانیت سے بخوبی واقف ہو چکے ہیں، مگر اب کوئی فائدہ نہیں۔

خوراک اور امن انسان کی دو بنیادی ضروریات ہیں۔ انسان کی ساری زندگی کی تگ و دو کا خلاصہ انہی دو ضروریات کا حصول ہے۔ ان دو نعمتوں کی ضد بھوک اور خوف ہے۔ خوراک کی فراوانی ہو مگر سر پر مستقل کسی چیز کا خوف مسلط ہو تو بھوک بھی کسی حد تک مر ہی جاتی ہے۔ زبان اسی وقت طعامِ لذیذ کی لذتوں سے لطف اندوز ہو سکتی ہے جب اسے قلبی و ذہنی یکسوئی اور امن میسر ہو۔ اسی طرح امن تو ہو مگر کھانے کو کچھ نہ ہو تو بھی نفسِ انسانی مطمئن نہیں رہ سکتا۔ یہ ایسی نعمتیں ہیں کہ جہاں اللہ رب العزت نے سورۃ القریش میں ان کے نعمت ہونے کا ذکر فرمایا ہے، الَّذِيٓ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ[1] وہیں سورۃ البقرۃ میں انھیں آزمائش کا ذریعہ بھی بتایا ہے، وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَىۡءٍ مِّنَ الۡخَـوۡفِ وَالۡجُـوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ

[1] القریش: ۴؛ ''جس نے انہیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا' اور انہیں خوف سے بچا کر امن عطا کیا۔''

وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ[1]۔ پھر اللہ رب العزت کی رضا کے حصول کی خاطر، اختیاری طور پر ان نعمتوں کو تج دینے اور ان کے فقد ان پر صبر کرنے والوں کے لیے خوش خبریاں ہیں، رب کی رضا کی، جنت میں دائمی قیام اور لذاتِ جنت کے حصول کی خوش خبریاں۔

جو ان خوش خبریوں کو اپنے حق میں لکھوانے نکلے ہیں ان کے سینوں میں بھی دل ہی دھڑکتا ہے؛ جیتا جاگتا، جذبات و احساسات سے معمور دل؛ جب اِن کی نگاہ اُن کی طرف اٹھتی ہے جو شہروں میں معمول کی زندگیوں میں مگن ہیں، جن کے بچے مٹی، پتھر، لکڑی اور فالتو ڈبوں سے نہیں کھیلتے بلکہ ان کے پاس انواع و اقسام کے قیمتی کھلونے موجود ہیں، جن کے لیے تمام رشتہ داریاں صرف ماں اور باپ کے ان رشتوں میں محدود نہیں ہو کر رہ گئیں جن کے اصل ناموں اور علاقوں تک سے بھی وہ واقف نہیں ہیں، بلکہ وہ اپنے ہر ننھیالی و ددھیالی رشتے سے پوری طرح لطف اندوز ہوتے ہیں، تو وہ اپنی اور ان کی زندگی کا موازنہ کرتے ہوئے یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ کیا ان کی زندگیاں کامل امن کا نمونہ ہیں؟ کیا انھیں فقر و فاقہ کا خوف نہیں ستاتا؟ کیا وہ کبھی دکھی نہیں ہوتے؟ کیا انھیں کبھی کوئی غم نہیں لاحق ہوتا؟ کیا آزمائش کے وعدے صرف ان کے لیے ہیں جو اپنا تن من دھن سب کچھ اپنے رب کی راہ میں پیش کر دیتے ہیں؟؟؟

نہیں ہر گز نہیں! وہ رب کہ جس کی بہترین صفات اور بہترین نام ہیں، اس کے ناموں میں سے ایک خوب صورت نام العدل ہے، اور اس سے بڑھ کر عدل بلکہ احسان کرنے والا اور کوئی نہیں ہے۔ اللہ کی راہ میں نکلنے والوں کو اگر دشمن کا خوف لاحق ہے تو کم از کم اپنوں پر تو اعتماد ہے، وہ جن کے اور ہمارے بیچ مشترک مقصد زندگی ہے۔ انھیں اور ان کے دلوں کو ان کے رب نے تھاما ہوا ہے، وہی ان کو ثبات اور استقامت دینے والا ہے، وہی ہر معاملے میں ہر مشکل میں ان کی رہنمائی کرنے والا ہے، اسی نے ان کے رزق میں وہ برکت عطا کی ہے کہ اتنی قلیل رقم میں کہ جس میں شہروں کے باسی کپڑوں کا ایک جوڑا بنا لیتے ہیں، وہ مہینہ بھر کی اپنی تمام ضروریات پوری کر لیتے ہیں، انھوں نے رنگا رنگ اور دل پسند ماکولات اور مشروبات کو اللہ کے لیے ترک کیا تو اللہ نے انھیں سادہ سی خوراک پر قناعت کی نعمت عطا کر دی۔ وہی ان سب پریشانیوں کے بیچ انھیں ہنساتا ہے، وہی ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے اس قدر محبت پیدا کرتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے دکھ درد سمیٹ لیتے ہیں، ایک دوسرے کے فقر و فاقہ میں وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ[2] کا عملی نمونہ بن جاتے ہیں۔

جبکہ دنیا کے معیارات کے لحاظ سے معمول کی 'مثالی' زندگی گزارنے والے ضروریات کی حد سے تجاوز کر کے خواہشات کے اندھے کنوئیں کے دہانے پر کھڑے ہوتے ہیں جو کسی بھی لمحہ انھیں نگل سکتا ہے، ان خواہشات کو پورا کرنے کی خاطر اپنی زندگیوں کا سکون، آرام، جذبات، صلہ رحمی، قرابت کے تمام تعلقات اور ذمہ داریاں بھلا کر معاشی سود و زیاں کے ایسے گرداب میں جا پھنستے ہیں کہ جس سے باہر نکلنا بظاہر ممکن نظر نہیں آتا۔ ہر ایک ایسی نفسا نفسی کا شکار ہوتا ہے کہ قریب ترین رشتہ دار تک اپنے اقربا کی ضرورت و حاجت دیکھ کر منہ موڑ لیتے ہیں۔ ہاں دشمن کا خوف انھیں نہیں ہے، کیونکہ اس کا ادراک نہیں ہے انھیں کہ وہ ازلی ابدی دشمن ان کی تاک میں ہمہ وقت لگا ہوا ہے، اور دنیوی دشمن بھی اپنے دانت اور پنجے تیز کیے بیٹھے ہیں؛ مگر بیماریوں، آفات، حادثات، اچانک آن پڑنے والے خرچوں، چوری چکاری کا خوف، اولاد کے بگڑ جانے کا اندیشہ، بلند معیار زندگی برقرار نہ رکھ سکنے کا خوف انھیں ہمہ وقت لاحق رہتا ہے جو ان کی نیندیں اڑانے اور فشار خون بلند کرنے کے لیے کافی ہے۔ خواہشات اور مزید کی نہ مٹنے والی بھوک اور ہوس انھیں لمحہ لمحہ تڑپاتی ہے اور ان کی زندگیوں کا سکھ اور چین لوٹ کر لے جاتی ہے۔

جب یہ طے ہے کہ بہر حال اللہ رب العزت کی بیان کردہ آزمائشوں سے آزمائے جانا ہے، چاہے جو بھی طرز زندگی اختیار کیا جائے، رب کی رضا کے حصول کی طرف سبقت کرنے والا، یا خواہشات کے حصول کی جانب بڑھنے والا؛ جبکہ اول الذکر کے ساتھ رب کے عظیم وعدے نتھی ہیں اور آخر الذکر کا انجام حسبِ عمل ہے، تو پھر کیوں نہ سراب کی بجائے یقین کا دامن تھاما جائے؟ صبر ہی کرنا ٹھہرا تو اضطراری کی بجائے اختیاری صبر کیوں نہ کیا جائے جو اللہ رب العزت کو پسند ہے، جس پر عمل کرنے والے اللہ رب العزت کے پسندیدہ ہیں، جن کو رب تعالیٰ اپنی معیت اور اپنی محبت کی سند عطا فرماتا ہے؟

ایک بات اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ اہل حق مجاہدین نفاذِ دین و شریعت کی جس جدوجہد کا عَلَم لے کر اٹھے ہیں، یہ کوئی سہل الحصول منزل نہیں۔ کٹھن ہے، بہت کٹھن۔ ہمہ وقت و ہمہ نوع آزمائشیں اس میں مجاہد کے شانہ بشانہ چلتی ہیں۔ ہر لمحہ آزمائے جاتے ہیں۔ مگر یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ ہم نے وَّاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا[3] کے لیے جلدی نہیں کرنی، وہ تو ملنی ہی ہے کہ رب تعالیٰ کا وعدہ ہے، مگر کیا یہ بھی طے ہے کہ یہ وعدہ اسی نسل کے حق میں پورا ہو گا؟ جس دن ہم نے یہ طے کر لیا کہ یا اللہ! ہم نے اپنے آپ کو پیش کر دیا، تُو ہمیں ایندھن بنا کر استعمال کر لے، تُو ہمارے خون سے شجرِ جہاد کی آبیاری فرما، ہم مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں، کوئی ہمارے نام سے ہمارے کام سے واقف نہ رہے مگر تیرا دین سربلند ہو جائے، ہم اپنی زندگیوں میں شریعت کی بہاریں نہ بھی دیکھ سکیں تو کیا، بس تیرے جنود کے ادنیٰ ترین سپاہی کے طور پر ہمارا نام بھی تیرے دفتروں میں درج ہو جائے تو ہمارے لیے کافی ہے، اس دن سب غم ڈھل جائیں گے،

[1] البقرۃ: ۱۵۵؛ "اور دیکھو! ہم تمہیں آزمائیں گے ضرور، (کبھی) خوف سے اور (کبھی) بھوک سے (کبھی) مال و جان اور پھلوں میں کمی کر کے، اور جو لوگ (ایسے حالات میں) صبر سے کام لیں ان کو خوش خبری سنا دو۔"

[2] الحشر: ۹؛ "اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔"

[3] الصف: ۱۳؛ "اور وہ دوسری چیز جو تم چاہتے ہو وہ بھی تمہیں دے گا، اللہ کی طرف سے نصرت اور قریب ہی میں حاصل ہو جانے والی فتح۔ اے نبی، اہل ایمان کو اس کی بشارت دے دو۔"

سب پریشانیاں مصائب اور تکالیف سہل ہو جائیں گی، کوئی بے صبری اور کوئی عجلت باقی نہ رہے گی اور انسان رب کے ہاتھ میں اپنی زندگی، اپنے فیصلوں، اپنے منصوبوں اور ان کے نتائج کی ڈور تھما کر، فأفوّض أمري إلى الله کی عملی تفسیر بن کر نفس مطمئنہ بن جائے گا۔

آج میرے مخاطب سرزمینِ افغانستان، پاکستان، بنگلہ دیش، فلسطین، کشمیر، شام، یمن اور دنیا کے دیگر خطوں میں اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر، عالمی جہاد کے وہ نام ور اور گم نام عظیم عَلَم بردار ہیں جنھوں نے اپنے اقوال، اعمال اور افعال سے منہج جہاد کی آبیاری کی اور پھر جہاد کی ان بنیادوں کو اپنا خون تک دیا، اپنی قیمتی ترین متاع، اپنی جان اس راہ میں قربان کی، وہ کہ جن کے گھر والے ان کی قبروں کے مقام و نشان تک سے واقف نہیں ہیں؛ ان کے لیے خوش خبری اور تسلی ہے کہ ان کا رب ان سے ہرگز غافل نہیں ہے۔ قیامت کے روز جب ان سرزمینوں سے 'ملٹی نیشنل' شہدا برآمد ہوں گے تو ان کی شان ہی نرالی ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے دامے درمے قدمے سخنے اپنا سب کچھ خوشی خوشی اللہ کی راہ میں قربان کیا، یہ وہ ہیں جو رکے نہیں، تھکے نہیں، ڈرے نہیں، ٹھٹکے نہیں، بلکہ جب ان کو ادراک ہوا کہ ان کا تو کچھ بھی ان کا اپنا نہیں، وہ تو ایسے سوداگر ہیں جس کا کُل مال، مال کا حقیقی مالک نہایت بھاری قیمت پر خرید چکا ہے، تو انھوں نے ایک لحہ کا توقف گوارا نہ کیا اور اپنے مقصد کے حصول کی کوشش میں جُت گئے۔ 'دانا' اس وقت بھی یہی کہتے تھے اور اب بھی یہی کہتے ہیں کہ 'اپنے آپ کو ضائع نہ کرو'، 'اتنا قیمتی ٹیلنٹ یوں برباد نہ کرو'، 'اپنی صلاحیتوں کی (حقیر دنیاوی) قیمت وصول کرنا سیکھو'، مگر وہ الشکور، قدردان رب جانتا ہے کہ ان کے ٹیلنٹ کی، ان کی صلاحیتوں کی، ان کی جوانیوں کی کیا قیمت ہے اور وہی تو ہے جو ان کی قیمت بھرپور منافع کے ساتھ چکا سکتا ہے۔ وہ جو اہلِ حق کی قطاروں میں اپنا نام لکھوا کر اپنی جان اپنا خون اس عالمی جہاد کی نذر کر گئے، وہ کامیاب ہیں ان شاء اللہ، اور جو ان پیش رووں کے پیروکار ہیں، انھیں بھی اللہ نتائج سے بے پروا کر دے اور اپنی رضا کا حصول ہی ان کا مطمح نظر بنا دے۔ پس غم نہ کھاؤ، فکر نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے، اگر تم مومن ہو۔ یہ میرے رب کا سچا وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہنا ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

★★★★★

بقیہ: اپنی خودی پہچان او غافل 'مسلمان'!

کی بدترین حالت کو سدھار سکتے ہیں۔ ہمیں اپنی مدد آپ ہی کرنی ہوگی۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں ہمیں اپنی دوستی اور دشمنی کے معیار طے کرنے ہوں گے۔

شیر بنو شیر!

کسی نے کوئی شیر کا بچہ پکڑا اور اسے بکریوں کے ساتھ چھوڑ گئے اور یوں شیر بڑا ہوتا رہا یہاں تک کہ شیر ببر بن گیا۔ کئی سالوں بعد جب چند لوگوں نے شیر کو بکریوں کے ساتھ گھاس چرتے اور گھومتے دیکھا تو وہ حیران رہ گئے۔ دیکھنے والوں میں سے ایک شخص نے شیر سے مخاطب ہو کر کہا۔ بھئی شیر صاحب! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ یہ آپ کا مقام نہیں ہے، آپ تو سلطان ہیں، آپ جائیں اور راج کریں۔ یہ سب باتیں سن کر شیر نے جواب دیا 'یہ راج گدی کیا ہوتی ہے؟ یہ بکری اور شیر میں کیا فرق ہوتا ہے؟ میں نے تو جب سے آنکھ کھولی ہے اسی طرح زندگی دیکھی ہے۔ آپ یہ کیسی عجیب باتیں مجھ سے کر رہے ہیں؟!'۔

لوگوں نے کہا بھیّا 'آپ شیر ہیں شیر۔ شیروں والے کام کریں، بکریوں کی طرح نہ رہیں۔ آپ جس کام کے لیے پیدا کیے گئے ہیں وہ یہ نہیں ہے جو آپ کر رہے ہیں'۔ ان لوگوں کی باتیں سن کر شیر حیرت کا ہی شکار ہوتا گیا۔ ایک آدمی بولا 'شیر بھیّا! آپ اپنی بولی بولیے!'۔ اس پر شیر نے سانس اندر کو کھینچی اور پوری قوت سے آواز نکالی 'میں ں ں ں ں ں ں'۔ لوگ حیران و پریشان اور شیر ان کی پریشانی پر حیران۔ لوگوں نے جب شیر کو یوں تصویرِ حیرت بنا دیکھا تو کسی نے کہا کہ 'آئینہ لاؤ تاکہ شیر کو دکھا سکیں کہ اس میں اور بکریوں میں کیا فرق ہے!'۔

کہیں سے آئینہ لایا گیا اور شیر کو دکھایا گیا، شیر نے جب اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تو مانو حیران رہ گیا۔ کبھی اپنے آپ کو دیکھے کبھی بکریوں کو۔ لوگوں کی تو باچھیں شیر کی حیرانی و پریشانی دیکھ کر کِھل گئیں۔ اب کسی نے شیر سے کہا کہ اب آپ اپنی بولی بولیے۔

پہلے آواز نکلی 'میں ں ہہہہہہہ'۔ پھر 'ہہہہہہہ ہیں ں ں'۔ پھر 'ام م م م ھ ھ ھ ھ' اور پھر شیر کی اصلی دھاڑ...... یہ شیر کی آواز سننا تھا کہ بکریاں جو یہاں 'سرکس کا شیر' سالوں سے دیکھ رہی تھیں ان کی حالت غیر ہو گئی۔ یہاں کی بکریاں وہاں اور وہاں کی یہاں۔ بھگدڑ مچ گئی اور چند لمحوں بعد وہاں اکیلا شیر کھڑا تھا!

مانو یہ ہے وہ شیر مسلمان کے اپنی آپ کو پہچانے تو یہ سب بکریاں اور سب بھگوا دہشت گرد بھاگ جائیں گے۔

ع اپنی خودی پہچان او غافل 'مسلمان'!

★★★★★

کچھ یادیں ①

ابرار احمد

اس تحریر میں کچھ ایسے واقعات ہیں جو مجھے کبھی نہیں بھولتے ان میں سے کچھ تو میرے ساتھ پیش آئے یعنی میں نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کچھ دوسروں سے سنے۔ یہ واقعات کسی خاص موضوع سے تعلق نہیں رکھتے؛ ان میں مجاہدین کے ایثار، بہادری، تقویٰ وغیرہ کے واقعات ہیں، کچھ انصار کے مہاجر مجاہدین کے ساتھ محبت کے قصے ہیں اور کچھ کافروں کے مظالم کی داستانیں بھی۔ بس ملے جلے واقعات ہیں، اللہ سے دعا ہے کے وہ اس تحریر کو اپنے حضور قبول فرما لے، آمین۔ (ابرار احمد)

ایک سرد رات

ہم چند ساتھی وزیرستان کے علاقے شوال سے قندھار کی جانب روانہ ہوئے استاد احمد فاروق شہیدؒ نے ہمیں رخصت کیا۔ اس سفر میں مزمل بھائی شہیدؒ (رانا عمیر افضال / شیخ مصطفیٰ عبد الکریم)، صالح بھائی شہیدؒ (زوہیب احمد) سمیت ہم پانچ ساتھی تھے۔ ابھی ہمیں سفر شروع کیے ہوئے تھوڑا وقت ہی گزرا تھا کہ ایک بھائی نے کہا ڈرون چیک کر لیتے ہیں۔ جیسے ہی گاڑی روکی تو اندازہ ہوا کہ ہمارے اوپر ایک نہیں بلکہ دو ڈرون منڈلا رہے ہیں۔ سفر کے امیر چونکہ مزمل بھائیؒ تھے تو انہوں نے ساتھیوں سے کہا کہ تمام ساتھی گاڑی چھوڑ کے درختوں کے نیچے بیٹھ جائیں تھوڑی دیر بعد تیسرا ڈرون بھی آگیا۔ ساتھی تقسیم ہو کے درختوں کے نیچے ذکر اذکار میں مصروف تھے۔ ظہر اور بعد میں عصر کی نماز ساتھیوں نے ادھر ہی پڑھی۔ اس دوران بھوک بہت زیادہ لگ رہی تھی اس لیے مزمل بھائی اور ایک ساتھی قریب ایک خانہ بدوش کے گھر سے پیاز اور روٹی لے کے آئے جو ہم نے کھائی۔ مغرب کے وقت ڈرون کچھ کم ہو گیا لیکن فیصلہ یہ ہوا کے رات ادھر ہی گزاریں گے۔ اگرچہ سردی بہت زیادہ تھی مگر ہمارے ساتھ ڈرون آگے دوسرے ساتھیوں کے نقصان کا سبب نہ بنے اس لیے مزمل بھائیؒ نے کہا کے رات ادھر درختوں کے نیچے سو جائیں گے کسی سے تھوڑا آگے چل کے بستر مانگتے ہیں اگر انہوں نے بیٹھک میں سلانے کی دعوت دی تو قبول کر لیں گے، اگر انہوں نے صرف بستر ہی دے دیے تو وہ بھی بہت ہے۔ ہم ایک گھر میں پہنچے تو ان بیچاروں نے ہمیں گھر سے بہت دور بٹھایا اور کھانا ادھر ہی لائے ہم نے کھانا کھایا اور ان سے رات کی جگہ کی گزارش کی۔ پر وہ بہت ڈرے ہوئے تھے انہوں نے کہا آپ لوگ ہم سے بستر لے لیں اور کسی دوسری جگہ جا کے سوئیں۔ ہم نے بستروں کو غنیمت جانا اور وہاں سے دور کچھ درختوں کے نیچے آ کے پڑاؤ ڈالا۔ سردی بہت زیادہ تھی تھوڑی برف بھی پڑی تھی اور ہوا بھی چل رہی تھی (برفانی علاقوں میں رہنے والے لوگوں کو اندازہ ہو گا کہ اس وقت کتنی سردی ہوتی ہے)۔ ہم نے بستر بچھائے، بستر بہت پتلے تھے اس وقت مزمل بھائیؒ میرے پاس آئے اور ان کے پاس ایک موٹی چادر (شال) تھی۔ انہوں نے کہا یہ آپ لے لیں میں نے کہا نہیں آپ اس کو خود رکھیں انہوں نے کہا نہیں میں آپ کو قسم دیتا ہوں اور امر بھی کرتا ہوں کہ آپ یہ اوڑھیں گے اور خود وہ اس سخت سردی میں پتلی سی رضائی میں سوئے۔ سردی اتنی شدید تھی کہ ہم سب کانپ رہے تھے مگر اس سردی میں ایسا ایثار بہت کم لوگ ہی کر پاتے ہیں۔ اللہ تعالی مزمل بھائی پر رحم فرمائے اور مجھ گناہگار کو جنتوں میں ان کے ساتھ اکٹھا فرمائے، آمین۔

آنسوؤں سے بھیگا دامن

مصعب بھائی شہیدؒ (عثمان فاروق) کا تعلق تونسہ شریف سے تھا۔ آپ الیکٹریکل انجنیئرنگ کر رہے تھے اور میری ان سے دوستی ہاسٹل میں ہی ہوئی جو بعد میں گہری ہوتی گئی اور انہیں کے ساتھ ہی مجھے اللہ نے ہجرت کی توفیق عطا فرمائی۔ ویسے تو عثمان بھائی کے بہت سے واقعات ہیں مگر ایک واقعہ ایسا ہے جس نے مجھے ان کے بہت قریب کر دیا۔ ابھی مجھے ان سے ملے ہوئے تھوڑا عرصہ ہی ہوا تھا۔ ہم لوگ ایک بار ہاسٹل کی مسجد میں نماز کے لیے گئے۔ میں نماز سے فارغ ہو کے پچھلی صف میں عثمان بھائی کا انتظار کرنے لگا کہ وہ دعا میں مصروف تھے۔ کافی دیر بعد وہ دعا سے فارغ ہوئے۔ انہوں نے پیچھے مڑ کے دیکھا اور مجھے دیکھ کے تھوڑے شرمندہ سے ہو گئے۔ ان کو اندازہ نہیں تھا کے میں ان کے انتظار میں بیٹھا ہوں۔ وہ اٹھ کے آئے اور میں دیکھ کے حیران ہو گیا کہ ان کا دامن آنسوؤں سے ایسے بھیگ چکا تھا جیسے ابھی ان پر کسی نے پانی انڈیلا۔ ہو یونیورسٹی کے ماحول میں اپنے اللہ کے آگے اس طرح گڑگڑا کے رونا میرے تصور میں بھی نہ تھا۔ اس واقعے نے مجھے عثمان بھائی کے بہت قریب کر دیا اور اللہ نے انہیں کو میرے جہاد میں نکلنے کا سبب بنایا۔ اللہ پاک جنت الفردوس میں بھی مجھے ان کے قریب کر دے، آمین۔

تکبیر......اللہ اکبر

چاندنی رات میں کچھ پولیس کی گاڑیاں ایک کھیت کے پاس آ کے رکیں۔ سردی بھی بہت تھی اور ایک کسان قریب کھیت میں پانی لگا رہا تھا، وہ خوف سے کھیتوں میں ہی چھپ گیا کہ نجانے آج کیا ہونے والا تھا۔ اسی اثنا کچھ باوردی پولیس والے نیچے اترے۔ انہوں نے ایک آدمی کو نیچے اتارا گاڑی سے آواز آئی...... تکبیر! اس جوان نے جس کو نیچے اتارا گیا تھا، نے جواب دیا اللہ اکبر! اور اگلے ہی لمحے اس کو پولیس والوں نے دو گولیاں مار کے شہید کر دیا۔

پھر دو اور نوجوانوں کو اتارا گیا، ان میں سے ایک کو ایک طرف لے کے گئے اور دوسرے کو دوسری طرف۔ دونوں کے ساتھ تقریباً پندرہ، پندرہ پولیس والے تھے۔ یہ پولیس والے ان کو

مارنے لگے اور ایک افسر دور کھڑا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ پولیس والے ان دو جوانوں سے کہہ رہے تھے بتاؤ پھر کرو گے ؟ ان دونوں نے جواب دیا ہاں ضرور کریں گے !

ان میں سے ایک نعرہ لگاتا...... تکبیر۔ دوسرا جواب دیتا...... اللہ اکبر !

یہ سن کے پولیس والے ان کو اور مارتے اور اپنا سوال دہراتے پر وہ دونوں تھے کے تکبیر اور اللہ اکبر کی صدا ہی بلند کرتے تھے۔ یہ معاملہ کافی دیر چلتا رہا پولیس والے ان کو مارنے پہ کمربستہ رہے اور وہ جوان اپنے نعرے پہ ثابت قدم۔ آخر پولیس والوں کو ہار ماننی پڑی اور انہوں نے ان دونوں کو گولیوں سے چھلنی کر کے شہید کر دیا اور ان کی لاشیں گاڑیوں میں ڈال کے لے گئے۔ کسان یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کسان ان کے جانے کے بعد اپنے گھر چلا گیا۔ صبح پھر کچھ لوگوں کے ساتھ اس جگہ پر آیا اور ان کو وہاں سے ایک رومال ملا جو کے خون آلود تھا جو کہ ایک بچہ اپنے گھر لے گیا۔ جب ان شہدا کے ورثا ادھر بعد میں پہنچے تو اس کسان نے ان کو پورا واقعہ سنایا اور ان کو مبارکباد بھی دی اور کہا مجھے یقین ہے کہ یہ تینوں شہید ہیں !

وہ بچہ رومال بھی لے کے آیا اور رو رو کر ان سے درخواست کی کے یہ رومال میری والدہ کہتی ہیں ہمیں دے دیں۔ انہوں نے وہ رومال بھی انہیں دے دیا کیونکہ ان کے بچے تو اب سبز لباسوں میں ملبوس جنت کی سیر کرتے تھے......!

ان شہدا میں سے پہلے مولوی نذیر شہیدؒ تھے (علی پور سے ان کا تعلق تھا یہ علاقہ جنوبی پنجاب میں بہاولپور کے نزدیک ہے اور ان ساتھیوں کو بھی ادھر قریب ہی شہید کیا گیا تھا) بعد میں ان کی نعش دیکھ کر معلوم ہوا کہ ان کو دو گولیاں لگی تھیں۔ باقی دو میں ایک کا نام حنین (فہد کھوسہ) تھا اور دوسرے کا عثمان (حسن)۔ ان دونوں کا تعلق ڈیرہ غازی خان سے تھا۔

ان تینوں شہدا کی لاشیں کافی دن بعد گھر والوں کو دی گئیں، لیکن ماشاءاللہ لاشیں بالکل تروتازہ تھیں اور جتنے لوگ بھی جنازے میں شریک تھے انہوں نے کہا کہ اگر کسی کو شہید دیکھنے ہیں تو ان کو دیکھ لے۔

تم امریکہ کا ساتھ چھوڑ دو!

عثمان بھائی کو جب گرفتار کر کے لے جایا گیا، تو ان سے پولیس والوں کا ایک مکالمہ ہوا۔ یاد رہے عثمان بھائی ایک موٹر سائیکل کے مستری تھے اور اسکول میں صرف پانچ جماعتیں پڑھی تھیں یعنی عثمان بھائی دینی علم اور دنیاوی فنون سے ناآشنا تھے مگر انہوں نے اپنے رب کی پکار پر لبیک کہا اور جہاد و ہجرت کی راہ میں نکل آئے۔

جب پولیس والوں نے عثمان بھائی کو مارا تو انہوں نے ان سے کہا:

”دیکھو ہماری جنگ امریکہ سے ہے تم ان کا ساتھ چھوڑ دو ہم بھی تمہیں کچھ نہیں کہیں گے !“

پولیس آفیسر: ”ہم تمہیں چھوڑیں گے ہی نہیں!“

عثمان بھائی: ”ان شاءاللہ میں ضرور رہا ہو جاؤں گا اور اپنے ساتھیوں کا بدلہ لوں گا جن کو تم نے شہید کیا ہے!“

پولیس آفیسر: ”ہم تمہیں بھی تمہارے ساتھیوں کے پاس پہنچا دیں گے!“

عثمان بھائی: ”تم نے اگر مجھے مار بھی دیا تو میں شہید ہو جاؤں گا لیکن اگر میں چھوٹ گیا تو تم ضرور میرے ہاتھ سے قتل ہو گے اور اگر میں مارا گیا تو میرے لیے جنت ہے اور اگر تم میرے ہاتھ سے مارے گئے تو تم ضرور جہنم میں جاؤ گے!“

پولیس آفیسر: ”ہم تمہیں کبھی نہیں چھوڑیں گے اور تمہیں بھی تمہارے ساتھیوں کے پاس پہنچائیں گے!“

عثمان بھائی: ”اگر میں شہید ہو گیا پھر بھی اللہ کے بہت سے شیر موجود ہیں جو تم سے میرا بدلہ لیں گے!“

یہ وہ مکالمہ تھا جو بعد میں کچھ لوگ رہا ہوئے تو انہوں نے مجھے سنایا۔ وہ حیران تھے کہ ایسا ایمان آخر اس کمزور سے لڑکے میں کیسے آیا، بس اللہ کی ذات ہی ہے جو اپنے کمزور سے بندوں کو ایسی ہمت عطا فرماتی ہے۔

میرے ربّا! تو ہمیں بھی ایسی قوت عطا فرما کہ ہم شریعت کے دشمنوں کے آگے ایسے ڈٹ جائیں۔ اے اللہ تو عثمان بھائی کی اس بات کو سچا کر دے کہ اللہ کے شیر تم سے میرا بدلہ لیں گے۔ میرے مالک تو ہمیں توفیق دے کے ہم اپنے سب بھائیوں اور بہنوں کا بدلہ ان کفر کے آلۂ کاروں سے لیں، آمین یارب العالمین۔

قصہ ایک عمر رسیدہ خاتون کا

ایک ساتھی نے مجھے اپنے ایک سفر کی کہانی سنائی۔ ایک رات وزیرستان میں وہ کچھ ساتھیوں کے ساتھ ایک سفر پہ نکلے (پہاڑی علاقوں میں انسان دن میں راستہ بھول جاتا ہے رات میں تو کافی مشکل ہوتی ہے)۔ وہی ہوا انہوں نے کہا ہم لوگ بھی راستہ بھول گئے۔ کافی دیر ادھر اُدھر گھومتے رہے مگر راستہ نہ ملا۔ آخر کافی دیر بعد دور ایک لائٹ نظر آنے لگی۔ ہم اس لائٹ کی طرف گئے۔ جیسے ہی ہم وہاں پہنچے کسی نے ہمارے بالکل قریب فائر کیا۔ ہم نے آواز دی ہم مجاہدین ہیں۔ اُدھر سے کسی نے لائٹ ماری ہم گاڑی سے تو اتر ہی چکے تھے لائٹ مارنے والے نے ہمیں شاید دیکھ لیا۔ اس نے آواز دی آجاؤ ہم یہ سن کے بہت حیران ہوئے کہ آواز کسی عمر رسیدہ خاتون کی تھی۔ ہم آگے گئے تو ہم نے دیکھا کے ایک بوڑھی خاتون جن کے ہاتھ میں ایک لمبی سی بندوق تھی ہماری منتظر تھیں۔ ہمیں پھر سمجھ آئی کہ فائر بھی انہوں نے ہی کیا ہو گا۔ ہم نے ان سے کہا کہ کوئی مرد نہیں ہے، ہم راستہ بھول گئے ہیں؟ انہوں نے کہا آپ لوگ آجائیں بیٹھیں (غالباً ان کا گھر دو خیموں پر مشتمل تھا)۔ انہوں نے کہا اصل میں گھر میں کوئی مرد نہیں ہے اور ادھر چور بھی آتے ہیں اس لیے میں نے فائر کیا کہ اگر کوئی چور ہو تو وہ ڈر جائے کہ ادھر مرد ہے۔ آپ لوگوں نے جب بتایا کہ ہم مجاہدین ہیں تو میری پریشانی دور ہو گئی۔ خاتون کی عمر کافی زیادہ تھی لیکن وہ بہت ہمت والی لگ رہی تھیں۔

انہوں نے کہا آپ لوگ ایسا کریں یہ ہماری بکریوں کا ریوڑ ہے اس میں سے ایک بکری جو سب سے اچھی ہو وہ علیحدہ کر کے ذبح کر لیں۔ ہم نے کہا نہیں بس ہم لوگ صرف خشک روٹی کھا لیں گے مگر خاتون بضد تھیں۔ ہم نے ایک بکری ان میں سے چنی جو کافی صحت مند تھی۔ آدے نے کہا کہ اسے ذبح کرو!(پشتو میں آدے والدہ کو کہتے ہیں) ہم نے اسے ذبح کیا۔ انہوں نے ہمارے لیے آدھا بکرا افرائی کیا اور آدھے کا کچھ اور پکایا(جو راقم کو یاد نہیں ہے)۔ ہم نے خوب سیر ہو کے کھانا کھایا جو بچ گیا وہ ہمیں سفر کے لیے دے دیا۔ پھر آدے نے کہا اگر آپ لوگ رات ادھر گزارتے ہیں تو میں سامنے آپ لوگوں کے بستر لگا دیتی ہوں ہم نے کہا نہیں ہم جاتے ہیں(جو مجھے یاد پڑ رہا ہے شاید ساتھیوں کے ساتھ کوئی زخمی ساتھی تھا) آدے نے کہا پھر چلیں میں آپ لوگوں کو راستہ دکھا دیتی ہوں۔ ہم نے کہا ہمیں ادھر ہی سے بتا دیں ہم پہنچ جائیں گے وہ کہنے لگیں راستہ مشکل ہے میں تھوڑا آگے چل کے آپ لوگوں کو چھوڑ آتی ہوں وہ ہمارے ساتھ فرنٹ سیٹ پے بیٹھ گئیں کافی دور پہنچ کے آدے نے کہا اب راستہ سیدھا ہے آپ لوگ چلے جائیں گے ہم نے کہا فاصلہ کافی ہے آپکو واپس چھوڑ آتے ہیں مگر وہ گاڑی سے اتر گئیں ہم کہتے رہے مگر انہوں نے کہا نہیں میں خود چلی جاؤں گی اور آدے اپنے گھر کو روانہ ہو گئیں۔ میں جب بھی اُس آدے کے بارے میں سوچتا ہوں بے اختیار دعا نکلتی ہے یا اللہ تو آدے کو جنت میں اتنا دے کہ آدے تجھ سے راضی ہو جائے، آمین۔

ایک بابا جی کا ہمارے پاس کھانا لانا

سردیوں کے شروعات کے دن تھے ہم لوگ دشمن کے قریبی علاقے میں ایک مرکز میں موجود تھے۔ ایک مقامی ساتھی آیا اور اس نے بتایا کہ آج رات دشمن کی ایک پوسٹ پر تعارض (دھاوے) کا ارادہ ہے اور ہماری ذمہ داری بڑے کیمپ سے دشمن کی طرف آنے والی مدد کو روکنا ہے یعنی کمین کے لیے بیٹھنا ہے۔ ہم اس بھائی کے ساتھ اپنی جگہ پر جہاں سے ہم نے دشمن کو روکنا تھا پہنچ گئے۔ پہلے تو ہم نے جگہ کا جائزہ لیا، جو ٹینک گزرنے کا راستہ تھا وہ ایک روڈ تھی اور ادھر مائن لگانی تھی کیونکہ ٹینکوں کو روکنے کے لیے مائن لگانا ضروری تھا۔ رات میں ہم نے پکی سڑک کھودی جو کہ کافی مشکل کام ہے۔ ہمیں تقریباً چار، پانچ گھنٹے لگے مائن لگانے میں۔ ہم مائن لگا کہ چلے گئے کیونکہ اگلی رات کارروائی کرنی تھی۔ اگلی رات ہم اپنی جگہ پر جا کے بیٹھ گئے۔ اس انتظار میں کہ ساتھی کب حملہ شروع کریں گے ہم بیٹھے تھے کہ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی ہماری طرف آرہا ہے۔ دشمن کا علاقہ بالکل قریب تھا اور اس وقت کسی کا آنا خطرے سے خالی نہیں تھا کیونکہ دشمن کو خبر ہو چکی تھی کہ مجاہدین اس جگہ بیٹھے ہیں۔ خیر جب وہ بندہ قریب آیا تو ایک ساتھی نے پوچھا کہ کون؟ وہ ایک سفید ریش بزرگ تھے ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی بالٹی اور ایک گٹھڑی بھی تھی انہوں نے کہا میں یہ آپ لوگوں کے لیے کھانا لایا ہوں مجھے پتا چلا تھا کہ یہاں مجاہدین آئے ہیں۔ بالٹی میں بکرے کی کڑاہی تھی اور گٹھڑی میں روٹیاں۔ ساتھ میں وہ سلاد بھی لائے تھے۔ اتنی خطرے والی جگہ پر ہم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ اتنا مزیدار اور اعلیٰ کھانا ملے گا۔ کھانا بالکل پاکستانی انداز میں پکایا گیا تھا۔ ہم ساتھی مجاہدین دو حصوں پر مشتمل تھے یعنی دو مختلف جگہوں پر ساتھی موجود تھے۔ لہٰذا کھانا ہم نے دو حصوں میں تقسیم کر کے دوسرے ساتھیوں کو بھجوایا مگر یہ سن کر مجھے بہت حیرت ہوئی کہ ان ساتھیوں کے پاس بھی اتنا زیادہ کھانا آیا تھا کہ انہوں نے ہمارے لیے رکھا ہوا تھا اور ادھر کھانا لے کر جانے والا کوئی اور تھا۔

ساری افغان قوم کو اللہ تعالیٰ نے ایسا ایمان دیا ہے جس کی نظیر موجودہ زمانے میں کہیں نہیں ملتی۔ اس جنگ میں پوری افغان قوم نے حصہ لیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جنگیں قومیں لڑتی ہیں نہ کہ چند افراد کے بس کی یہ بات ہت۔ اگر افغان قوم مشکل مقامات پر مجاہدین کو رسد فراہم نا کرتے تو مجاہدین کبھی بھی اس جنگ میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے اور افغان قوم میں مجاہدین کی یہ محبت مجاہدین کے ان سے حسن اخلاق کی وجہ سے ہے۔ یہ حسن اخلاق ہی تو ہے جو اس عوام کو مجاہدین کی اس محبت پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ ہر خطرے میں کود کر مجاہدین کی نصرت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر خطے کے مجاہدین کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنا رویہ عوام سے ایسا ہی رکھیں جیسا امارت اسلامیہ کے مجاہدین نے رکھا اور اللہ پاک پوری امت کو بھی وہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ مجاہدین کی مدد کے لیے افغان قوم کی طرح کمربستہ ہو جائیں، آمین۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت

”قرآن کی تفہیم کے لیے سیرت کا مطالعہ لازمی ہے۔ قرآن میں ایسے اوامر موجود ہیں جن کی تفصیل موجود نہیں لہٰذا سیرت ان آیات کی تفصیل فراہم کرتی ہے۔ جیسے سورۃ الاحزاب جنگِ احزاب کے موقع کی ہے اور سورۃ آلِ عمران کا ایک بڑا حصہ مکالمہ ہے مسلمانوں اور نجران کے عیسائیوں کے مابین، اس کا آخری حصہ غزوۂ احد کے موقع کا ہے...... اور یہ سب ہمیں بذریعۂ سیرت پتا چلتا ہے۔“

(شہید داعی الی اللہ، شیخ انور العولقی رحمہ اللہ)

(بحوالہ: سلسلۂ دروس ’Life of Muhammad ﷺ‘)

داعش کے خلاف جنگ کی روداد

امارتِ اسلامیہ افغانستان کے دستوں میں شامل ایک مہاجر مجاہد کے قلم سے

حافظ معاذ بدر

عصر حاضر کی جہادی تاریخ میں ہمیں جہاد کے میدان میں ایک ایسا گروہ دیکھنے کو ملا جس نے جہادی تاریخ کو اپنے سیاہ اعمال سے داغ دار کیا۔ اس نے جہادی صفوں کی وحدت کو توڑا، علما اور مجاہدین اور دیگر عام مسلمانوں کی تکفیر کی اور ان کو چن چن کر شہید کیا۔ جہاں اس نے دیگر جہادی محاذوں، بالخصوص عراق، شام، یمن اور صومالیہ میں مجاہدین کی وحدت کو توڑا اور ان کی قیادت کو شہید کیا، وہیں پر مجاہدینِ امارتِ اسلامیہ کو افغانستان میں بھی اس تکفیری ٹولے کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی تائید وحمایت سے محروم یہ طبقہ ہر محاذ اور ہر مقام پر مجاہدین ہی سے لڑتا رہا اور بالآخر اپنے اعمالِ بد کے نتیجے میں شکست کھا گیا اور امارتِ اسلامیہ افغانستان کی مبارک سرزمین سے اس گروہ کا خاتمہ ہو گیا، الحمدللہ۔ دنیا اس گروہ کو داعش کے نام سے جانتی ہے۔ الحمدللہ افغانستان میں جہاں مہاجر مجاہدین نے صلیبی صہیونی یلغار کا مقابلہ اپنے طالبان بھائیوں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کیا، اسی طرح داعش کے خلاف امارت اسلامیہ افغانستان کی تقویت و مضبوطی کے لیے بھی مہاجرین اپنے افغان بھائیوں کی نصرت سے ہرگز پیچھے نہیں رہے۔ داعش کا فتنہ اٹھتے ہی مہاجر مجاہدین نے ننگر ہار میں مہاجر مجاہدین کے ایک مسئول قاری ایوبی شہید کی قیادت میں امارت کے دستوں (قطعوں) کے ساتھ مل کر داعش پر کئی کامیاب حملے کیے (ان مجاہدین میں قاری شاہین شہید، حیدر شہید، سیف اللہ شہید اور عبد اللہ شنواری قابلِ ذکر ہیں)۔

داعشی مقبوضہ علاقوں کی طرف روانگی

الفتح عملیات کا اعلان ہوتے ہی طالبان کے دستے (قطعے) ننگرہار کا رخ کرنے لگے کیونکہ داعشی عناصر زابل میں شکست کھانے کے بعد ننگرہار میں جمع ہو چکے تھے اور امارتِ اسلامیہ کے لیے سخت مشکلات پیدا کر رہے تھے۔ ننگرہار کے مقامی طالبان اس فتنے سے پہلے ہی نبرد آزما تھے۔ ہماری جماعت کی طرف سے ہماری تشکیل بھی امارت اسلامیہ کے ایک قطعے کے ساتھ ہو گئی۔ امارت کے مسئولین نے اس جنگ کے لیے مہاجر مجاہدین کے ذمہ داران سے بھی کچھ ساتھیوں کا مطالبہ کیا، جس میں بارود کے ماہرین اور رات کو دیکھنے والی دور بین(night vision) استعمال کرنے والے ماہرین شامل تھے۔ تشکیل روانہ ہونے کے کچھ دن بعد ہم ننگرہار کی شیر زاد اولسوالی (ضلع شیر زاد) میں پہنچ گئے جہاں پر پہلے پہنچنے والے طالبان مجاہدین نے اپنے مراکز بنائے ہوئے تھے، جبکہ سامنے والی پہاڑی چوٹی 'واٹ سر' پر داعشیوں کا قبضہ تھا۔

ان جنگوں میں ہم نے تین ماہ کے قریب عرصہ گزارا اور سال ۲۰۱۹ء کے ماہِ اگست، ستمبر و اکتوبر داعشیوں کے خلاف جنگی محاذ پر گزرے۔ یہاں درج کردہ روداد انہی مہینوں کے دوران پیش آنے والے واقعات پر مبنی ہے۔

داعشی 'خلافت' کا نقشہ

مجھے ننگرہار پہنچنے کے بعد بہت حیرت ہوئی کہ مقامی عوام داعشیوں سے ڈرے ہوئے تھے۔ ہر کوئی اس پریشانی میں تھا کہیں داعشی ادھر ہمارے علاقے میں نہ آجائیں۔ مجھے بہت حیرت ہوئی کہ داعش کی یہ کیسی خلافت ہے جس سے ڈر کر لوگ بھاگ گئے؟ یہ کیسا نظامِ 'شریعت' کا دعویٰ ہے جو گواہوں کی گواہی و شہادت کی بجائے شبہے کی بنیاد پر لوگوں کو قتل کرتا ہے؟ کیسے بد نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی پاکیزہ شریعت کو بدنام کیا۔

داعشی 'خلافت' کے زیرِ سایہ عوام کا رہن سہن

جلال آباد کے علاقے عوام سے تقریباً خالی ہو چکے تھے؛ لوگ داعش کے ڈر سے جلال آباد شہر کی طرف بھاگ گئے تھے۔ میں نے ایک مقامی شخص سے پوچھا: 'داعش تو ابھی شیر زاد کی چوٹیوں پر ہے، نیچے اتری ہی نہیں ہے، ادھر سے لوگ کیوں بھاگ گئے'؟ وہ کہنے لگا: 'قاری صاحب! میں آپ کو کیا بتاؤں کہ ہم کن مشکلات سے دوچار ہیں۔ آٹھ (۸) ماہ ہونے والے ہیں، میرے گھر والے جلال آباد شہر میں پڑے ہیں، گھر کا سامان ادھر ہے اور میں اس کی حفاظت کر رہا ہوں۔ شہر میں رہنے کے لیے کرایہ بھی نہیں ہے۔ دعا کرو یہ فتنہ ختم ہو جائے'۔

ایک اور بوڑھا اپنی پرانی بندوق طالبان کے پاس لے کر آیا اور کہنے لگا: 'یہ بندوق لے لو، جب جنگ کے لیے جاؤ تو اس کو استعمال کر لینا تاکہ اس فتنے کو مٹانے کے اجر میں میں بھی شریک ہو جاؤں'۔ ایسے واقعات کئی ہیں، لیکن مضمون کی طوالت کے خوف سے میں ان کا ذکر نہیں کر رہا۔

الفتح عملیات سے پہلے ننگرھار کے مقامی طالبان اس فتنے سے نبرد آزما تھے۔ شیخ امیر محمد عالم حقانی کی سربراہی میں طالبان نے داعش کے خلاف کئی حملے کیے اور داعش کو کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ مگر ایک مقامی مجاہد کے بقول: 'جب ہم ان سے جنگ کرتے تو افغان ملی فوج داعش سے چھینے گئے علاقوں میں بکتر بند گاڑیاں لے کر آجاتی اور فضا سے امریکی ڈرون طیارے ہمیں نشانہ بناتے۔ بعض دفعہ کھلے آسمان کے نیچے کئی زخمی اور شہدا پڑے ہوتے اور ان کو سنبھالنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔ صرف امیر محمد عالم حقانی صاحب کے مجموعے کے باون (۵۲) کے قریب ساتھی شہید ہوئے'۔

جنگ سے پہلے داعشیوں سے ہر روز مخابرے پر بات چیت ہوتی۔ طالبان ان کو سمجھانے کی بھرپور کوشش کرتے۔ ایک دن طالبان کے جنگی مسئول نے داعشیوں سے مخابرے پر بات چیت کرتے ہوئے کہا: 'تم تسلیم ہو جاؤ، ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے، یہ سب کچھ تمہارا ہو گا، ہم

واپس چلے جائیں گے‘۔ انھوں نے مزید کہا: ’میں اس چیز کی گارنٹی دیتا ہوں کوئی تمھیں کچھ نہیں کہے گا۔ اللہ کی قسم دشمن کو ہمارے اوپر ہنسنے کا موقع نہ دو کہ جہاد کے نام لیوا لڑ رہے ہیں۔ تمھیں اجازت ہوگی تم جہاں کہیں بھی جہاد کرو‘۔ مگر وہ آگے سے کہنے لگا: ’تم مشرک ہو، امارت آئی ایس آئی ہے، تمہارا آئی ایس آئی سے معاہدہ ہے‘۔ اس جواب میں ایک تو حد درجہ غلو و گمراہی ہے کہ مجاہدین کو یہ جہلا ’مشرک‘ کہتے ہیں، دوسرا اس میں الزام ہے۔ یہ وہی الزام ہے جو اشرف غنی اور افغان ملی فوج امارت کے مجاہدین پر لگاتی ہے اور اس الزام کا جواب امارتِ اسلامیہ کے سیاسی دفتر کے مسئول جناب شیر محمد عباس ستانکزئی صاحب بہت عمدگی سے دیتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں ’آپ دیکھ سکتے ہیں کہ پاکستان عملاً نیٹو کے ساتھ اس اتحاد میں شامل ہے (جو افغانستان پر حملہ آور ہے)۔ امریکہ کی ساری رسد پاکستان کے راستے سے آتی ہے، لہٰذا پاکستان کیسے ہمارا (طالبان کا) مددگار ہو سکتا ہے؟‘۔

داعشیوں سے تقریباً ہر روز جنگ ہوتی تھی، ہمارے پہنچنے سے پہلے بھی کافی جنگیں ہو چکی تھیں جس میں ایک طالب ’مامک‘ شہید ہوا تھا۔ مامک کے والد بھی مجاہد تھے اور امریکیوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ مامک جس پہاڑ پر شہید ہوا، اس کی چوٹی پر اس وقت داعشیوں کا قبضہ تھا۔ مامک جونہی شہید ہوا، اس کے ساتھیوں نے اس سے بندوق لینا چاہی لیکن مامک نے بندوق مضبوطی سے پکڑی ہوئی تھی اور وہ اسے چھوڑ ہی نہیں رہا تھا۔ طالبان نے بندوق لینے کے لیے اپنا پورا زور لگایا لیکن بندوق مامک کے ہاتھوں میں ہی رہی۔ اتنے میں ایک طالب آگے بڑھا اور اس نے مامک سے کہا: مامک! اللہ تمہاری شہادت قبول فرمائے، بندوق واپس کر دو۔ اس بات کے بعد مامک کی گرفت بندوق پر ڈھیلی پڑ گئی۔

ہمارے پہنچنے کے تیسرے روز جنگی مسئول نے ایک تعارض (دھاوا) ترتیب دیا جس میں ہمارے دو ساتھیوں کو بھی شامل کیا گیا، جس میں ایک نائٹ وژن (رات والی دوربین) کا ماہر بھی شامل تھا۔ رات کے تعارض میں نائٹ وژن کا ماہر بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے اور عموماً جنگ کا دارومدار اسی پر ہوتا ہے۔ داعشی، مقامی لوگوں کے گھروں میں رہ رہے تھے۔ مقامی لوگ تو داعشیوں کے آتے ہی علاقہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ داعشیوں نے اپنے جنگجوؤں کو گھروں میں بکھیرا ہوا تھا اور گھروں کے باہر بارودی سرنگیں بچھائی ہوئی تھیں۔

رات کو ساتھی جنگ کے لیے گئے۔ جونہی ان کے علاقے میں پہنچے تو حملہ شروع ہو گیا۔ طالبان نے زوردار حملہ کیا لیکن پیش قدمی میں مشکلات پیش آ رہی تھیں کیونکہ بارودی سرنگوں پر ساتھیوں کے چڑھنے اور ان کے پھٹنے کا خطرہ تھا۔ پوری رات جنگ جاری رہی۔ داعشی، طالبان کو اپنے مورچوں کے قریب بالکل نہیں آنے دیتے تھے۔ دستی بم / گرنیڈ کافی تعداد میں ان کے پاس موجود تھے اور وقفے وقفے سے وہ گرنیڈ پھینکتے تھے۔ لیکن طالبان نے بھی پیچھے نہ ہٹنے کی ٹھانی ہوئی تھی۔

داعشی کا اپنے آپ کو اڑانا

مورچوں میں موجود داعشیوں کے پاس جب اسلحہ کم ہونا شروع ہو گیا تو ایک داعشی، جس نے بارودی جیکٹ پہن رکھی تھی، نے اچانک مجاہدین کی طرف دوڑ لگا دی تاکہ اپنے آپ کو دھماکے سے مجاہدین پر اڑا دے، لیکن راستے میں ہی طالبان نے اس کو قتل کر دیا۔ بعد میں پتا چلا کہ داعشیوں کا طریقۂ جنگ یہی ہے کہ ہر مورچے میں کچھ بارودی جیکٹوں سے لیس جنگجو موجود ہوتے ہیں، جو جنگ کے وقت طالبان کی طرف دوڑ لگا دیتے ہیں تاکہ اپنے آپ کو اڑا سکیں اور ساتھ ہی مجاہدین بھی شہید ہو جائیں۔ خوارج میں یہ عجیب و غریب قسم کی خصلت ہوتی ہے کہ وہ کفار کی بجائے مسلمانوں پر سخت ہوتے ہیں۔ خیر صبح ہوتے ہی طالبان واپس اپنے مرکز میں آ گئے۔

بارود کی ضرورت

داعشیوں نے مقامی لوگوں کے جن کچے گھروں میں پناہ لی ہوئی تھی، ان پر طالبان نے ہر قسم اسلحہ آزمایا لیکن ان کی دیواروں پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا (اس کی وجہ یہ ہے کہ حفاظت کی نیت سے مٹی کی یہ دیواریں اتنی چوڑی بنائی جاتی ہیں کہ عام گولی وغیرہ ان پر کوئی اثر نہیں کرتی)۔ دیواروں کو توڑنے اور مورچوں کے اندر گھسنے کے لیے بارود سے بہتر کوئی ہتھیار نہیں تھا۔

بارود کی تیاری

طالبان کے جنگی مسئول نے ہمارے مسئول کو اپنے پاس بلا کر بارود کی تیاری کے لیے مشورہ کیا۔ مشورے کے بعد بارود کا سارا کام ہمارے حوالے کر دیا گیا۔ بارود کا سامان تو ہمارے حوالے کر دیا گیا، لیکن سامان میں ربڑی دستانے نہیں تھے۔ ایک مجاہد کو بازار بھیجا لیکن اسے دیر ہو گئی اور ساتھیوں نے انتظار کی زحمت گوارا نہیں کی اور بغیر دستانوں کے ہی بُشکوں (پلاسٹک کے کین) کو بارود سے بھر دیا اور تیار حالت میں رکھ دیا۔ وقت ذرا گزرا تو بارود نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا۔ پہلے پہل تو چھینکوں کا آغاز ہوا جو اس حد تک بڑھا کہ جس کو دیکھو بستر پر پڑا ہوا ہے۔ ساری رات سخت سر درد، سر چکرانا، پورے جسم میں درد کی سخت لہریں اور قے آنے والی کیفیت۔ جس کو دیکھو طبیعت خراب ہے۔ خیر اللہ اللہ کر کے رات گزر گئی۔ اگلی صبح بُشکوں کو پھاڑنے کے لیے عارضی بیٹریاں بھی بنا دیں اور ٹریپ (trap) بھی بنا دیے۔ متعلقہ شعبے کو اطلاع دے دی گئی کہ آپ لوگوں کا سامان تیار ہے، لے جاؤ۔ جس قطعے کی ذمہ داری تھی وہ آ کر سامان لے گئے۔

جنگ سے پہلے، جنگی مسئول کا خطاب

پانچ ماہ ہو گئے تھے طالبان ایک علاقے میں جنگ کر رہے تھے۔ چوٹی فتح ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ پیش قدمی ممکن نہیں ہو پا رہی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ داعشیوں نے چوٹی پر چڑھنے والے تمام راستوں پر مائن کاری کی ہوئی تھی (یعنی بارودی سرنگیں بچھا رکھی تھیں) جس کی وجہ سے کئی طالبان زخمی و شہید ہو چکے تھے۔ جنگ سے پہلے جنگی مسئول نے مجاہدین کو ایک

مسجد میں اکٹھا کیا اور خطاب کیا۔ خطاب تو کافی طویل تھا مگر اس کی کچھ باتیں یاد ہیں، ذمہ دار نے کہا:

”آخر کیا وجہ ہے کہ اتنے دن ہو گئے چوٹی فتح ہونے کا نام نہیں لے رہی؟ ہم حق پر بھی ہیں لیکن وہ جنگ کرتے ہیں تو ہم پسپا ہو جاتے ہیں! یہ شہدا کے خون کے ساتھ وفا کرنے کا وقت ہے۔ آج امریکیوں نے ہمیں ادھر داعشیوں کے ساتھ مصروف کر دیا ہے۔ امریکہ ہمیں کہتا ہے: مجھے نائن الیون والے ہلاک شدگان نہیں بھولے۔ اس نے تو ہمارے ملکوں میں تقریباً بیس سال قتل و غارت کی ہے، وہ ہم کیسے بھول جائیں۔ کل اس نے ایک طالب شہید کیا ہے، ہم اس کو کیسے بھول جائیں؟ جب وہ بیس سال پہلے والے اپنے مقتولین نہیں بھول سکتا تو ہم اپنے آج کے شہدا کیسے بھول جائیں؟

ہمارے لیے تو یہ بڑا امتحان ہے۔ یہ بچ جانے والے امریکی ہماری نظروں کے سامنے زندہ سلامت وطن واپس چلے جائیں۔ اگر اللہ مجھے طاقت دے تو میں امریکہ کو اس کے اندر جا کر ماروں گا!“

خطاب ختم ہونے کے بعد رو رو کر فتح و نصرت کے لیے دعائیں مانگی گئیں۔ اگلی صبح جنگ پر جانے سے پہلے قرآن کا ختم کیا گیا اور شہدا کے لیے قرآن خوانی کی گئی۔ ایک دفعہ پھر اس ذاتِ باری تعالیٰ کا در کھٹکھٹایا گیا جس سے ساری امیدیں وابستہ ہیں۔ دعا کے بعد مجلس برخاست ہو گئی۔ اس کے کچھ دیر بعد میں مسجد میں داخل ہوا تو میں نے اس مسئول کو دیکھا کہ قرآن ہاتھ میں پکڑ کر واسطے دے کر اللہ رب العزت سے دعا مانگ رہا ہے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ کی نصرت ضرور آئے گی۔

جنگ کا آغاز اور نصرت کی بہاریں

شیر زاد کے جس علاقے میں جنگ چل رہی تھی وہاں بلند و بالا پہاڑ تھے اور اس کے ارد گرد نہایت گھنے جنگلات تھے۔ اس کو فتح کرنا ہرگز آسان کام نہیں تھا۔ چوٹی پر چڑھنے والے تمام راستے پر داعشیوں نے مائن کاری کی ہوئی تھی۔ داعشیوں کا عقب بھی تقریباً محفوظ تھا۔ طالبان نے یہ خطرہ مول لیا اور ایک قطعے کو ان خوارج کے عقب میں بھیج دیا۔ عقب سے حملہ کرنے والے مجاہدین کو بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بلند و بالا چٹانوں نے ان کو تھکا دیا۔ رہی سہی کسر بھوک پیاس نے پوری کر دی۔

طالبان مستقل چار دن پیدل چلتے رہے۔ بھوک پیاس کی وجہ سے مجاہدینِ طالبان نڈھال ہو گئے اور ایک دو شہید بھی ہو گئے۔ جب عقب والے مجاہدین پہنچ گئے تو ادھر سے امر ملتے ہی سامنے سے طالبان نے بھی حملہ کر دیا۔

حملے کا آغاز

حملے کے لیے دو گروپ بنائے گئے جس میں ہم مہاجرین کے چھ ساتھی شامل تھے۔ عصر کی نماز سے تھوڑا پہلے ہم مرکز سے نکلے اور داعشیوں کے مورچوں کے قریب ایک جگہ پر رک گئے۔ وہاں پر طالبان نے حملہ کرنے والی ٹولیوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک رات والا گروپ اور ایک دن والا گروپ۔

رات والے گروپ کا حملہ

رات والے گروپ میں جنگی مسئول نے ذمہ داریاں تقسیم کر دیں۔ ایک گروپ بارود والا تھا جس کی ذمہ داری یہ تھی اس نے مورچوں کے قریب پہنچ کر مورچوں کو اڑانا تھا۔ دوسرا نائٹ وژن والا تھا، جس نے مورچوں سے سر نکالتے داعشیوں کو قتل کرنا تھا۔ اس طرح تعارض اور باقی دوسرے گروپوں میں ذمہ داریاں تقسیم کر دی گئیں۔ مغرب کی نماز پڑھتے ہی تمام گروپوں نے سفر شروع کر دیا۔ سب سے پہلے بارود والا گروپ روانہ ہوا جس کا امیر ہمارا ساتھی درویش تھا۔ ان کے روانہ ہوتے ہی نائٹ وژن والا گروپ روانہ ہو گیا اور ایک نائٹ وژن دوربین ہمارے ساتھی حاجی الیاس کے پاس تھی۔

میری تشکیل دوسرے گروپ میں تھی۔ پہلے گروپ کی واپسی کی صورت میں ہمیں جانا تھا۔ ساتھیوں کے جانے کے تھوڑی دیر بعد دھماکوں کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ ہم ساتھیوں کے جانے کے بعد اپنے بستر بچھا کر سو گئے۔ بستر کیا تھے سردی میں دو ساتھیوں کے حصے میں ایک ایک کمبل آیا۔ نیند کیا آنی تھی، مخابرے (وائرلیس سیٹ) پر کان لگا کر آوازیں سن رہے تھے کہ کیا ہو رہا ہے۔ تعارض شروع ہو چکا تھا۔ اتنے میں مخابرے پر ہمیں مخاطب کرتی آواز آئی: ’ان سے کہو باقی بچ جانے والے بمبوں کی فتیل بتی[1] زیادہ کر دو، ورنہ اپنے ساتھیوں کی شہادت کا خطرہ ہے‘۔

میرے ساتھ حسین بھائی نے اٹھ کر فتیل بتی لگانے میں مدد کی۔ میں فتیل کاٹ کر لگاتا۔ حسین بھائی اس کے اوپر ٹیپ لگاتے۔ تھوڑی دیر بعد ہم بمبوں سے فارغ ہو گئے اور گاڑی والا ساتھی بمبے لے کر چلا گیا۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

[1] وہ بارود بھری تار جس سے بارود کو پھاڑنے کے لیے ابتدائی شعلہ دیا جاتا ہے۔

فرشتوں کی کتابوں میں چمن کی آبرو ٹھہرے!

نعیم الحق گھمن شہید کے بارے میں احساسات

عمر فاروق خراسانی

حسن البناء آپ کا جہادی نام تھا...... آپ کا اصل نام نعیم الحق گھمن تھا۔ آپ پنجاب کی جٹ قوم میں گھمن برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی رہائش لاہور شہر میں تھی۔ دینی غیرت و حمیت بچپن سے ہی آپ کی رگ رگ میں موجزن تھی۔

اس دجالی معاشرے میں جہاں عصر حاضر کے جدید ذہن بچوں کو شروع سے ہی سیکولرازم اور لادینیت کی طرف راغب کرنے کے لیے طرح طرح کے جال بچھائے آستین کے سانپ بنے بیٹھے ہیں، وہیں اس معاشرے میں آنکھ کھولنے والے نعیم الحق کو اللہ پاک نے بچپن سے ہی یہ توفیق دی کہ وہ اس نظام بدی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور بچوں میں دین کی دعوت عام کرنے والی ایک بزم سے منسلک ہو گئے۔ جب آپ کالج میں داخل ہوئے تو میکالے کے مکتبوں کا حال دیکھ کر آپ حیران رہ گئے کہ اسلامی ملک میں مخلوط تعلیم کے نام پر بے حیائی اور فحاشی کا ایک نہ تھمنے والا سیلاب رواں ہے۔ آپ نے بے حیائی و فحاشی کے اس سیلاب میں بہنے کے بجائے اس میں بہتے نوجوانوں کو بچانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ یہ سادہ لوح نوجوان جو مادہ پرستی کی تند و تیز موجوں کی نظر ہو رہے تھے، آپ ان کی دنیا و آخرت بچانے میں لگ گئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل کرتے ہوئے پختہ ارادے، کامل یقین اور پر خلوص جذبوں کے ساتھ ان نوجوانوں کو اِن تند و تیز موجوں سے نکالنے کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔ سکول و بچپن کے زمانے میں آپ جس بزم سے وابستہ تھے اسی بزم کی نوجوانوں کے لیے تنظیم کا آپ حصہ بن گئے۔ نفاذ دین کے لیے کوشاں اس تنظیم میں رہتے ہوئے جہاد کی محبت آپ کے جسم میں سرایت کرنے لگی۔ کشمیر و فلسطین میں مسلم عزتوں کی پامالی، بہنوں کی چیخیں، بچوں کے روتے چہرے اور ماؤں کی فریادیں آپ کو چین سے نہ بیٹھنے دیتیں، آپ نے سرحد پار سے آتی وامعتصماہ! کی صدا پہ لبیک کہتے ہوئے جہاد کشمیر کا رخ کیا۔

وَمَا لَكُمْ لاَ تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاء وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَـذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيّاً وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيراً○(سورۃ النساء)

”اور (اے مسلمانو) تمہارے پاس کیا جواز ہے کہ اللہ کے راستے میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو یہ دعا کر رہے ہیں کہ: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال لایئے جس کے باشندے ظلم توڑ رہے ہیں، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حامی پیدا کر دیجیے، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار کھڑا کر دیجیے۔“

اے حسن! تمہیں یاد ہے ہماری پہلی ملاقات کا مقصد و مدعا محض فی سبیل اللہ تھا۔ جب تم جہادِ کشمیر سے وابستہ ایک جہادی تنظیم کے مرکز میں آئے تھے تو وہاں ہماری ملاقات ہوئی، میں نے تم سے پوچھا: کیا ارادے ہیں؟ تم کہنے لگے: ”وادی میں جانا ہے اور ہندو بنیے سے اپنی ماؤں بہنوں کی عزتوں کو بچانا ہے، اپنے مظلوم کشمیری بھائیوں کے خون کا حساب لینا ہے......“

مگر یہ کیا حسن تم بہت جلد ہی واپس آ گئے؟ تم نے مجھے بتایا کہ ارادہ پہلے بھی تھا اور اب بھی اسی ارادے پہ قائم ہوں، پھر کیوں آ گئے؟ راستے میں دیوار حائل ہے، کیا مطلب؟ دورۂ عزیمت مکمل کرنے کے بعد میں نے دورۂ شہادت (لانچنگ) کے لیے بات کی تو انہوں نے مجھے کہا انتظار کیجیے اور ایجنسیوں کے متعلقہ شعبے کے سپرد کر دیا۔ چند ماہ بعد میں نے پھر کہا کہ لانچ کر دیں تو کہنے لگے کہ آپ کا گروپ تیار ہو رہا ہے پھر آپ کو ایک سال کا تربیتی کورس کرنا ہو گا اس کے بعد آپ کی لانچنگ ہو گی۔ میں نے پوچھا کیا کورس ہے؟ اس میں کیا ہو گا؟ جواب ملا چھ ماہ عسکری تربیت اور چھ ماہ ذہنی و فکری تربیت۔ تم نے پوچھا: ذہنی و فکری تربیت سے کیا مراد؟ تم کو بتایا گیا کہ آپ کو ایک مخصوص جگہ پہ رکھا جائے گا وہاں بس آپ نے انڈین فلمیں دیکھنی ہوں گی، سگریٹ نوشی اور دیگر کاموں کی تربیت ہو گی۔ آپ نے تعجب سے اسے دیکھا تو فوراً ہی بولا کہ تمہیں انڈیا کام کے لیے بھیجا جائے گا۔ آپ نے اسے کہا انڈیا جانے کے لیے یہ سب کیوں؟ کہنے گا یہ آئی ایس آئی کی تربیت ہے اس کا نصاب ہے...... تم اس دوران جہاد کشمیر کے نام پہ تجوریاں بھرنے والوں کی اصلیت خوب جان چکے تھے۔

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ

”تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنی عزیز ترین شے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کر دو۔“(سورۃ آل عمران: ۹۲)

اے حسن تم افسردہ دل لیے واپس آ گئے، تمہارے ارادے مضبوط تھے۔ تمہارے جذبے جوان تھے۔ تم اپنی عزیز ترین جان اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا تہیہ کر چکے تھے۔ تم دل شکستہ نہ ہوئے، تم نے اپنے آپ کو دعوت دین کے لیے وقف کر دیا۔ بظاہر تم چمکتی دمکتی دنیا میں مصروف ہو گئے مگر حقیقتاً تم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زخموں سے خون رنگ امت کے غم میں افسردہ رہتے۔ تمہاری سوچوں کا مرکز و محور اس امت اسلام کی سربلندی ہوتا۔ تم اس امت مظلومہ کے لیے کچھ کر گزرنے کا عزم رکھتے تھے...... تم صرف 'بھارت کے ایوانوں میں آگ لگا دو آگ لگا دو'، 'گو امریکہ گو' کے نعرے لگانے پہ مطمئن نہ تھے۔ تم جان چکے تھے اس امت کو غموں سے نجات دلانے کا راستہ جہاد فی سبیل اللہ ہی ہے، اس امت کے عروج کا راستہ فنا فی اللہ میں ہے۔

فنا فی اللہ کی تہہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

اے حسن اس وقت تم بچوں میں نیکی کی دعوت عام کرنے والی تنظیم کی طرف سے لاہور شہر کے ذمہ دار تھے کہ تمہیں ایجنسیوں کی ماتحتی سے پاک جہاد کی دعوت ملی جسے تم نے بلا تردد قبول کیا۔ تمہاری خوشی کی انتہا نہ تھی گویا تمہاری گم شدہ وعزیز ترین متاع تمہیں مل گئی ہو، خوشی کیوں نہ ہوتی اے حسن تمہیں تو منزل کا نشانِ راہ مل گیا تھا......!

اے حسن تمہیں یاد ہے ناں! ۲۰۰۸ء کے فروری میں پشاور میں ہونے والے دینی تنظیم کے اجتماع میں ایک طویل عرصے بعد ہماری ملاقات ہوئی تھی، تم نے مجھے ہدیۃً مجددِ جہاد شیخ عبد اللہ عزام شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب 'جہاد...... آداب اور احکام' دی اور میں نے تمہارے لیے شیخ رحمۃ اللہ علیہ ہی کی کتاب 'ایمان کے بعد اہم ترین فرضِ عین' کا انتخاب کیا تھا......اے حسن میں نے تم سے پوچھا تھا کہ جہاد کی چنگاری زندہ ہے یا مر گئی ہے؟ تم نے غیرت ایمانی سے سرشار جواب دیتے ہوئے کہا مسلمان کی زندگی جہاد کے بغیر ادھوری ہے وہ چنگاری ایک الاؤ کا روپ دھار گئی ہے۔

اے حسن تم سے میرے تعلق کی بنیاد رنگ، نسل اور قبیلہ نہ تھی، نہ ہی ذاتی اغراض کا حصول تھا۔ ہمارے تعلق کی بنیاد لاالہ الا اللہ تھی کہ جس کی بنیاد پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی۔

حدیث قدسی ہے کہ آپ صل اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے لیے محبت کرنے والے میرے عرش کے سائے میں ہوں گے اس دن کہ جب میرے عرش کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ ان لوگوں کے مقام و مرتبے پہ انبیا و شہدا بھی رشک کریں گے۔“(مسند احمد)

اسی اجتماع میں ہم دونوں ہی نے ایک دوسرے کو عالمی جہاد کی دعوت دی تھی! تم نے مجھ سے کہا تھا کہ اگلی ملاقات محاذوں پہ ہوگی۔

حسن! میں محاذِ جنگ پہ پہنچا تو تمہیں نہ پا کر کچھ پریشان سا ہو گیا۔ مجھے تو امید تھی کہ تم مجھ سے پہلے ہی قتال کے میدانوں کا رخ کرو گے......ہاں حسن! اللہ شاہد ہے اسی فی اللہ تعلق کو وفا کرنے کے لیے میں جب بھی اپنے رب سے دست بدعا ہوتا تو خود سے پہلے تمہارے لیے دعا مانگتا، تمہیں اپنے ساتھ جنگ کے میدانوں میں دیکھنے کے لیے بے چین و بے قرار رہتا......اے حسن میری دعائیں رنگ لائیں، ایک دن شام عصر سے کچھ پہلے میں کام میں مصروف تھا تو ایک پہاڑی ٹیلے پہ نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک مولانا صاحب (اللہ انہیں رہائی عطا فرمائیں) کے ہمراہ دو نئے ساتھی ہیں......اے حسن میں تمہیں دور سے دیکھتے ہی پہچان گیا تھا۔ یقین کرو اس وقت میری کیفیت ایسی ہی تھی کہ جیسے میرا سگا بھائی آ گیا ہو۔ میں خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ یہ سب اس ذات کے لیے تھا جس کے لیے ہم نے دوستی کی، جس کی خاطر عہد و پیمان کیے......

اے حسن تم کتنے بے چین و بے قرار تھے عدو اللہ پہ قہر بن کر ٹوٹنے کے لیے۔ ابھی تمہاری تدریب (ابتدائی عسکری تربیت) چل رہی تھی اور تم دیگر ساتھیوں کو ہر روز دشمنِ اسلام امریکہ اور اس کے حواریوں پہ حملہ آور ہوتا دیکھتے تو تمہاری تڑپ دیدنی ہوتی۔ تم چاہتے کہ تمہیں بھی شاملِ کارروائی کیا جائے۔ مگر حسن تمہیں استاد محترم کی طرف سے ابھی اجازت نہ تھی۔ ایک دن تم نے مجھ سے وعدہ لیا اور کہنے لگے: بھائی ایک میزائل میرے نام کا فائر کر دینا، اے حسن میں نے اپنا وعدہ وفا کیا، اب تمہاری باری ہے، یہی طے ہوا تھا کہ تم ستّر میں مجھے بھی شامل رکھو گے......

حدیث کا مفہوم ہے کہ:

”شہید کے لیے اللہ کے یہاں چھ انعامات ہیں:

1. خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔
2. شہید جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے۔
3. شہید کو عذاب قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور شہید قیامت کے دن کی بھیانک وحشت سے مامون کر دیا جاتا ہے۔
4. شہید کے سر پر یاقوت سے جڑا وقار کا تاج رکھا جاتا ہے جو دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے بہتر ہے۔
5. شہید کے نکاح میں بہتّر (۷۲) حوریں دی جاتی ہیں۔
6. شہید روزِ محشر اپنے ستّر عزیز و اقارب کی سفارش کرے گا۔“

(مسند احمد)

حسن تمہاری تدریب ختم ہو چکی تھی اب تم خط اول (فرنٹ لائن) پر ایک طرف نیٹو افواج کے خلاف اور دوسری طرف ان کی فرنٹ لائن اتحادی فوج کے خلاف بر سر پیکار تھے۔ حسن مجھے یاد ہے ایک دفعہ، رات کی تاریکی میں تم نے اپنا راکٹ اٹھایا اور ایک ساتھی کو ساتھ لے کر فوجیوں کے مورچوں کی طرف چل پڑے۔ آدھے گھنٹے بعد فضا راکٹ کے دھماکوں اور گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی......اس وقت دشمن دین خوابِ غفلت میں پڑے تھے۔ تم نے یکے بعد دیگرے تین راکٹ فائر کیے جو ہدف پہ لگے۔ جواب میں دشمن نے بوکھلا کر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ تیسرے راکٹ کے فائر سے آپ کی جگہ کی نشان دہی ہو گئی، دشمن کا فائر آپ کی طرف آنے لگا۔ قریب تھا کہ دشمن کی گولیوں کی بوچھاڑ آپ کا سینہ چاک کر جاتی، مگر ان مارنے والوں سے بچانے والا بہت ہی اعلیٰ اور قوی ہے۔ آپ کا پاؤں اک پتھر سے ٹکرایا اور آپ گر گئے آپ کے گرتے ہی یہ گولیوں کی بوچھاڑ، آپ کے اوپر سے گزر گئی، یوں اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔

اے حسن مجھے یاد ہے محض دو ماہ تمہارے ساتھ محاذوں پہ گزارنے کے بعد میں پھر شہروں کی جانب چلا گیا۔ میں نے جاتے ہوئے تمہیں اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔ تم میرے جانے پہ خوش نہ تھے تمہیں ڈر تھا کہ میں فتنے میں نہ پڑ جاؤں......اے حسن یہ تمہاری مجھ سے فی اللہ محبت ہی تھی کہ تم میرا درد رکھتے تھے۔ واپس آنے کے بعد مجھے سلیم بھائی نے بتایا کہ جب مجھے واپس آنے میں دیر ہو گئی تو تم بہت پریشان رہتے تھے۔ تم نے ارادہ کیا کہ تم پاکستان جا کر مجھے ہاتھ سے پکڑ کر لاؤ گے......اے میرے پیارے حسن! واللہ جب میں نے تمہاری اس محبت کا سنا تو آنکھوں سے آنسوؤں کی اک لڑی سی رواں ہو گئی تھی۔ حسن میں تمہیں بتاؤں کہ مجھے جو واپس آنے میں دیر ہوئی وہ تو بس رابطہ منقطع ہونے کی وجہ سے ہوئی ورنہ میرے پیارے رب کا مجھ گناہ گار پر بہت احسان رہا کہ اس نے اس دورِ پر فتن میں مجھے اپنی پناہ میں لیا......اے حسن! تم میرے محسن، میرے رفیق ہو، تم نے تو میرے لیے وہی کچھ پسند کیا جو تمہیں اپنی ذات کے لیے پسند تھا۔

"کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے کرتا ہے۔" (مفہوم حدیث)

تمہیں تو آزمائشوں اور صعوبتوں سے پُر یہ جہاد فی سبیل اللہ کی زندگی پسند تھی۔ تمہیں دشمنانِ اسلام کی گردنیں مارنا، ان کے خلاف دن رات تدبیریں کرنا پسند تھا، تم اس دھن میں مگن رہتے کہ عدوِ اسلام پہ کس طرح کاری ضرب لگائی جائے، تم اللہ کی راہ میں دشمنِ دین کو قتل کرنا اور ان کے ہاتھوں قتل ہونے کے خواہش مند تھے......تم چاہتے تھے کہ تمہاری یہ قیمتی متاع یہ عزیز ترین جان تم اللہ کی راہ میں وار دو تاکہ یہاں تمہیں دشمن کی کاری ضرب لگے اور وہاں تم جنت کے بالاخانوں میں اڑتے پھرو۔ بس اسی ایک مقصد کے حصول کے لیے تم نے کارزارِ کشمیر کا رخ بھی کیا اور برِّصغیر کے دیگر محاذوں اور افغانستان میں بھی تم مصروفِ جہاد رہے۔ مگر یہ اعزازِ بریں تو ارضِ وزیرستان میں تمہارا منتظر تھا......ہاں حسن محض جون سے دسمبر تک کا یہ مختصر سفر تم نے بہت جلد ہی طے کر لیا، آج عید الاضحیٰ کا چوتھا دن، ۱۱ دسمبر ۲۰۰۸ء ہے۔ عید منانے کے بعد آپ ایک تربیتی دورے کی غرض سے اپنے دیگر پانچ ساتھیوں کے ساتھ ایک نئے مرکز پہنچے۔ جہاں رات کی تاریکی میں امریکہ کی فرنٹ لائن اتحادی فوج کی طرف سے دی گئی جاسوسی کے نتیجے امریکی ڈرون طیاروں کے ایک میزائل حملے میں تمہارا مرکز نشانہ بنا......جس میں تم اپنے دیگر ساتھیوں: زوہیر امتیاز قدوائی بھائی (کراچی)، عمران نذیر بھائی (کراچی)، ثناء اللہ بھائی (کراچی)، حسن مصطفیٰ بھائی (کراچی)، عبد اللہ بھائی (اندرون سندھ) سمیت تمغۂ شہادت سینے پہ سجائے دربارِ حق میں کامیاب ٹھہرے۔ (نحسبه كذالك والله حسيبه)

عجب اک شان سے دربار حق میں سرخ رو ٹھہرے
جو دنیا کے کٹہروں میں عدو کے رو برو ٹھہرے

بھرے گلشن میں جن پر انگلیاں اٹھیں وہی غنچے
فرشتوں کی کتابوں میں چمن کی آبرو ٹھہرے!

اے حسن! مجھے بتانے والے نے بتایا کہ جب تم لوگ شہید ہو کر سوئے جناں محوِ پرواز ہوئے تو ہر طرف اک بھینی بھینی سی خوشبو پھیل گئی۔ راوی کہتے ہیں ایسی خوشبو اس سے پہلے کبھی نہ محسوس کی گئی تھی......اے حسن! اپنی حورِ عینا کے عشق میں گم ہو کر مجھے بھول مت جانا۔ ہاں اپنا وعدہ یاد رکھنا اور ربِّ کعبہ سے میری سفارش لازمی کرنا۔ اللہ تم سب کی شہادتوں کو قبول فرمائے اللہ ہمیں بھی عہد وفا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین!

امت کے موجودہ مسائل سے نکلنے کا طریقہ!

"میرے مسلمان بھائیو! لازم ہے کہ ہم اس جنگ کی اصل حقیقت کو سمجھیں! ہمیں ایک ایسی صلیبی یلغار کا سامنا ہے جس میں انہوں نے سرعام ہمارے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ہماری کتاب کی توہین کی، ہماری زمینوں پر قبضہ کر لیا، ہمارے وسائل لوٹ لیے اور ہم پر ایسے حکمران مسلط کر دیے جنھوں نے ہم سے منہ کا لقمہ تک چھین لیا، تاکہ لوگ روٹی کے چند ٹکڑوں کی خاطر ایک دوسرے کو قتل کرنے لگیں۔ جبکہ دوسری طرف یہ چور حکمران اپنی حرام دولت کے سمندر میں تیرتے پھر رہے ہیں۔ آج امت اس بھوک میں کیوں مبتلا ہے؟ حالانکہ یہ دنیا کی دولت مند ترین امت ہے۔ اس کے انواع و اقسام کے وسائل کہاں ہیں؟ اس کی طاقت کہاں چلی گئی؟ صرف پٹرول کی دولت ہی کہاں گئی؟ یہ سب وسائل کہاں چھپے پڑے ہیں؟ درحقیقت صلیبی حملہ آوروں کے بینکوں اور ان کے خائن دم چھلوں کی جیبوں میں پڑے ہیں۔ اگر ہم نے اب بھی ان سے چھٹکارا حاصل نہ کیا تو بھوکے مر جائیں گے۔ استحکام، سیادت، وسائل کی حفاظت، عدل و انصاف اور سیاسی اصلاحات، ان سب کے حصول کا ذریعہ صرف اور صرف جہاد فی سبیل اللہ اور اسلام کو مضبوطی سے تھامنا ہے، کیونکہ اسلام ہی تمام انسانیت کے لیے بچاؤ کا واحد ذریعہ ہے۔ یہ وہ اساسی نوعیت کے حقائق ہیں کہ اگر ہم نے ان کا درست ادراک نہ کیا اور اس ادراک کو محض اندر چھپے ہوئے غیض و غضب کی بجائے طاقتِ عمل اور تبدیلی کے ارادے میں نہ بدلا تو ہم یونہی اس قید و جبر اور غلامی کی چکی میں پستے رہیں گے۔"

(حکیم الامت فضیلۃ الشیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ)

جن سے وعدہ ہے مر کر بھی جو نہ مریں!

جنت کے مسافر

ایک شہید ماں اور ان کے چار شہید بیٹوں کی کہانی

حافظ خبیب احمد

شیخ عبد اللہ عزام شہید نے سچ کہا تھا کہ جب کبھی کوئی شہید اپنے رب کے پاس جاتا ہے تو وہ تنہا نہیں جاتا بلکہ اپنے ساتھ ہمارے جگر کا ٹکڑا، ہمارا کلیجہ بھی لے جاتا ہے۔ پھر اس کی باقی رہ جانے والی یادیں ہمیں تاریکیوں میں راستہ دکھانے کا کام انجام دیتی ہیں۔ اس کا بلند حوصلہ، اس کی خوبیاں، اس کی عمدہ صفات، راہِ حق میں اس کی سرفروشی، اس کی تڑپ اور جذبہ، دشمنانِ حق کے خلاف ہمارے حوصلے بڑھاتا ہے۔

ہمارے یہ پیارے بھائی جن کا میں تذکرہ کرنے چلا ہوں، ان کی یادوں نے ہماری زندگی میں نہایت گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ یہ چار سگے بھائی؛ سیف الرحمان (حذیفہ)، حامد (طلحہ)، موسیٰ (حمزہ) اور عیسیٰ (قاسم) تھے۔

یہ ایسے لوگ تھے جن کی سیرتوں میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جھلک نظر آتی تھی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کے علَم کو بلند کرنے کے لیے اپنے آپ کو کھپا دیا تھا۔ انہوں نے اس وقت جہاد کا علَم بلند کیا جب خال خال ہی کوئی جہاد کا نام لیا کرتا تھا۔ دنیا کے مزے انہیں دھوکہ میں نہ ڈال سکے۔ وہ دنیا کی حقیر خواہشات کو چھوڑ کر اپنے رب کی جنتوں کے حصول کی خاطر دنیا کو خیر باد کہہ کر میدانِ جہاد میں کُود پڑے۔

انہوں نے صرف اور صرف رب کی خوشنودی، فریضۂ جہاد کی ادائیگی اور سینوں میں امت کا غم لیے اپنے پیاروں سے جدائی اور اپنی آرام گاہوں سے دُوری کا کٹھن راستہ اختیار کیا۔ وہ زبانِ حال سے یہ اعلان کر رہے تھے کہ انہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ کوئی شے محبوب نہیں۔ کیونکہ وہ جان چکے تھے کہ جہاد ہی سے ہماری مظلوم امت کے گھر شاد و آباد ہوں گے۔ اگر ہم نے جہاد کو چھوڑ دیا تو ہماری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزتیں سلامت نہیں رہیں گی۔ اپنی مظلوم امت کا درد و غم سینوں میں لیے یہ جنت کے مسافر نکل پڑے۔

جہاد کی راہ میں آنے والی مشکلات، آزمائشیں اور سختیاں انہیں اس مبارک راہ سے پیچھے نہ ہٹا سکیں۔ بلکہ اس راہ میں آنے والی مشکلات، سختیاں اور آزمائشیں ان کے ایمان کی حلاوت کو مزید بڑھاتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے رب کے اتنے محبوب بن گئے کہ اس ربِّ کریم نے انہیں اس فانی دنیا سے اٹھا کر ابدی جنتوں میں بلا لیا، اور وہ شہادت جیسی عظیم موت حاصل کر کے اپنے رب سے جا ملے۔ ایسی موت کی تمنا وہ کیوں نہ کرتے جس کی تمنا خود محبوبِ خدا محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

> ”اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میری تو آرزو ہے کہ میں اللہ کے راستے میں قتل کر دیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کر دیا جاؤں۔“ (بخاری)

یہ جنت کے مسافر اپنے خون سے پھوٹنے والی ایک ایسی روشنی چھوڑ گئے جو آنے والی نسلوں کے لیے ایمان کی راہیں منور کر رہی ہے۔

یقیناً والدین کی تربیت کا ہی اثر تھا کہ اخلاص، تقویٰ، آداب و اخلاق اور جہادی کاموں میں ہر بھائی ایک دوسرے سے بڑھ کر تھا۔ عبادات میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے۔ ہر بھائی ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔ ایک بھائی نے مجھے بتایا کہ میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا، عبادات میں ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر تھا۔ خصوصاً ان کی کوشش ہوتی کہ وہ جب بھی کوئی عمل کریں تو چھپ کر کریں اور انہیں کوئی نہ دیکھے، تاکہ ان کے دلوں میں ذرّہ برابر بھی ریا نہ آئے۔ اپنے بڑوں، ماں باپ، امرا کا ادب و احترام اور چھوٹوں سے پیار، محبت اور شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے۔

ان کے والدین نے تربیت کا حق ادا کیا، کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ماں نے اپنی گود میں ہی انہیں جہاد کی لوریاں سنائیں اور میرے استادِ محترم نے بتایا کہ ”میں نے اکثر دیکھا، یہ چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے، ان کے والد صاحب ان کو مجاہدین کے مراکز میں لے جاتے اور اکثر دونوں چھوٹے بیٹوں کو اپنے ساتھ گھماتے پھراتے تھے تاکہ بچپن سے ہی ان کے دلوں میں جہاد کی تڑپ اور اپنی امت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ جب میں ان کو عسکری تربیت کا دورہ کروا رہا تھا تو اس وقت ان کی عمریں اتنی چھوٹی تھیں کہ یہ پستول بھی نہیں اٹھا سکتے تھے“۔

سبحان اللہ! ایک طرف اپنی اولاد کی یہ تربیت ہے کہ بچپن ہی سے انہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں ڈھالا جا رہا ہے اور دوسری طرف دیکھیں تو آج کے معاشرے میں پیدا ہونے والے بچے ماں باپ کی گود سے ہی انگریزی زبان کے الفاظ اس طرح سیکھ رہے ہیں جس طرح ماضی میں ہمارے اسلاف کلمۂ طیبہ اور قرآن کریم کی آیات سیکھا کرتے تھے۔ جب آج کے مسلمان معاشروں میں بچوں کی تربیت ہی ایسی ہو تو کیا گلہ اور کیا شکوہ......!

طفل سے بُو آئے کیا ماں باپ کے اطوار کی
دودھ ڈبوں کا ہے اور تعلیم ہے سرکار کی

میرے ان پیارے بھائیوں کی والدہ نے بھی حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کی یادیں تازہ کر دیں۔ انہوں نے اپنا مبارک خون دے کر یہ ثابت کر دیا کہ ہمیں اپنے رب کی رضا اور اس کے مبارک دین کی سربلندی کی خاطر اپنے خون کا نذرانہ پیش کرنے کے سوا کوئی شے محبوب نہیں۔

ان بھائیوں کی والدہ نیک اور بہادر خاتون تھیں۔ اسلام کی سربلندی اور تاریکیوں میں پڑی اپنی امت کو راہِ حق کی طرف بلانے اور روشنی کی راہ دکھانے کی خاطر خود اپنے شوہر اور تمام بچوں سمیت ہجرت کر کے میدانِ جہاد میں نکل آئیں۔ انہوں نے اپنے بچوں کو ان کے بچپن سے ہی جہاد و ہجرت کے لیے ذہنی و عملی طور پر تیار کیا اور اپنی امت کی ماؤں کو یہ پیغام دے گئیں کہ امت کی کامیابی و سربلندی کے لیے آج بھی خواتینِ اسلام کو اپنی اولاد کی درست تربیت کر کے انہیں عَلَمِ اسلام بلند رکھنے، اسلام اور امتِ مسلمہ کے دفاع میں جہاد فی سبیل اللہ میں نکلنے اور اس راہ کی مشکلات، سختیاں اور آزمائشیں جھیلنے کے لیے تیار کرنا ہو گا اور پھر سے سیدہ خولہ و خنساء رضی اللہ عنہما کی سنت کو زندہ کرنا ہو گا۔

ان چار بھائیوں میں سب سے بڑے سیف الرحمان بھائی تھے۔ آپ رحمہ اللہ کو حصولِ علم سے بہت محبت تھی۔ وہ پاکستان میں درسِ نظامی کے ساتویں درجہ میں پڑھ رہے تھے۔ جب بھی کبھی مدرسے کی چھٹیاں ہوتیں تو آپ رحمہ اللہ فوراً میدانِ جہاد کا رُخ کرتے۔ چھٹیاں گزارنے کے بعد پھر مدرسے جا کر اپنی پڑھائی میں مشغول ہو جاتے۔ آپ رحمہ اللہ پاکستان میں حصولِ علم میں مصروف تھے کہ جہاد اور مجاہدین کی نصرت و معاونت کے جرم میں پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں نے آپ کی تلاش شروع کر دی اور آپ رحمہ اللہ کا پیچھا کیا تو آپ رحمہ اللہ مستقل میدانِ جہاد کی طرف ہجرت کر آئے جہاں امرانے آپ کو شعبۂ ادرایات میں ڈال دیا۔ سیف الرحمان بھائی خوش دلی کے ساتھ اپنے کاموں کو سرانجام دیتے رہے اور ساتھ ہی آپ رحمہ اللہ کے دل میں جو علم حاصل کرنے کی تڑپ تھی، اس کے لیے خود وقت نکالتے اور میدانِ جہاد میں موجود علمائے کرام سے علم حاصل کرتے تھے۔

شعبان ۱۴۴۰ھ کے آخر میں سیف الرحمان بھائی کی شادی ہو گئی۔ شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد امریکی جاسوس طیاروں کی اس علاقے میں پروازیں شروع ہو گئیں جہاں آپ مقیم تھے۔ طیاروں سے بچتے ہوئے، آپ مختلف مقامات تبدیل کرتے ہوئے رمضان کے آخری دنوں میں ایک ساتھی کے گھر پہنچے اور عید الفطر وہیں گزارنے کا ارادہ کیا۔ عید کے دن آپ رحمہ اللہ وہاں موجود ساتھیوں سے ملے اور دریائے ہلمند میں تیراکی و تفریح کا پروگرام بنایا۔ اگلے دن آپ رحمہ اللہ ساتھیوں کے ساتھ دریا میں نہانے گئے اور دو ساتھیوں سمیت دریا میں چھلانگ لگا دی جبکہ تین چار ساتھی دریا کے بہاؤ کی طرف آگے نکل گئے اور کنارے پر ان کا انتظار کرنے لگے۔ دریائے ہلمند اپنی گہرائی کے حوالے سے مشہور ہے اور اس دن دریا کا بہاؤ بھی تیز تھا۔ دریا میں کُودنے والے تینوں ساتھی تیراکی کرتے ہوئے کچھ ہی دیر میں تھک گئے، ہاتھ پاؤں مارنے کے قابل نہیں رہے۔ ان میں سے حامد بھائی پانی کے بہاؤ کے ساتھ کنارے پر آ گئے لیکن ولید بھائی اور سیف الرحمان بھائی ڈوبنے لگے۔ قریب ہی موجود کشتی کے پاس کھڑے لوگوں نے ان دونوں کو بچانے کے لیے دریا میں چھلانگ لگا دی اور ولید بھائی کو نکالنے میں کامیاب ہو گئے لیکن دریا کے انتہائی تیز بہاؤ کی وجہ سے سیف الرحمان بھائی کو نہ پکڑ سکے۔ کچھ ہی دیر میں علاقے کے بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور علاقے کے ماہر تیراک بھی پہنچ گئے۔ سب بڑے چھوٹے مل کر سیف الرحمان بھائی کو تلاش کرنے لگے لیکن ان کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ چار دن تک مسلسل کوشش کرنے کے بعد بالآخر پانچویں دن ان کا جسد دُور کے ایک علاقہ سے مل گیا۔ چار دن مسلسل پانی میں بہتے رہنے کے باوجود آپ کا جسد بالکل صحیح سلامت تھا اور پتھروں پر لگنے کی وجہ سے ان کے جسم سے تازہ خون رس رہا تھا۔

اسی علاقہ میں آپ رحمہ اللہ کی نمازِ جنازہ پڑھائی گئی اور وہیں پر ان کی تدفین کر دی گئی۔

تھی خبر ایسی کہ سن کر دلِ مضطر ڈوبا
اِک جواں سال، جنوں کیش ہنر وَر ڈوبا

سیف الرحمان سے چھوٹے بھائی حامد تھے۔ حامد بھائی کی شہادت کی خبر سن کر میرے دل پہ ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی قیمتی و نایاب چیز ہم سے بچھڑ گئی ہو۔ لیکن دوسری طرف اس بات کی خوشی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے میرے پیارے بھائی کو قبول کر لیا اور شہادت جیسی عظیم موت سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو جائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

حامد بھائی سے میری ملاقات افغانستان کے ایک علاقے میں ہوئی۔ ایک دن مرکز میں دو نئے ساتھی آئے جنہیں میں نہیں جانتا تھا اور نہ میں نے پہلے کبھی انہیں دیکھا تھا۔ تعارف ہوا تو پتہ چلا کہ ان میں سے ایک حامد بھائی ہیں۔ حامد بھائی خاموش طبیعت کے مالک اور اخلاص و تقویٰ کے پیکر تھے۔ مرکز میں آتے ہی حامد بھائی ساتھیوں کی خدمت میں آگے آگے رہنے لگے۔ روٹی پکانے کا وقت ہوتا تو وہ کہتے کہ روٹی میں پکاؤں گا، پانی بھرنے کا وقت آتا تو آگے آگے وہی ہوتے۔ غرض ہر کام میں وہ بازی لے جاتے تھے۔ حامد بھائی سب بھائیوں سے بہت محبت کرتے تھے اور اپنے سے عمر میں بڑے بھائیوں کا ادب و احترام اور چھوٹوں سے محبت و شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے۔

وہ اپنے آقا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر سنت پر دل و جان سے فدا تھے۔ خود بھی سنتوں پر عمل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔ ایک دن مجھے کہنے لگے کہ پیارے بھائی! کیا آپ کے پاس پگڑی نہیں ہے؟ میں نے جواب دیا کہ جی ہاں ہے، تو بہت محبت کے ساتھ کہنے لگے کہ دیکھیے پیارے بھائی! پگڑی باندھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور پگڑی کے ساتھ نماز پڑھنا پگڑی کے بغیر پڑھنے سے ستّر درجے افضل ہے، اس لیے پگڑی باندھا کریں۔ میں نے کہا کہ ان شاء اللہ آئندہ باندھوں گا۔

حامد بھائی غیبت سے بہت بچتے تھے۔ کبھی بھی کسی کی غیبت سننا گوارا نہیں کرتے تھے۔ اگر محفل میں کسی کی غیبت سنتے تو فوراً بہت پیار کے ساتھ بڑا ہو یا چھوٹا اسے سمجھاتے اور ساتھیوں کو بھی غیبت سے بچاتے۔

ایک دفعہ وہ برف پر بغیر جوتوں کے چل رہے تھے تو پوچھنے پر کہنے لگے کہ پیارے بھائی اعداد کی نیت سے چلتا ہوں جس پر اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید ہے۔ عمر چھوٹی تھی لیکن پھر بھی آپ

رحمہ اللہ کی تڑپ اور جہاد کا جذبہ ہی تھا جو آپ کو سردی گرمی، دن رات، آسانی و مشکل، ہر حال میں جہادی کاموں میں اپنے آپ کو پیش کرنے کا ذریعہ بنتا۔

میرے پیارے دوست حامد کو قرآن اور حصولِ علم سے بہت محبت تھی۔ جب بھی انہیں دیکھا وہ قرآن کی تلاوت میں مگن ہوتے، مطالعہ کر رہے ہوتے یا پھر اپنے مجاہد بھائیوں کی خدمت میں لگے ہوتے۔ وہ کبھی بھی اپنا قیمتی وقت ضائع نہ ہونے دیتے تھے۔ آپ رحمہ اللہ کو علم سے بے حد محبت تھی اور ہر آنے والے دن میں یہ محبت اور حصولِ علم کا شوق بڑھتا جاتا تھا۔ اور اپنی شہادت سے ایک ماہ قبل آپ نے مجھے خط لکھا جس میں انہوں نے اپنے لیے حصولِ علم اور علم پر عمل کی دعا کرنے کی درخواست کی۔ اور اسی خط میں مجھے نمازِ تہجد پڑھنے کی ترغیب دینے کی غرض سے بہت ہی پیارے انداز میں لکھا:

”پیارے بھائی! اب تو یقیناً آپ کی صبح جلدی اٹھنے کی عادت بن گئی ہو گی۔

میرے لیے بھی دعا کیا کریں، سُستی ہو جاتی ہے۔“

حالانکہ میں نے جتنا عرصہ ان کے ساتھ گزارا، میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی ایک دن بھی ان کی نمازِ تہجد قضا ہوئی ہو۔ بس یہ ان کی تواضع ہی تھی کہ مجھے ترغیب دلانے کی لیے اپنی سُستی کا تذکرہ کیا۔

حامد بھائی اپنے انصار سے بے حد محبت اور دلی لگاؤ رکھتے تھے۔ ایک دفعہ حامد بھائی کچھ ساتھیوں کے ساتھ دشمن کے حملے سے بچنے کی غرض سے اپنے مرکز سے منتشر ہو کر دو تین دن کے لیے ایک انصار کے گھر چلے گئے۔ وہاں کچھ ساتھیوں نے کپڑے تبدیل کیے۔ جب انصار میلے کپڑے لے جانے لگے تو حامد بھائی فوراً اٹھے اور انصار سے کہنے لگے کہ میرے کپڑے دے دیں، میں خود ہی دھولوں گا۔ لیکن انصار بضد رہے اور کپڑے دھلوانے کے لیے گھر لے گئے۔ انصار کے جانے کے بعد حامد بھائی کمرے میں آکر بیٹھ گئے اور کچھ دیر بعد ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے کہ ان کی وجہ سے انصار کو زحمت اٹھانا پڑی۔

ایک بھائی نے بتایا کہ ایک دن ہم پانچ چھ ساتھی مرکز میں بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے کہ اچانک ایک بھائی نے سوال کیا کہ ہمارے ساتھیوں میں کون سا ایسا بھائی ہے جسے زندہ شہید کہا جا سکے۔ تو فوراً دوسرے بھائی نے حامد بھائی کا نام لیا، کیونکہ حامد بھائی عبادات، نوافل خصوصاً تہجد کی پابندی، اکثر اوقات قرآن مجید کی تلاوت، اخلاق، عاجزی، بڑوں کا ادب، امرا کی اطاعت، مجاہدین بھائیوں سے محبت، چھوٹوں سے پیار، دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا، اخلاص کے ساتھ جہادی کاموں میں مگن رہنا، ساتھیوں کی خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا، اپنے بھائیوں کو تکلیف سے بچانے کی خاطر اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا، وغیرہ کا عملی نمونہ تھے۔ جس پر تمام ساتھیوں نے اس دوسرے بھائی کی بات کی حمایت کی۔

اس واقعہ کو ابھی کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس محبوب بندہ کو اپنے پاس بلا لیا اور قرآن مجید میں یہ اعلان ایسے ہی لوگوں سے متعلق ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ○(سورۃ آل عمران:۱۶۹)

”اور (اے پیغمبر) جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ہیں، انہیں ہر گز مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رب کے پاس رزق ملتا ہے۔“

یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ وہ تو اب بھی زندہ ہیں اور انہیں اپنے رب کے ہاں رزق بھی دیا جاتا ہے لیکن ہم سمجھتے نہیں۔

موسیٰ اور عیسیٰ، سیف الرحمان اور حامد کے چھوٹے بھائی تھے۔ یہ دونوں بھائی اپنے بڑے بھائیوں سے کچھ کم نہیں تھے۔ اخلاص، تقویٰ، ادب و احترام اور جذبۂ جہاد بچپن ہی سے ان کے کردار کا حصہ تھا۔ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عالی صفات سے اپنے آپ کو مزیّن کرنے میں مگن رہتے۔ وہ اپنے مجاہدین بھائیوں سے بہت محبت کرتے تھے اور ایک صفت جو ان بھائیوں کے اندر بار بار دیکھنے کو ملی، وہ تھی ساتھیوں کے لیے راحت اور آسانی کا باعث بننا، ساتھیوں کو اپنے اوپر ترجیح دینا جیسا کہ انصاری صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ(سورۃ الحشر:۹)

”اور ان کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، چاہے ان پر تنگ دستی کی حالت گزر رہی ہو۔“

ایک دن مرکز میں ساتھی زیادہ ہو گئے تو رات میں جب سب سونے لگے تو موسیٰ بھائی ساتھیوں کی زیادہ تعداد اور بستروں کی کمی کو دیکھ کر زمین پر بچھی دری پر ہی بغیر بستر کے لیٹ گئے۔ جب میں باہر صحن میں گیا تو دیکھا کہ موسیٰ بھائی بغیر بستر کے دری پر لیٹے ہوئے ہیں، میں فوراً اندر گیا اور ایک لحاف اور تکیہ لا کر ان کو آواز دی اور کہا کہ یہ چیزیں لے لیں۔ وہ اس وقت جاگ رہے تھے، کہنے لگے کہ یہ بستر آپ لے لیں مجھے نہیں چاہیے، میں آج ایسے ہی بغیر بستر کے سوؤں گا۔ میں نے کہا کہ میرے پاس بستر موجود ہے، یہ آپ کے لیے لایا ہوں۔ تو وہ کہنے لگے کہ اچھا کسی اور ساتھی کو دے دیں۔ میں نے کہا کہ موسیٰ بھائی سب ساتھیوں نے بستر لے لیے ہیں، یہ اضافی ہے۔ لیکن پھر بھی موسیٰ بھائی نے انکار کر دیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، یہ لے جائیں، میں آج ایسے ہی سونا چاہتا ہوں اور ویسے بھی ہمیں چاہیے کہ بغیر بستر کے سونے کی عادت بھی بنائیں کیونکہ اکثر جگہوں پر ایسا ہوتا ہے کہ ساتھی زیادہ ہونے کی وجہ سے بستر کم ہو جاتے ہیں، اس لیے جب پہلے سے ہی ہماری عادت ہو گی تو ان شاءاللہ بغیر بستر کے سونے میں بھی کوئی مشکل نہیں ہو گی۔

ان دونوں چھوٹے بھائیوں میں جہادی کارروائیوں میں جانے کی بہت تڑپ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم اپنے ہاتھوں اللہ کے دشمنوں کو مردار کریں۔ جب کبھی تشکیلات کا وقت آتا تو دونوں اپنے آپ کو پیش کرتے۔ عیسیٰ بھائی کی عمر چھوٹی تھی اور داڑھی نہ ہونے کی وجہ سے امرائے جہاد انہیں جنگی تشکیل پر نہیں بھیجتے تھے۔ جبکہ موسیٰ بھائی نے بہت سی تشکیلات میں وقت

گزارا۔ موسیٰ اور عیسیٰ، دونوں بھائی افغانستان کی بعض ولایتوں (صوبوں) میں مقامی مجاہدین کے ساتھ مل کر فدائیوں کے ٹینک، گاڑیاں اور بارودی جیکٹیں بھی تیار کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان پیارے بھائیوں سے راضی ہو جائے۔

ایک مرتبہ ایک علاقے میں سخت سردی تھی اور موسیٰ بھائی کے پاس پہننے کے لیے کوئی کوٹ وغیرہ نہیں تھا تو ان کی والدہ محترمہ نے موسیٰ بھائی سے کہا کہ میں تمہارے لیے کوٹ منگواتی ہوں، لیکن موسیٰ بھائی نے صاف انکار کر دیا کہ میں نہیں پہنوں گا۔ انہی دنوں موسیٰ بھائی کو غنیمت بھی ملی، جسے انہوں نے فوراً صدقہ کر دیا حالانکہ اس وقت انہیں کوٹ کی اشد ضرورت تھی لیکن انہوں نے کوٹ خریدنے کے بجائے غنیمت کے پیسوں کو صدقہ کر دیا۔

موسیٰ بھائی اور عیسیٰ بھائی، دونوں حافظِ قرآن تھے اور ان کے بڑے بھائی حامد بھی حافظ تھے۔ موسیٰ بھائی اکثر اوقات خصوصاً نمازِ ظہر کے بعد قرآن پاک کی تلاوت میں مگن رہتے تھے۔ جب بھی رمضان کا مبارک مہینہ آتا تو حامد، موسیٰ اور عیسیٰ، ہر کسی کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ تراویح وہ خود پڑھائے اور قرآن مجید ختم کرے جبکہ باقی دو اس کے پیچھے تراویح پڑھیں۔ لیکن تینوں ہی قرآن سنانے کی تڑپ کی وجہ سے اپنے اپنے مقتدی خود ہی ڈھونڈتے اور الگ الگ تراویح پڑھاتے تھے۔

موسیٰ بھائی جہادی کاموں میں بڑے ذوق و شوق سے لگے رہتے تھے۔ کسی بھی کام کو حقیر نہیں سمجھتے تھے نہ ہی کسی کام میں کوئی عار محسوس کرتے تھے۔ جو بھی کام ہو چاہے مرکز کی جھاڑو لگانا، مجاہد بھائیوں کی خدمت کرنا، کھانا پکانا، پانی بھرنا، برتن دھونا وغیرہ غرض ہر کام کو خوشی خوشی سر انجام دیتے تھے۔ ایک مرتبہ مرکز میں کچھ بھائی روسی 'پیکا' اور اس کی گولیاں، جو زمین کے اندر دبی ہوئی تھیں، نکال کر لے کر آئے۔ زمین میں دبانے سے پہلے پیکا اور گولیوں پر گریس لگائی گئی تھی جس کی ساتھیوں نے صفائی شروع کر دی۔ ساتھیوں نے کچھ ہی دیر میں پیکا کو مکمل صاف کر لیا لیکن گولیاں زیادہ ہونے کی وجہ سے ساتھیوں نے یہ کہہ کر چھوڑ دیں کہ انہیں فرصت سے صاف کریں گے۔ لیکن اگلے دن موسیٰ بھائی خود ہی آگے بڑھے اور یہ کہہ کر گولیوں کی صفائی کرنے بیٹھ گئے کہ یہ گولیاں جہاں بھی استعمال ہوں گی اور اس سے جتنے بھی دشمنانِ دین قتل ہوں گے اس کا ثواب مجھے بھی ملے گا اور میں بھی گولیاں چلانے والے مجاہدین کے اجر میں شریک ہو جاؤں گا۔ اور اس کے بعد تقریباً دو دن تک موسیٰ بھائی ان گولیوں کی صفائی میں مصروف رہے یہاں تک کہ انہیں پٹرول سے دھو کر عمدگی سے صاف کر لیا۔

عیسیٰ بھائی کا وہ ہنستا مسکراتا چہرہ آج بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ وہ میرا معصوم سا بھائی عیسیٰ جو مجھے ایک دن کہنے لگا کہ پیارے بھائی! آجاؤ دریا پہ چلتے ہیں، وہیں پہ وضو کر کے عصر کی نماز پڑھیں گے پھر واپس آجائیں گے۔ ان دنوں ہم جس مسجد میں رہ رہے تھے، وہاں سے دریا تک تقریباً دس منٹ کا راستہ تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ عیسیٰ بھائی آپ چلیں، میں آرہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد میں دریا پر پہنچا تو عیسیٰ بھائی نے وضو کر لیا تھا اور نماز کے لیے اپنی چادر بچھا رہے تھے۔ میں نے کہا عیسیٰ بھائی دو منٹ انتظار کریں، میں وضو کر لوں پھر جماعت سے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ عیسیٰ بھائی کہنے لگے کہ پہلے کیوں نہیں آئے، اب میں انتظار نہیں کرتا۔ میں وضو کرنے لگا کہ اتنے میں اچانک پیچھے سے عیسیٰ بھائی آئے اور ایک ہاتھ میرے سر پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے میرے اوپر پانی ڈالنے لگ گئے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آئی کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے، یہاں تک کہ میری قمیض آگے سے گیلی ہو گئی۔ میں نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو عیسیٰ بھائی ہنستے ہوئے اپنی چادر پر جا کر کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ جلدی کرو۔ میں نے وضو کیا اور جا کر عیسیٰ بھائی کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ وہ ہنستے ہوئے مجھے پکڑ کر کہنے لگے کہ پیارے بھائی ناراض تو نہیں ہو؟ میں نے کہا نہیں، بالکل نہیں۔ یہ تو مذاق ہے اور مذاق میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔ اس کے بعد ہم نے نماز پڑھی اور اپنی مسجد کی طرف روانہ ہو گئے۔

کچھ دن بعد میں اور عیسیٰ بھائی مسجد میں بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے کہ اچانک عیسیٰ بھائی یہ کہتے ہوئے اٹھے کہ آج میں آپ کو ایک چیز دیتا ہوں۔ پھر انہوں نے اپنی کلاشنکوف کے ایک میگزین سے کچھ گولیاں نکال کر میرے ہاتھ میں تھما دیں اور کہنے لگے کہ میری طرف سے ہدیہ قبول کریں، یہ میری ذاتی گولیاں ہیں۔

ان بھائیوں کی والدہ کو اپنی بڑے بیٹے سیف الرحمان کی شہادت اور جدائی نے پریشان کر دیا تھا اور ان کا شوقِ شہادت مزید بڑھا دیا تھا۔ وہ آخری دنوں میں ہر وقت یہی دعا کرتی تھی کہ "یااللہ مجھے اپنے بچوں کے ساتھ قبول کر لے"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس پیاری بندی کی دعا جلد ہی قبول کر لی۔ ابھی سیف الرحمان کی شہادت کو چار ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ ۲۳ ستمبر ۲۰۱۹ء کو افغانستان کے صوبہ ہلمند کے علاقہ موسیٰ قلعہ میں امریکی و افغان فوج کے ایک چھاپہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس پیاری بندی کو تینوں بیٹوں کے ساتھ قبول کر لیا اور شہادت جیسی عظیم موت سے نوازا۔

عشق کا وعدہ ہم نے پورا اے ربِّ غفّار کیا
قرآں کو آنکھوں میں بسایا، احمدؐ کو سالار کیا

پیش کیے ہر ایک نے دعوے ہم نے مگر کردار کیا
تیرے وجہِ کریم کی خاطر کفر پہ کاری وار کیا

اک تھا خزینۂ جاں سو اُس کو تیری راہ میں باج کیا
ہم نے اس امت کے کل پر قرباں اپنا آج کیا

سلطانیٔ جمہور

علی بن منصور

دور سے ہی بہت سے قدموں کی چاپ اور ہنسی اور قہقہوں کی آوازیں ان سب کی آمد کا پتہ دے رہی تھیں۔ فائزہ بیگم نے سنڈے میگزین تہہ کر کے اپنے ساتھ صوفے پر رکھا اور استفہامیہ نظروں سے بینش کی جانب دیکھا۔ وہ اسی انہماک سے ٹی وی پر آتا مارننگ شو دیکھنے میں مصروف تھی۔ اس سے پہلے کہ فائزہ بیگم باہر سے آتے شور ہنگامے کے متعلق کوئی سوال کرتیں، وہ سب اکٹھے ہی آگے پیچھے اندر داخل ہوئے۔ سب سے آگے زوار تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا تھیلا تھا۔ پیچھے پیچھے زین، اویس، صہیب، حسن، حسین، بتول اور شہیر کی پوری پلٹن تھی، اور ان میں سے ہر ایک حسبِ استطاعت شور مچا رہا تھا۔ ان سب کی چیخ پکار میں کچھ بھی سمجھ نہ آ رہا تھا مگر محسوس ہوتا تھا کہ سب کے جوش و خروش اور شور و غل کی وجہ اس لفافے میں قید تھی جو زوار کے ہاتھ میں تھا۔

'سنو لوگو! سنو!'، زوار نے نقار خانے میں آواز لگائی، مگر بے سود۔ زین نے بے قراری سے زوار کے ہاتھ میں موجود لفافے پر جھپٹا مارا، مگر زوار اس حملے کے لیے تیار تھا، اس نے بروقت اپنا ہاتھ پیچھے کر کے تھیلا بچا لیا۔ تھیلا زین سے تو بچا لیا، مگر خود اس کی اپنی گرفت بھی اس پر کمزور ہو گئی تھی، جھٹکے سے پیچھے جو کیا تو تھیلا اس کے ہاتھ سے اڑتا ہوا نکل گیا، جسے اویس نے ایک بہترین فیلڈر کی کمال صفائی سے ہوا ہی میں کیچ کر لیا۔ اب وہ کسی فاتح کی طرح باچھیں پھیلائے، اوپر نیچے اچھلتا ہوا تھیلا ہوا میں لہرا رہا تھا۔

'بھئی بچو! یہ کیا کر رہے ہو تم لوگ؟!'، ان کے ہنگامے سے گھبرا کر فائزہ بیگم بول اٹھی تھیں۔ زوار نے غصّے سے اویس کو گھورا اور آگے بڑھ کر اس کے شانے پر ایک دھپا رسید کیا۔ پھر اس کے ہاتھ سے تھیلا لے کر وہ جوتے اتار کر قریبی صوفے پر چڑھ کر کھڑا ہو گیا۔

'خواتین و حضرات، ایک لمحے کے لیے آپ کی توجہ چاہتا ہوں'، وہ کسی پروفیشنل اینکر کی طرح بولا۔ مگر حاضرین میں سے کسی کو اس کی بات سے اتنی دلچسپی نہیں تھی جتنی اس کے ہاتھ میں موجود لفافے سے تھی۔ حسن، حسین کی تو نظریں مستقل اسی کا طواف کر رہی تھیں اور وہ سوچ رہے تھے کہ کس طرح بڑے بھائیوں سے پہلے لفافے تک پہنچ جائیں، جبکہ شہیر نے شاید اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا کہ اس کا لفافے تک پہنچنا ناممکن ہی ہے، سو وہ اب صوفے پر زوار کی ٹانگوں سے لپٹا فریاد کر رہا تھا: 'زوار بھائی دکھا دیں ناں'۔

'ابے تُو تو چپ کر دم چھلے!'، زوار نے جھلا کر شہیر سے اپنا پیر چھڑوایا اور بینش چچی کی گرم گرم نگاہوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک بار پھر بات کرنے کی کوشش کی۔ 'بھئی ایک منٹ کے لیے آپ سب ذرا خاموشی سے میری بات سن لیں، میں آپ سب کے لیے ایک بہت بڑا سرپرائز لایا ہوں'۔ اس اعلان کے بعد لاؤنج میں رفتہ رفتہ خاموشی ہو گئی تھی۔ زوار نے حاضرین پر نظر ڈالتے ہوئے اپنی بات کا آغاز کیا۔ جویریہ، ہادیہ اور نور بھی اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑی یہ سارا تماشہ ملاحظہ کر رہی تھیں۔

'یہ......'زوار نے ہاتھ میں پکڑا لفافہ ان سب کے سامنے لہرایا، 'یہ سیمسنگ گیلیکسی ایس سکس ہے۔ اس میں تین جی بی ریم ہے، چونسٹھ جی بی روم ہے اور تمام لیٹسٹ اینڈرائیڈ ایپس اس میں موجود ہیں۔ وائی فائی، بلیوٹوتھ، نیئر بائی، این ایف سی اور اس سب کے ساتھ ساتھ اس میں ایک عدد اپکیٹیویٹڈ سم اور ایک ہزار روپے کا بیلنس بھی موجود ہے......اور یہ بننے والا ہے آپ میں سے کسی کا مقدر!'، اس نے ڈرامائی انداز میں توقف کرتے ہوئے ان سب کی طرف دیکھا۔ 'مگر سوال یہ ہے کہ کس کا؟ تو اس سوال کا جواب آپ کو ٹھیک ایک ہفتے بعد ملے گا کہ اس انعام کا حقدار کون ہے۔ ایک ہفتے بعد یعنی الیکشن کے روز اس بات کا فیصلہ ہو گا کہ کون اپنے لیڈر کو جتوا کر اس انعام کا حقدار بنتا ہے۔ یہ موبائل آپ کا دوست ہو گا، سٹڈیز میں آپ کا معاون ہو گا، دوست و احباب اور رشتہ داروں سے تیز ترین رابطے کا ذریعہ ہو گا، انٹرنیٹ تک رسائی کا ذریعہ ہو گا، یہ جدید دنیا کے شانہ بشانہ چلنے میں آپ کا مددگار ہو گا، اور اس کی قیمت کیا ہے؟ آپ کا ووٹ۔ سو اپنا ووٹ دیجیے گا ترقی کو، تبدیلی کو، جدّت اور آسائش کو!'۔

اپنی بات مکمل کرتے ہی اس نے صوفے سے اتر کر پہلے سے تیار شدہ طوطوں کے خالی پنجرے میں موبائل کا تھیلا رکھا، اور پھر جیب سے ایک چھوٹا سا تالا نکال کر دروازے کو مقفل کر دیا۔ اس پر کمرے میں موجود تقریباً تمام ہی لڑکوں کی جانب سے احتجاج کی ایک شدید لہر اٹھی، کہ وہ موبائل کے دیدار سے بھی محروم کیے جا رہے تھے۔ مگر زوار سب کو نظر انداز کرتے ہوئے پنجرہ اب دیوار گیر لکڑی کے شیلف کے سب سے اونچے خانے میں رکھ رہا تھا۔ بالکل ایسا ہی ایک سیٹ وہ صولت بیگم کے لاؤنج میں بھی رکھ آیا تھا، اور وہاں بھی یہ تمام تماشہ لگا چکا تھا۔ یہاں پورا ڈرامہ دہرانے کا مقصد جو لوگ وہاں موجود نہیں تھے ان تک بات پہنچانا تھا۔ اب سب کی غصیلی نظروں اور احتجاج کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے مسکرا کر ہاتھ جھاڑے اور بولا، 'یاد رکھیں، آپ کا ووٹ، آپ کے مستقبل کی سرمایہ کاری ہے۔ اور آپ کا مستقبل آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے'۔

یہ کہہ کر وہ لاؤنج سے نکل گیا۔ ولید کے باہر جا کر کورس کرنے پر جو خرچہ آیا تھا، اس کے بدلے میں ابو بکر صاحب نے جو ایک لاکھ روپیہ باقی بچوں کے لیے دیا تھا، وہ تقریباً سارا ہی ٹھکانے لگ چکا تھا اور اس پیکج کے لیے باقی کے پچیس تیس ہزار روپے دیگر کھاتوں سے لگا دیے گئے تھے۔

اگست کے آخری ہفتے میں ابھی ابو بکر صاحب نے اگلے الیکشن کے لیے انتخابی مہم کا آغاز کیا ہی تھا کہ دو، تین واقعات اکٹھے پیش آئے۔ پہلا، اور ابو بکر صاحب کے نزدیک سنگین ترین، نبیلہ کا رویہ تھا۔ گھر میں کئی دنوں سے خواتین کے درمیان ایک تناؤ تو وہ محسوس کر رہے تھے، صولت بیگم سے پوچھا تو انہوں نے بیزاری سے 'لڑکیوں کے دماغ کی خرابی' کہہ کر سر جھٹک دیا تھا، مگر معاملے کی سنجیدگی کا احساس انہیں تب ہوا جب ایک شام نبیلہ، جویریہ اور فاطمہ اکٹھے ان کے پاس آئیں۔ وہ اس وقت موبائل میں کوئی نمبر تلاش کرنے میں مصروف تھے۔ ہلکے سُروں میں سلام کر کے وہ تینوں ان کے آس پاس بیٹھ گئیں۔ ان کے انداز سے سنجیدگی اور اضطراب جھلک رہا تھا۔ نبیلہ ان کے سامنے رکھے صوفے کے بالکل کنارے پر بیٹھی تھی۔ وہ سر پر ہلکا سا شیفون کا دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھی، کبھی اپنی ناک پر نیچے کو پھسلتے موٹے فریم والے سٹائلش چشمے کو پیچھے دھکیلتی اور کبھی اپنی نازک سی گھڑی گھمانے لگتی، اس کے ہر ہر انداز سے بے چینی مترشح تھی۔

'ابّو آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے'، اس کے کہنے پر وہ اپنی مصروفیت ترک کر کے پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ مگر اس کی فرمائش سن کر وہ حیران و پریشان رہ گئے تھے۔ وہ تینوں ڈرائیونگ سیکھنا چاہتی تھیں۔ انہیں اس شوق اور مطالبے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ مگر جب انہوں نے پوچھا کہ وہ کس سے ڈرائیونگ سیکھیں گی، کہ گھر کے مردوں میں سے تو کسی کے لیے بھی پابندی سے وقت نکالنا ذرا مشکل ہی تھا، تو اس پر نبیلہ نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا کہ 'گھر میں ملازمین بھی موجود ہیں اور باہر سے کسی ڈرائیونگ سکول سے بھی سیکھا جا سکتا ہے'۔ اس جواب پر وہ حیران رہ گئے تھے۔ انہیں اس کی سوچ اور ارادے پر تو جو حیرت تھی سو تھی، مگر جس جرأت اور اٹل انداز میں اس نے اپنی بات کی تھی، وہ انہیں شدید حیرت اور صدمے میں مبتلا کر رہا تھا۔

'کیا تم لوگ کسی نامحرم مرد کے ساتھ بیٹھ کر گاڑی چلانا سیکھو گی؟'، انہیں اپنا لہجہ ہموار اور دھیما رکھنے میں کچھ محنت کرنا پڑی۔

'ابّو میں یہ نہیں کہہ رہی کہ ہم لازماً کسی مرد سے ہی ڈرائیونگ سیکھنا چاہتی ہیں، گو کہ یہ ایک فیکٹ ہے کہ مرد بالعموم عورتوں کی نسبت ڈرائیونگ کے زیادہ ماہر ہوتے ہیں اور سکھاتے بھی اچھا ہیں۔ لیکن چونکہ آپ یا چچاؤں میں سے کوئی بھی ہمیں وقت نہیں دے سکتا، اس لیے مجبوراً کہہ رہی ہوں۔ اور پھر یہ تو تعلیم کا معاملہ ہے، اس میں محرم یا نامحرم کا کیا مسئلہ ہے۔ آخر ہم سب جن کالج اور یونیورسٹیوں میں پڑھتی ہیں وہاں بھی تو مرد پروفیسرز پڑھاتے ہیں'، نبیلہ کا انداز جذبات سے بالکل عاری تھا۔

'گھر میں زوار، زین اور اویس تینوں موجود ہیں۔ اگر ولید ہوتا تو میں ولید سے کہتا، مگر یہ تینوں بھی بخوبی ڈرائیونگ کرنا جانتے ہیں، تم ان سے بات کر لو، ان میں سے جو بھی تیار ہوتا ہے اس سے ڈرائیونگ سیکھ لو'، اس کی بات پر انہوں نے کیسے اپنے اوپر ضبط کیا تھا، یہ وہی جانتے تھے، مگر اس وقت وہ کسی بحث میں پڑنا نہیں چاہتے تھے لہٰذا خشک لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے اپنی طرف سے بات ختم کی تھی۔ مگر ان کا مشورہ سن کر نبیلہ تو جیسے تڑپ اٹھی تھی۔

'ابّو اس سے تو بہتر ہے کہ آپ صاف الفاظ میں ہمیں منع کر دیں۔ ان تینوں کی روز روز منّتیں کرنے سے تو ہزار درجہ بہتر ہے کہ ہم اپنے اس شوق کا بھی گلا گھونٹ کر اسے زندہ دفن کر دیں'، اس نے تنفّر سے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

'تمہیں کوئی منت سماجت کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، تم جس سے سیکھنا چاہتی ہو اس کو بلاؤ، میں خود اسے پابند کروں گا کہ تم سب کو ڈرائیونگ سکھائے'۔

'ابّو آپ کس کس چیز کا پابند بنائیں گے۔ زوار تو اپنے آپ کو اس دنیا کی مخلوق ہی نہیں سمجھتا اور وہ باقی دونوں بھی کسی سے کم نہیں۔ وہ سکھائیں گے کم اور تنگ زیادہ کریں گے۔ اوپر سے اتنا سکھائیں گے نہیں جتنا احسان جتلاتے رہیں گے۔ اور پھر اصل بات تو یہ ہے کہ ہم کیوں ان کے احسان مند ہوں۔ اصولاً تو ہونا یہ چاہیے تھا کہ ان سب سے پہلے مجھے ڈرائیونگ سکھائی جاتی کیونکہ میں ان سے بڑی ہوں۔ مگر ظاہر ہے وہ لڑکے جو ہوئے، سو ان کے معاملے میں کسی اصول، قاعدے یا کسی کے حق اور رائٹ کی کیا حیثیت ہے......'، وہ غصّہ کرنا نہیں چاہتے تھے مگر نبیلہ کی یہ بات انہیں صحیح سے تپا گئی تھی۔

'تم کیا کہنا چاہتی ہو کہ وہ لڑکے ہیں اس لیے ان کے ساتھ ترجیحی سلوک ہوتا ہے اور تم سب پر یہاں ظلم و ستم ڈھایا جاتا ہے؟'، نہ چاہتے ہوئے بھی ان کا غصّہ لہجے سے جھلکنا شروع ہو گیا تھا۔

'ابّو اس ٹاپک کو تو نہ ہی چھیڑیں تو اچھا ہے، ورنہ ہم موضوع سے بہت دور نکل جائیں گے'، اس نے ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ استہزائیہ انداز میں جواب دیا۔

'بہت ہو گیا نبیلہ! اب میں تمہاری زبان سے ایک لفظ بھی مزید نہیں سننا چاہتا۔ اگر بھائیوں میں سے کسی سے ڈرائیونگ سیکھنی ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ میرے پاس تمہارے مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے'، آخر ان کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ انہوں نے درشت لہجے اور حتمی انداز میں کہا اور میز سے اپنا موبائل اٹھا کر آن کر لیا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ اس موضوع کو بند کر چکے ہیں اور مزید کچھ نہیں سنیں گے۔ کمرے میں ایک جامد خاموشی چھا گئی تھی۔

'ابّو آپ خود ہی تو کہتے تھے کہ آزاد و خود مختار عدلیہ، شفاف الیکشن اور آزادیٔ اظہارِ رائے جمہوریت کے بنیادی ستون ہیں ......پھر اب......یہ کیسا دستورِ زباں بندی ہے تیری محفل میں؟!'، چند لمحے بعد نبیلہ نے بے حد آہستگی سے کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے اور لہجہ بھی بھرایا ہوا تھا، انہوں نے بے اختیار موبائل ہٹا کر اس کی جانب دیکھا مگر وہ ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر سسکیاں دباتی، تیزی سے اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب چلی گئی۔ وہ جہاں کے تہاں بیٹھے رہ گئے تھے۔ نبیلہ کے پیچھے پیچھے فاطمہ اور جویریہ بھی اٹھ گئیں۔ غم و غصّے اور افسوس کی تحریر ان کے چہروں پر صاف پڑھی جا سکتی تھی۔

اگلے دن سے نبیلہ، فاطمہ، جویریہ اور ہادیہ نے اپنی کلائیوں میں کالا اور گلابی ربن باندھنا شروع کر دیا تھا۔ یہ ربن بعض اوقات بینش اور فائزہ بیگم کی کلائیوں میں بھی نظر آ جاتا، گو کہ وہاں

حسبِ موقع وضرورت، اتر تا چڑھتا ہی رہتا تھا۔ مگر صولت بیگم کی زبانی انہیں معلوم ہوا تھا کہ یہ یکجہتی برائے حقوقِ نسواں کی علامت ہے اور یہ کہ تمام رِبن پوشوں نے احتجاجاً پیش آمدہ انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا ہے تاوقتیکہ ان کے مطالبات سنے اور تسلیم کیے جائیں۔ الیکشن میں ابھی پانچ دن باقی تھے۔ نبیلہ، فاطمہ، جویریہ، ہادیہ اور ممکنہ طور پہ بینش، فائزہ بیگم اور نور کے ووٹ...... کل ملا کے کچھ اتنے کم بھی نہ تھے کہ ان کے بائیکاٹ سے کچھ فرق ہی نہ پڑتا۔ مگر ابو بکر صاحب کو صرف انتخابات کی فکر نہیں تھی۔ انہیں تو اپنی بیٹی کی فکر تھی جو ان کی نظر میں حد درجہ بیوقوف اور جذباتی ضرور تھی، مگر تھی تو ان کی بیٹی ہی۔ جس دن سے ان کے درمیان بحث ہوئی تھی، اس دن سے نبیلہ ان کو حتی الامکان نظر انداز کر رہی تھی۔ کھانوں کے اوقات پر وہ سب کے درمیان موجود نہ ہوتی، رات کو جو کبھی کبھار سب گھر والے لاؤنج میں، یا اباجی کے کمرے میں جمع ہوتے، وہ وہاں بھی نظر نہ آتی۔ بلکہ نبیلہ ہی کیا، وہ محسوس کر رہے تھے کہ ساری ہی بچیاں ان کے آنے پر خاموشی سے ادھر ادھر ہو جاتیں۔ بات کرنا تو درکنار، وہ سلام کا جواب بھی منہ ہی منہ میں بدبدا کے، فوراً منظر سے ہٹ جاتیں۔

دو بار تو انہوں نے حسن کے ذریعے نبیلہ کو پیغام بھجوایا۔ وہ اسے راضی کرنا چاہتے تھے۔ اسے سمجھانا چاہتے تھے کہ وہ اس کے شوق اور خواہش کی راہ میں رکاوٹ نہیں ڈال رہے، بس اس شوق کو جائز اور اچھے طریقے سے پورا کرنے کا راستہ دکھا رہے ہیں۔ انہوں نے کیا آج تک اس کی کوئی خواہش پوری نہ کی تھی؟ کیا وہ انہیں باقیوں کی نسبت کم عزیز تھی یا اس کے لڑکی ہونے سے انہیں کوئی پرخاش تھی جو وہ اس کی بے جا مخالفت کرتے یا اسے خود سے متنفر کرتے۔ ان کے لیے تو وہ بیٹی تھی، آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور۔ مگر نبیلہ کی خفگی ختم ہونے میں نہ آ رہی تھی۔ دونوں دفعہ حسن منہ لٹکائے یہی پیغام لایا کہ بجّو کہہ رہی ہیں کہ نبیلہ آپی سو رہی ہیں۔

ابھی وہ اس مسئلے سے نمٹنے نہ پائے تھے کہ عثمان صاحب پر دمہ کا حملہ ہو گیا۔ رات میں کسی وقت جو کھانسی کا دورہ پڑنا شروع ہوا تو صبح تک ان کی حالت غیر ہو گئی۔ سوجی ہوئی سرخ آنکھیں، سینے میں اتنی شدید تکلیف کہ بات کرنا بھی دشوار۔ حملہ اس قدر شدید تھا کہ اس کے ساتھ سائنس کی تکلیف بھی شروع ہو گئی تھی۔ ناک بند، چہرے اور آنکھوں کے پیچھے درد، بلکہ درد تو پورے ہی سر میں ہو رہا تھا۔ سر کی دائیں جانب سے اٹھا تھا اور آہستہ آہستہ پھیلتا چلا گیا تھا۔ عام طور پر عثمان صاحب بہت احتیاط کیا کرتے تھے کہ فضا میں موجود کوئی الرجن ان کی دمہ کی تکلیف کا باعث نہ بن جائے۔ عموماً سردیوں میں ہی زیادہ احتیاط کرنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ اور وہ سردیوں کی ابتدا میں ہی ٹوپی، مفلر وغیرہ اوڑھ لیتے اور ہر ممکن احتیاط کرتے تھے۔ ابھی تو موسم بھی گرم تھا اور ایسی کوئی خاص وجہ بھی سمجھ نہ آ رہی تھی جو اس اچانک، اور اپنی تاریخ کے بدترین اٹیک کا باعث بنی ہو۔ سوائے اس کے کہ نذیر کی اطلاع تھی کہ پچھلی جانب والے پڑوسیوں نے اپنے گھر پر تازہ پینٹ کرایا ہے، تو امکان تھا کہ اس کی بدبو کے اثرات ہوں۔ مگر رات تو بمشکل تمام گزری سو گزری، دن میں بھی کافی دیر انہیلر اور مسکن دواؤں کے استعمال، آرام اور از حد احتیاط کے باوجود جب ان کی طبیعت سنبھلنے کے بجائے بگڑتی چلی گئی تو ابو بکر صاحب نے انہیں ہسپتال چلنے کا مشورہ دیا۔

ہسپتال جانے پر عثمان صاحب راضی نہیں تھے۔ اس امید پر کہ معمول کا اٹیک ہے اور وقت کے ساتھ بہتر ہو جائے گا، وہ اپنی تکلیف برداشت کر رہے تھے، کہ وہ حتی الامکان ہسپتال جانے سے بچنا چاہتے تھے۔ مگر اگلی رات تک ان کی طبیعت اتنی بگڑ گئی کہ صبح ہوتے ہی فائزہ بیگم نے ابو بکر صاحب کو پیغام بھجوا کر بلوا لیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی عثمان صاحب کو ہسپتال میں داخل ہونا پڑ گیا۔ ڈاکٹروں کے بقول کسی الرجن کے ردعمل کے طور پر ہی اتنا سخت اٹیک ہوا تھا، اور پچھلے دو دنوں سے وہ ہسپتال میں ہی تھے۔

تمام حالات کے پیشِ نظر ابو بکر صاحب نے اباجی کے کمرے میں پارلیمان کا ایک ہنگامی اجلاس مشورے کے لیے بلایا۔ ان کی رائے یہ بن رہی تھی کہ اگلے روز کے الیکشن کو ہفتہ بھر ملتوی کر دیا جائے، یہاں تک کہ عثمان صاحب صحت یاب ہو کر گھر واپس آ جائیں اور گھر کی بچیوں کا مسئلہ بھی حل کیا جا سکے۔ مگر ان کی اس رائے کی عمیر نے شدید مخالفت کی۔ یہ کہتے ہوئے کہ یہ بیماریاں اور مسائل تو زندگی کا حصّہ ہیں اور ان کی وجہ سے بھی کبھی کاروبارِ زندگی معطل کیا گیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک بار الیکشن ملتوی کر کے ایسی خراب روایت کی بنا ڈال دی جائے جو آگے جا کر مزید مسائل اور خرابیاں پیدا کرے۔

کافی طویل بحث مباحثہ کے بعد بھی جب کسی صورت وہ دونوں کوئی درمیانی راہ نہ نکال پائے تو اویس نے معاملہ ووٹنگ کے ذریعہ حل کرنے کا مشورہ دیا۔ نبیلہ نے اپنا احتجاج برقرار رکھتے ہوئے اس جلسہ میں بھی شرکت نہ کی تھی۔ اباجی، ابو بکر صاحب اور جاوید صاحب الیکشن ملتوی کرنے کے حق میں تھے، جبکہ عمیر، زوار، اویس اور نذیر کا ووٹ اس کے مخالف تھا۔ نتیجہ صاف ظاہر تھا، تمام تر حالات کے باوجود الیکشن اپنے وقت پر ہی ہونا طے پائے تھے۔ ابو بکر صاحب اس نشست سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آئے تو صولت بیگم انہیں دیکھ کر گھبرا گئیں۔ ان کا چہرہ شدتِ ضبط سے سرخ ہو رہا تھا اور ماتھے کی رگیں پھولی ہوئی تھیں۔ کمرے میں رکھے سنگل صوفے پر بیٹھ کر انہوں نے صولت بیگم سے اپنی بلڈ پریشر کی گولی لانے کو کہا۔ صولت بیگم تو چند منٹ میں ہی ان کے لیے دوا اور ٹھنڈا میٹھا شربت کا گلاس بنا لائی تھیں، لیکن گولی کھانے کے باوجود ابو بکر صاحب کو اپنا دل و دماغ اعتدال پر لانے میں کافی وقت لگ گیا۔

اس بار کے الیکشن میں حصّہ لینے والے بہت ہی تھوڑے تھے۔ کل پندرہ ووٹ ڈالے گئے۔ جن میں سے صرف چار ابو بکر صاحب کے حق میں تھے۔ عمیر نے واضح اکثریت سے یہ میدان جیت لیا تھا۔ مگر حیرت انگیز طور پر اس بار ابو بکر صاحب کو نہ حیرت ہوئی تھی نہ صدمہ۔ شاید وہ اسی نتیجے کی توقع کر رہے تھے۔ بلکہ انہوں نے کسی قدر فراغت اور خلاصی کے احساس کے

ساتھ زمامِ حکومت اس کے سپرد کی تھی۔ اچھا ہے وہی دیکھے اور وہی نمٹائے سب کے جھگڑے اور شکوے شکایتیں۔

مگر عمیر ان تمام پریشانیوں اور مسائل سے چنداں متاثر نہ تھا۔ چار ماہ کی بریک کے بعد وہ گھر کا انتظام سنبھالنے کے لیے بالکل تازہ دم تھا۔ اس بار اس کے پاس بہت سے نئے ارادے اور عزائم تھے، بہت سی اصلاحات تھیں جن کے بارے میں اسے یقین تھا کہ جو گھر کی معاشی و معاشرتی صورتحال بہتر بنانے میں مدو معاون ثابت ہوں گی۔ ان میں اولین چیز یہ تھی کہ اس کا خیال تھا کہ چونکہ ہاشمی ہاؤس اپنی نوعیت کا واحد اور منفرد گھرانہ ہے جہاں گھر کی سطح پر بھی جمہوریت نافذ ہے، اس لیے انہیں اس بہترین طریقۂ انتظامِ خانہ کو معاشرے میں بھی متعارف کرانا چاہیے۔ اور یہ تو ان کی انتظامی ضرورت تھی کہ سربراہِ خانہ کے لیے ایک مہر تیار کروالی جائے جو ہر منتخب سربراہ کے تصرف میں ہو، تاکہ قانونی دستاویزات پر سربراہِ خانہ وہ مہر ثبت کرکے اسے وہی حیثیت دے سکے جو فی الحال مختلف امور میں ابو بکر صاحب، عثمان صاحب اور جاوید صاحب کے دستخط کی تھی۔

تقریباً مہینہ بھر بعد نسرین آپا کی واپسی ہوئی تھی۔ عبد اللہ نے گاڑی سے اترتے ہی 'امالا گھل آ گیا!' (ہمارا گھر آ گیا!) کا نعرہ لگایا، اور خوشی سے گلنار، بھاگتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ اندر صولت بیگم، جالی والے دروازے سے جھانکتی، منتظر کھڑی تھیں، وہ آتے ہی ان کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ 'اباللہ نے نانی اماں کو کھوب یاد کلا تھا' (عبد اللہ نے نانی اماں کو خوب یاد کیا تھا)۔ صولت بیگم خود عبد اللہ اور نسرین سے کتنی اداس تھیں، ان دونوں کو دیکھ کر انہیں بخوبی احساس ہو رہا تھا۔ حالانکہ وہ کہیں دور تو نہ گئے تھے، یہیں اسی شہر میں تھے، روز فون پر بات بھی ہو جاتی تھی، پھر بھی نجانے کیوں نسرین کو گلے لگاتے ہوئے ان کی آنکھیں بار بار نم ہوئے جا رہی تھیں۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے کوئی پرانا، گمشدہ دوست بہت عرصے بعد ملا ہو۔

نسرین کا سامان اس کے کمرے میں سیٹ کروا کے وہ کچن میں دوپہر کے کھانے کے انتظامات کا جائزہ لینے چلی گئی تھیں۔ جبکہ نسرین سیدھا اباجی کے کمرے میں، اب وہاں سے اس کی آمد کچھ دیر میں ہی ہونی تھی۔ جاتے جاتے انہوں نے نبیلہ اور فاطمہ کے مشترکہ کمرے میں جھانک کر انہیں بھی نسرین آپا کی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ دن کے بارہ بج رہے تھے، مگر وہ دونوں ابھی تک بستر میں گھسی ہوئی تھیں۔

'بیٹا نسرین آ گئی ہے، تم دونوں بھی اٹھ کر مل لو'۔

کھانا ابھی تیاری کے مراحل میں تھا۔ یوں بھی ظہر کے بعد ہی کھایا جاتا تھا۔ البتہ نسرین کی آمد کی خوشی میں انہوں نے صبح ہی فروٹ ٹرائفل بنا کر فریج میں رکھ دیا تھا۔ ساتھ میں بینش اور فائزہ بیگم کے چکر لگانے کی امید بھی تھی۔ سو ابھی فوری طور پر کچھ کھانے کے لیے انہوں نے ٹرائفل ہی ایک بڑے پیالے میں نکالا، دو چمچ رکھے اور چولہے پر چائے چڑھا دی۔ اتنے میں حسن اپنی گھڑی کی گمشدگی کا رونا روتا آ گیا۔

'امّی ہر جگہ دیکھ لیا ہے مگر کہیں نہیں مل رہی'،

'بیٹا تم اپنی دراز میں ہی اچھی طرح دیکھو، اگر تم نے وہاں رکھی تھی تو وہیں ہو گی'۔

'افوہ امّی! دیکھ تو لیا ہے، نہیں ہے وہاں۔ پتہ نہیں کون اٹھا کر لے گیا ہے'، وہ بے صبری سے بولا۔

'اچھا جاؤ بیٹا، بجّو سے کہو، وہ ڈھونڈ دے گی'، انہوں نے اسے ٹالا۔

'اونہہ! بجّو تو ہلیں گی بھی نہیں، وہ کب کوئی کام کرتی ہیں'، حسن اتنی آسانی سے کہاں ٹلنے والا تھا۔ آخر چولہے کی آنچ دھیمی کر کے وہ خود ہی گئیں اس کے ساتھ۔ حسن، حسین، زین اور زوار کا کمرہ بالائی منزل پر تھا۔ گو کہ زوار تو مستقلاً عمیر کے ساتھ ہی ہوتا، اور عملاً اسی کے کمرے میں ٹھکانہ کیے ہوئے تھا۔

گھڑی وہیں سے نکلی جہاں بقول حسن، وہ اچھی طرح دیکھ چکا تھا۔ اس کی دراز میں بھرے کباڑ کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ گھڑی اس کے حوالے کر کے وہ واپس آئیں تو چائے تیار تھی۔ دو کپوں میں چائے نکال کر اور ٹرائفل کا باؤل لے کر وہ کچن سے نکل ہی رہی تھیں کہ نسرین وہیں آ گئی۔

'داداجان تو آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے ہیں امّی، کہہ رہے تھے کہ ان کے سینے میں ہلکا ہلکا درد ہو رہا ہے کچھ دنوں سے'، نسرین نے ان کے ہاتھ سے ٹرے لیتے ہوئے کہا۔

'ہاں انہوں نے ذکر کیا تھا عمیر سے، وہ کہہ رہا تھا کہ چیک اَپ کے لیے لے جائے گا جلد ہی۔ بس شاید فرصت نہیں ملی اس کو، لیکن بہر حال ڈاکٹر کو جلدی چیک کروالینا چاہیے، اب اس عمر کی بیماری کو ہلکا لینا تو بالکل اچھا نہیں ہے'، اسے بتاتے ہوئے وہ کچن سے نکل آئی تھیں۔ لاؤنج میں پہنچ کر نبیلہ و فاطمہ کے کمرے کے دروازے پر ایک بار پھر ہلکی سی دستک دے کر ان دونوں کو آنے کو کہا، اور پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ پیچھے پیچھے نسرین ٹرے لیے آ رہی تھی۔ کمرے میں پہنچ کر اس نے احتیاط سے ٹرے میز پر رکھی اور ٹرائفل کا باؤل اٹھا کر بستر پر صولت بیگم کے سامنے آ بیٹھی۔

'یہ دونوں گھر میں ہیں، میں تو سمجھی تھی کہ شاید کہیں گئی ہوئی ہیں جو اب تک نظر نہیں آئیں'، اس نے چمچ بھر کے منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

'ہاں...... جی چاہا تو آجائیں گی، اپنی مرضی کی مالک ہیں'، صولت بیگم آہستہ سے بڑبڑائیں۔ 'خیر تم سناؤ کیا حال احوال ہیں؟ رخشندہ کیسی تھیں؟ اور باقی سب گھر والے؟'۔

'سب ٹھیک تھے امّی۔ سب کچھ جیسے چلتا ہے چل رہا تھا۔ کچھ خاص خیر خبر نہیں ہے۔ آنٹی سے تو آپ کی بات کروائی تھی ناں میں نے؟'،

'ہاں، ہوئی تھی بات ان سے۔ پھر بھی بندہ کچھ تو حال احوال بتاتا ہے۔ ابھی تم ہو کر آئی ہو اپنے گھر سے تو کچھ تو بتاؤ۔ یا تم بھی آج کل بس ضرورت کے تحت بات کرنے کے ماٹو پر عمل کر رہی

ہو؟'، وہ اچانک ہی ناراض ہو گئی تھیں۔ نسرین نے تھوڑی سی حیرت سے ماں کی طرف دیکھا، پھر ان کے گلہ پر مسکرا دی۔

'اچھا جی، آپ کو کیا تفصیل مطلوب ہے، میں تفصیل سے بتاتی ہوں۔ آنٹی بالکل ٹھیک ٹھاک تھیں۔ انکل کو بس معمول کی بلڈ پریشر کی جو تکلیف رہتی ہے، وہی تھی۔ ویسے صحت ٹھیک ہے ان کی۔ سندس کا یہ آخری سال شروع ہو گیا ہے کالج میں۔ سرمد آج کل جاب کی تلاش میں ہے۔ بلکہ تلاش میں کیا ہے، اِن سے کہہ رہا تھا کہ مجھے بھی کینیڈا بلوا لیں، وہیں جا کر بزنس میں حصّہ ڈالنا چاہتا ہے۔ یا اگر جاب بھی کرے گا تو وہیں کرے گا۔ میرے تو خیال میں، وہ جتنی جلدی ممکن ہو پاکستان کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ کر وہیں سیٹ ہونا چاہتا ہے'۔

'ہاں مگر اتنا آسان کہاں ہے ویزا ملنا۔ اتنا عرصہ ہو گیا اور اتنی کوشش کے باوجود ابھی تک تمہارا نہیں بن سکا'، صولت بیگم سادگی سے بولیں۔

'میرا تو امّی کسی وجہ سے نہیں بن سکا ناں۔ سرمد تو شاید کامیاب ہو ہی جائے۔ جتنے دن میں وہاں رہی ہوں، فون پر فون کھڑکائے جا رہا تھا ارشد کو۔ ان کے چچا بھی تو وہیں ہوتے ہیں، وہ بھی شاید سرمد کو سپانسر کرنے کے لیے تیار ہیں'،

'ہوں...... اور ارشد کیا کہتا ہے؟'، انہوں نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا۔

'پتہ نہیں...... انہوں نے کیا کہنا ہے؟ یہی کہتے ہوں گے کہ آ جاؤ......'۔

'کیوں پتہ نہیں تمہیں؟ تمہاری بات نہیں ہوتی کیا اس سے؟'، صولت بیگم کو اچنبھا ہوا۔

'ہوتی ہے۔ دو تین بار تو آنٹی کو بھی فون کیا انہوں نے، تب بھی بات ہوئی ان سے۔ خیر، خود تو وہ کم ہی کسی کو فون کرتے ہیں، مصروف جو ہوتے ہیں۔ مگر اب میں کیا بات کرتی ان سے، عبد اللہ کا پوچھتے رہے، اس سے بھی بات کی انہوں نے......'۔

'ہاں مگر اگر سرمد بھی چلا گیا تو رخشندہ بالکل اکیلی ہو جائیں گی'، انہوں نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے تبصرہ کیا۔

'جی......'نسرین کسی سوچ میں گم ہو گئی تھی۔ صولت بیگم نے بغور نسرین کا چہرہ دیکھا، وہ کسی الجھن میں تھی، یہ تو واضح تھا۔ مگر پتہ نہیں معاملہ کس نوعیت کا تھا، وہ خود بھی پوچھتے ہوئے جھجک رہی تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ نسرین کو یہی نصیحت کی تھی سسرال تمہارا حقیقی گھر ہے، اور اس کے رازوں کی حفاظت تم پر لازم ہے۔ مگر اگر وہ پریشان ہے، تو بیٹی کا مسئلہ جاننا اور اسے حل کرنے کی کوشش کرنا انہیں اپنی ذمّہ داری محسوس ہوتا تھا۔

'کیا بات ہے نسرین؟ کیا سوچ رہی ہو؟'، انہوں نے نرمی سے پوچھا۔

'جی!؟'، نسرین چونکی، 'کچھ نہیں امّی۔ آنٹی کے بارے میں سوچ رہی تھی'۔

'کیا سوچ رہی تھیں؟'، انہوں نے پھر اپنا سوال دہرایا۔ نسرین چند لمحے تذبذب کی کیفیت میں رہی، پھر ایک گہرا سانس بھر کے رک رک کے بولنا شروع ہوئی۔ اس کے انداز میں الجھن نمایاں تھی۔ 'پتہ نہیں امّی، ایسے ہی شاید میرا وہم ہے یا کیا ہے...... میں جب بھی ان سے بات کرتی ہوں، یا ملتی ہوں تو مجھے وہ خفا سی لگتی ہیں۔ حالانکہ...... خفگی کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی...... کم از کم مجھے تو پتہ نہیں کہ میں نے ایسا کچھ کیا ہو جو انہیں برا لگا ہو یا جس پر وہ ناراض ہوں'۔

'تمہیں ایسے کیوں لگتا ہے کہ وہ ناراض ہیں؟'، انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

'بس امّی...... یہی تو میں سمجھ نہیں پا رہی کہ یہ صرف میرا وہم ہے یا واقعی اس میں کوئی حقیقت بھی ہے۔...... بس وہ گرم جوشی محسوس نہیں ہوتی ان کے رویے میں جو پہلے محسوس ہوتی تھی۔ پہلے میں رہنے کے لیے جاتی تھی تو اتنا خوش ہوتی تھیں۔ اتنی باتیں کرتی رہتی تھیں۔ اب بھی خوش ہوتی ہیں...... مگر مجھے ایسا لگتا ہے جیسے بس عبد اللہ کو دیکھ کر خوش ہوتی ہیں'۔

'تو بیٹا...... یہ تو فطری بات ہے۔ وہ ان کا پوتا ہے، بلکہ اکلوتا پوتا ہے... اسے دیکھ کر تو وہ خوش ہوں گی ہی۔ شاید وہ تم سے زیادہ عبد اللہ کو اہمیت اور توجہ دے رہی ہوں گی اور تمہیں یہ بات محسوس ہوئی ہو گی کہ تمہاری ذات کو وہ اہمیت نہیں مل رہی جو پہلے ملتی تھی۔ لیکن تم یہ یاد رکھو کہ عبد اللہ کو توجہ اور اہمیت دینا در حقیقت تمہیں ہی اہمیت دینا ہے'، انہوں نے رسان سے سمجھایا۔

'نہیں امّی...... یہ بات نہیں ہے۔ عبد اللہ سے تو وہ پہلے بھی بہت پیار کرتی تھیں مگر مجھے نظر انداز نہیں کرتی تھیں۔ بات کچھ اور ہے...... خیر، ہو سکتا ہے میں ہی زیادہ حسّاس ہو کر سوچ رہی ہوں اور ایسا کچھ بھی نہ ہو...... لیکن ابھی ایک مہینہ میں رہ کر آئی ہوں ناں...... تو مجھے بار بار ایسا لگتا تھا کہ وہ عبد اللہ کو اپنے پاس روکنا چاہتی ہیں......'، وہ رک رک کر بول رہی تھی۔ 'وہاں جانے کے دو ہفتے بعد میں نے واپسی کے لیے ان سے اجازت لی تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے، تمہاری مرضی ہے'۔ مگر پھر رات کو کھانا کھانے بیٹھے تو اچانک کہنے لگیں کہ 'بیٹا تو میرا پہلے ہی پردیس میں ہے، جو اس کی نشانی ہے وہ پاس ہے مگر پاس ہوتے ہوئے بھی دیکھنے کو نہیں ملتی'، اس پر میں نے کہا کہ 'عبد اللہ آپ کا بیٹا ہے، آپ جب تک کہیں گی آپ کے پاس ہی رہے گا، آپ نہیں چاہتیں تو ہم نہیں جاتے۔' تو وہ کہنے لگیں کہ 'ہاں عبد اللہ تو میرا بیٹا ہے مگر تمہیں تو نہیں روک سکتی ناں میں۔' پھر میں چپ ہی رہی، اور پھر اتنے دن مزید بھی گزار لیے...... مگر پھر آخر کتنے دن رہتی، ارشد وہاں ہیں نہیں، سرمد کے آنے جانے کی وجہ سے گھر میں بھی پردہ کا اہتمام کرنا پڑتا ہے'، نسرین نے صولت بیگم کی طرف دیکھ کر مدافعانہ انداز میں کہا۔

'...... اور پھر صرف یہ بات بھی نہیں ہے، کتنی دفعہ تو سرمد مجھ سے پوچھے یا مجھے بتائے بغیر عبد اللہ کو باہر گھمانے پھرانے لے جاتا تھا۔ پھر ڈھیروں ڈھیر کھلونے اور الم غلم چیزیں دلا کر لے آتا۔ میں نے آنٹی سے کہا کہ وہ اس کی عادتیں خراب کر دے گا تو وہ کہنے لگیں کہ 'ایک ہی تو بھتیجا ہے سرمد کا، اب اس کے لاڈ اٹھانے پر تو پابندی نہیں لگا سکتی'...... اور...'، نسرین نے ہلکی سی ہچکچاہٹ کے ساتھ ماں کی طرف دیکھا، 'امّی بعض دفعہ تو مجھے باقاعدہ ایسے لگتا تھا جیسے وہ سب مل کے عبد اللہ کو مجھ سے دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، خاص طور پر آنٹی۔ روز رات کو وہ اتنی دیر تک عبد اللہ سے باتیں کرتیں اور اسے کھیل کود میں لگائے رکھتیں کہ میری بس ہو جاتی۔ پھر مجھ سے وہ کہتیں کہ تم جا کر سو جاؤ، جب عبد اللہ نے سونا ہو گا تو میں اسے تمہارے

ساتھ لٹا جاؤں گی۔ مگر کئی دفعہ وہ سو جاتا تو وہ اپنے پاس ہی سلا لیتیں، پھر رات میں کسی وقت وہ جاگتا تو زور زور سے رونا شروع کر دیتا، اور تب اٹھ کر میرے پاس آتا'۔

'ہوں...... دیکھو بیٹا، کچھ باتیں تو تمہیں سمجھنے کی ضرورت ہے کہ بہر حال عبد اللہ ان کے بیٹے کا بیٹا ہے، اور اولاد کی اولاد، اولاد سے بڑھ کے محبوب ہوتی ہے۔ پھر یہ کہ ان کا بیٹا ان سے دور بھی ہے، پوتا بھی مستقل ان کے پاس نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھی ہی انہیں ملتا ہے۔ تو اس ساری صورتحال میں ظاہر ہے کہ وہ محروم تو ہیں ناں...... اس سے وہ پریشان بھی ہوتی ہوں گی اور غصّہ بھی آتا ہوگا۔ تو مجھے تو یہ سارا رویہ اسی پریشانی اور اداسی کا مظہر لگ رہا ہے۔ تم نے ان سے اس حوالے سے کوئی بات نہیں کی؟'۔

'نہیں امّی، ان سے کیا بات کرتی میں...... ویسے بھی پتہ نہیں میرا یہ احساس اور تجزیہ درست بھی ہے یا یونہی مجھے محسوس ہو رہا ہے......'، نسرین نے اپنی چائے کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔ 'مگر...... ایک بات اور بھی ہے...'۔

'کیا؟'، صولت بیگم نے اس کی طرف دیکھا۔

'آنٹی نے سندس کی بات طے کر دی ہے'، نسرین نے آہستہ آواز میں بتایا۔ اس کے لہجے میں دکھ بول رہا تھا۔

'اچھا، کہاں طے کی ہے؟'، انہوں نے آرام سے پوچھا۔

'وہیں، کراچی میں اپنے رشتہ داروں میں۔ اپنے بھائی کے بیٹے سے'۔

'یہ تو اچھا ہوا، ایک ہی بیٹی ہے ان کی، وقت پر رخصت ہو جائے تو وہ اپنے فرائض سے سبکدوش ہوں...'۔

'کیا اچھا ہوا امّی؟! آپ اسے اچھا ہونا کہہ رہی ہیں'، نسرین نے حیرت و بے یقینی سے ان کے سرسری انداز پر انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

'تو اور کیا کہنا چاہیے مجھے؟'، صولت بیگم نے اس کی حیرت پر حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

'امّی...... آپ کو پتہ نہیں ہے کیا؟...زوار کا ارادہ تھا ناں وہاں...... میں نے تو کافی عرصہ پہلے ارشد سے بات بھی کی تھی اس بارے میں...... پھر بھی، پتہ نہیں کیوں آنٹی نے اتنی جلدی......'۔

'ارے رہنے دو تم زوار کی پسند کو، اللہ کا شکر ادا کرو کہ تمہاری نند کی بات طے ہو گئی'، صولت بیگم کو بات سمجھ آئی تو وہ تڑپ کر بولیں۔ 'میں تو کبھی بھی اسے بہو نہ بناؤں اپنی، اور میرے خیال میں یہ بات زوار کو بھی معلوم ہے، جبھی تو اس نے مجھ سے کبھی ذکر نہیں کیا۔ تم سے کیا کہا ہے اس نے؟ ذرا مجھے بھی بتاؤ، بڑے بھائی سے پہلے ہی اسے اپنی فکر لاحق ہو گئی ہے'۔

'کچھ نہیں امّی...... بس ہلکا سا اشارہ کیا تھا اس نے...... واضح طور پر تو اس نے کبھی کچھ نہیں کہا۔ مگر میرا تو خیال تھا کہ آپ سندس کو پسند کرتی ہیں۔ آپ ہی تو کہتی تھیں کہ بہت سیدھی سادی اور معصوم سی لگتی ہے'، نسرین ان کے ردّعمل پر حیران و پریشان تھی۔

'وہ تو تب کی بات ہے بیٹا جب چار سال پہلے تمہاری شادی کی تھی۔ تب وہ انٹر میں تھی اور واقعی سیدھی سادی، معصوم اور باحیا تھی۔ لیکن جب سے اس نے Kinnaird کالج میں انگلش آنرز میں داخلہ لیا ہے، اس کے بعد سے تو وہ ہر سال، بلکہ سال کیا، ہر سمسٹر کے بعد ہی ترقی کے نئے زینے پر چڑھی ہوئی نظر آتی ہے۔ مجھے تو حیرت ہوتی ہے رخشندہ پر، بیٹی ان کے سامنے حیا کا جنازہ نکال رہی ہے، انہیں کوئی پرواہ ہی نہیں۔ عبایا برقعہ تو دور کی بات، وہ چادر بھی چھوڑ کر چھوٹی سی سکارفچی پر آگئی، جسے وہ سر پر لپیٹ لیتی ہے اور روزانہ اتنا میک اپ کر کے کالج روانہ ہوجاتی ہے۔ میں نے تو پچھلے عرصے میں جب بھی اسے دیکھا ہے، یونہی میک اپ منہ پر لیپ کے، انگلش میں باتیں کرتے دیکھا ہے۔ جیسے انگلش میں آنرز کرنے کے بعد یہ بھی فرض ہو گیا ہے کہ گھر میں اور باہر ہر جگہ انگریزی بول کر دکھائی جائے۔ اور یہی چیزیں تو پسند آئی ہوں گی زوار کو، بظاہر ماڈ، جدید، فیشن ایبل اور خوبصورت، انگریزی تہذیب کا چلتا پھرتا نمونہ، وہ کسی چیز کی گہرائی میں اترنے کی زحمت کب گوارا کرتا ہے، بس چمکتی چیز دیکھ کر ریجھ جاتا ہے فوراً......'۔

'اور تم... تم اتنی احمق ہو گی کہ مجھ سے ذکر کیے بغیر ارشد سے بات بھی کر بیٹھیں۔ مجھے تم سے یہ توقع نہیں تھی'، اب انہیں نسرین پر غصّہ آ رہا تھا، 'یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہاری بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا، اور اللہ نے سندس کا رشتہ خود ہی کہیں اور کرا دیا، ورنہ اس قسم کے ادل بدل کے رشتوں میں سو قسم کے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ توبہ! چلتا پرزہ ہے وہ نند تمہاری، اور تم چاہتی ہو کہ اسے بہو بنا کر گھر لے آؤں...... جیسے ہمارے گھر میں کوئی کمی ہے مسائل اور فتنوں کی......'۔

(جاری ہے ان شاء اللہ)

'نوائے غزوۂ ہند' (سابقہ 'نوائے افغان جہاد') کے تمام معزز قارئین سے التماس ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں کہ اللہ پاک ہماری کاوشوں میں اخلاص و اتباعِ شریعت عطا فرمائے اور پھر اپنے فضل سے شرفِ قبولیت سے بھی نوازے۔ یہ بھی دعا کیجیے کہ اللہ پاک 'نوائے غزوۂ ہند' کو جہادِ ہند کی تقویت اور پورے برِّصغیر میں دعوت و جہاد کے مبادی پھیلانے کا ذریعہ بنا دے، آمین یاربّ العالمین!

کیا مظاہرے غیر شرعی اور جمہوریت میں ہر طرح کی شمولیت کفر ہے؟

ہندوستان سے بھائی '******' نے ادارہ 'نوائے افغان جہاد' ('نوائے غزوۂ ہند' کا سابقہ نام) کے مدیر کے نام، وسطِ فروری ۲۰۲۰ء میں بذریعۂ ای میل لکھا:

"السلام علیکم۔ امید ہے بخیریت ہوں گے۔

میرا تعلق انڈیا سے ہے۔ میرا مقصد فروری ۲۰۲۰ء کے مجلہ نوائے افغان جہاد میں ایک مضمون کے حوالے سے دھیان مبذول کرانا ہے......

یہ مضمون ہے "خیر الدین بھٹکل" کا، جس میں جناب بھٹکل صاحب نے حد سے زیادہ ڈرایا ہے اور شریعت کے قاعدے کے خلاف بات کی ہے اور نوائے افغان میگزین نے اس مضمون کو پرنٹ کر دیا ہے۔ اگر آپ مضمون سے پہلے لکھتے کہ 'مضمون نگار کی ہر بات سے نوائے افغان کا متفق ہونا ضروری نہیں' تو کوئی دقّت نہ تھی، مگر ایسا نہ ہوا...... اس ضمن میں کچھ توجہ دلانا چاہوں گا، امید ہے آپ توجہ فرمائیں گے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہمارا ملک انڈیا دارالحرب ہے۔ دوسری بات، جمہوریت سب سے بڑا طاغوت اور دجالی نظام ہے جس میں کسی بھی طرح کی شمولیت کفر ہے...... انڈیا میں جو مظاہرے ہو رہے ہیں وہ کسی بھی طرح اسلام میں جائز نہیں، نہ ہی شریعت اس کا جواز فراہم کرتی ہے۔ دوسرا یہ کہ عورتوں کو روڈ پر نکال کر مخلوط مظاہرے کرنا بھی جائز نہیں۔ یہ کوئی نفیرِ عام تو نہیں جس کا جواز بن سکے! بے شک مسلمانوں کو تنگ کیا جا رہا ہے انڈیا میں، مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہمارے مسلمان کوئی بھی طریقہ خود سے ایجاد کر لیں غیر مسلموں کی طرح! یہ کیسے ممکن ہے؟

انڈیا کا جو قانون اور دستور ہے وہ سیکولر ہے کہ ہر کمیونٹی برابر مانی جاتی تھی۔ تو اب یہ آر ایس ایس نواز بی جے پی وہ قانون ہٹا کر انڈیا کو ہندو راشٹر ابنانا چاہتی ہے۔ تو یہ مظاہرے اس لیے کیے جا رہے ہیں کہ ملک کا سیکولر دستور متاثر نہ ہو اور طاغوتِ جمہوریت کی روح کو ہندو راشٹرا کے ذریعے مجروح نہ کیا جائے تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

ہمارے انڈیا کے مسلمان یہ جو کر رہے ہیں مظاہروں کی شکل میں، نہ یہ اسلام کے حق میں مفید ہے، نہ ہی اس سے اسلام غالب آ سکتا ہے۔ یہ تو اسلام میں جائز ہی نہیں۔ یہ تو مسلمان ڈر کر کر رہے ہیں کہ شہریت ثابت نہ ہوئی تو detention centre (حراستی مرکز) میں جانا پڑے گا۔ اب اس میں آپ ہی سوچیے "خیر الدین بھٹکل" صاحب کا مضمون کیا تاثر دیتا ہے اور وہ بھی نوائے افغان کے پلیٹ فارم سے......! کتنا غلط message (پیغام) پہنچے گا امت کو......! آپ اسلام کی تاریخ اٹھا کر دیکھیے۔ ہجرت اور جہاد کے بغیر بھی بھلا انقلاب برپا ہوا ہے، جو مظاہروں سے ہو گا؟ یہ مظاہرے طاغوتِ جمہوریت کو بچانے کے لیے ہیں، اور نہ ہی عارضی طور پر شریعت اس کی اجازت دیتی ہے۔ میرے خیال میں یہ مضمون آپ کو نوائے افغان فروری ۲۰۲۰ء میں نہیں شامل کرنا چاہیے تھا۔ اس سے جمہوریت کے حق میں جواز فراہم ہوتا ہے جو بالکل بھی ٹھیک نہیں...... امید ہے توجہ فرمائیں گے...... گستاخی معاف۔

والسلام"

جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمد للہ وکفیٰ والصلاۃ والسلام علیٰ رسول اللہ، اَمّا بعد

محترم بھائی......

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ہم آپ کے بہت ممنون ہیں کہ آپ اپنے دل میں دعوتِ جہاد کی تڑپ رکھتے ہیں، مجلّے میں موجود کسی خطا کی اصلاح کے لیے آپ کا یہ خط لکھنا اس تڑپ پر دلالت کرتا ہے۔ اس طرح ہندوستان میں دعوتِ جہاد میں آپ کی دلچسپی پر بھی ہمیں دلی خوشی ہوئی اور اس پر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو ایمان کامل دے، آپ کے علم وفہم اور اعمالِ صالحہ میں اضافہ فرمائے، آپ کو دنیا بھر کے مسلمانوں اور مظلوموں کے لیے نافع بنائے، دنیا وآخرت کی تمام تر بھلائیوں سے آپ کو نوازے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ غلبۂ دین اور مظلوموں کی مدد کے فرض کو ادا کرنے میں آپ کی بھرپور رہنمائی اور مدد فرمائے، آمین!

محترم وعزیز بھائی!

مسلمانانِ ہند کے سامنے فریضۂ نصرتِ دین کے لیے جو شرعی راہِ عمل ہم سمجھتے ہیں، وہ دعوت، اعداد، ہجرت اور قتال پر مشتمل ہے۔ پھر یہ چاروں امور اپنی تفصیل اور طریقۂ کار رکھتے ہیں جسے شیخ مکرم استاد اسامہ محمود نے مسلمانانِ ہند کے نام اپنے پیغام ''اسلام تیرا دیس ہے، تُو مصطفوی ہے'' میں بیان کیا ہے[1]۔ جہاں تک ہندوستان میں جاری مظاہرات کا معاملہ ہے تو محترم بھائی! یہ فی الاصل جمہوریت (بمعنیٰ نظامِ جمہوریت) کی تقویت کے لیے نہیں ہیں، بلکہ یہ مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی حالیہ زیادتیوں اور مظالم کے خلاف ہو رہے ہیں۔ مظالم کے خلاف جاری مظاہرات کے متعلق ہم آپ کے سامنے اپنا موقف پیش کرتے ہیں، یہ موقف تحریکِ جہاد کے قائدین وعلمائے کرام نے وقتاً فوقتاً اپنی دعوت میں بیان کیا ہے۔ نیز ہم اپنے دیگر قارئین سے بھی یہاں گزارش کریں گے کہ وہ ایسے مظاہروں سے متعلق آئندہ بھی یہی طرزِ عمل اپنائیں۔

محترم بھائی!

- مظالم کے خلاف ایسے مظاہروں کے حوالے سے ہماری حکمتِ عملی، (۱) 'تائید وحمایت' اور ساتھ ہی (۲) 'اصلاح ورہنمائی' کی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ غلبۂ دین کے لیے جدوجہد (بمعنیٰ دعوت وجہاد) ایک شرعی امر ہے اور اسی طرح ظالم کا ہاتھ روکنا اور مظلوم کی دادرسی بھی امر شرعی ہی ہے۔ یہ دونوں امور فرض ہیں۔ اب اگر کہیں عوام غلبۂ دین کی جدوجہد تو نہیں کر رہے، مگر اپنے اوپر سے کسی ظلم کو ہٹانے کے لیے مظاہرے کر رہے ہیں؛ تو کیا ہم اس وجہ سے ان کی مدد یا تائید نہیں کریں گے کہ وہ غلبۂ دین کی محنت کے لیے کیوں نہیں اٹھتے؟ نہیں! ہم یہ ظلم ہٹانے کے لیے ان کی حسبِ استطاعت نصرت کریں گے اور ایسے میں اگر کچھ اور ہمارے لیے ممکن نہ ہو تو دائرۂ شریعت میں رہ کر ان کے مظاہروں اور احتجاج کی بھی تائید وحمایت کریں گے، پھر اگر وہ اس احتجاج میں کوئی غیر شرعی کام کر رہے ہوں (جیسے خواتین کی بے پردگی وغیرہ) یا کوئی شریعت مخالف نظریات

---

[1] یہ بیان ادارہ السحاب برِّصغیر کی جانب سے جنوری ۲۰۲۰ء میں جاری ہوا اور اسی بیان کا متن مجلّہ 'نوائے افغان جہاد' کے فروری ۲۰۲۰ء کے شمارے میں 'نشریات' کے عنوان تلے شائع ہوا۔

(جمہوریت وغیرہ) کی بھی حمایت کر رہے ہوں تو ہم حکمت اور موعظۂ حسنہ کے ذریعہ ان کے ایسے غیر شرعی امور کی اصلاح کے لیے سعی کریں گے۔ ہماری کوشش ہو گی کہ ان مظلومین سے ظلم بھی ہٹ جائے، انہیں ہماری یہ نصرت و تائید کسی طرح دین کی طرف لانے اور اللہ کے ساتھ جوڑنے کا بھی سبب بن جائے اور بالآخر وہ بھی غلبۂ دین کی جدوجہد میں ہمارے ساتھ کھڑے ہوں۔

عالمِ عرب میں ۲۰۱۰ء کے آخر اور ۲۰۱۱ء کے شروع میں مظاہرے شروع ہوئے جنہیں عرف میں 'عرب بہار' کہا جاتا ہے۔ ان مظاہروں کا مقصد طواغیتِ عرب کے ظالمانہ نظام کا خاتمہ اور بعض کے ہاں جمہوریت کا قیام تھا کہ وہاں پہلے 'ڈکٹیٹر شپ یا آمریت' نافذ تھی۔ اب جمہوریت کے اس مطالبے کے سبب کیا ہم نے ظلم وجبر کے خلاف ان کی جدوجہد کی بھی نفی کر دی تھی؟ نہیں! ہم نے ایک طرف ظلم کے خلاف کھڑا ہونے میں ان کی بھرپور حمایت کی، شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ سمیت تحریکِ جہاد کے سب قائدین و علمانے ان مظاہروں کو سراہا، لوگوں کو ان میں نکلنے اور ساتھ دینے کی دعوت دی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سمجھایا کہ 'جمہوریت' خود چونکہ اللہ کی بغاوت پر کھڑا نظامِ حکومت ہے، اس لیے نظامِ جمہوریت کے برعکس شرعی نظام کے قیام کے لیے ہمیں منظم ہونا چاہیے اور اس کے لیے دعوت وجہاد کا شرعی منہج اپنانا چاہیے۔

- ہمیں یہ بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ نظامِ کفر کے خلاف مظاہروں کی صورت میں یہ مزاحمت اور مجاہدین کی دعوت و جہاد ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔ ہاں! اگر تو پرامن جدوجہد (مظاہروں وغیرہ) کو ہی غلبۂ دین کا اصل راستہ یا جہاد کہا جائے اور دعوت و جہاد، جو کہ فریضۂ دین ہے، کو کم اہم سمجھنا شروع کر دیا جائے، تو پھر یہ غیر شرعی سوچ ہے اور اس کی اصلاح پھر ضروری ہو گی۔
- کشمیر میں بھی ہمارے بچے، بھائی و بزرگ احتجاج و مظاہرے کرتے ہیں۔ ظاہر ہے ان بے چاروں کے پاس ظلم و کفر کے خلاف مزاحمت کے لیے احتجاج کے سوا کوئی اور چارہ ہے بھی نہیں۔ اگر انہیں ہتھیار ہاتھ آجائیں، تو بلاشبہ وہ بھی مجاہدین کے ساتھ محاذوں پر آملیں گے؛ لیکن اگر یہ ان کے بس میں نہ ہو، یا ان کے لیے اب یہ ممکن نہ ہو تو ان کے یہ احتجاج و مظاہرے اور مجاہدین کی جدوجہدِ دعوت و جہاد...... ان سب افعال کی زد الحمدللہ ایک ہی دشمن پر پڑتی ہے اور اس سب سے ان شاء اللہ مظلوم مسلمانوں کو فائدہ ہو گا۔ ہم یہ بھی عرض کریں کہ تحریکِ جہاد اپنی شرعی بنیادوں اور مبادی پر اگر کھڑی ہو تو عوام کے احتجاج و مظاہرے ہمیشہ تحریکِ جہاد کی تقویت کے کام آتے ہیں، نہ کہ ان سے تحریکِ جہاد کو نقصان ہوتا ہے، بس ضرورت اس امر کی ہے کہ تحریکِ جہاد ان ثمرات کو سمیٹنے والی بنے۔
- آپ نے لکھا ہے: ''جمہوریت سب سے بڑا طاغوت اور دجالی نظام ہے جس میں کسی بھی طرح کی شمولیت کفر ہے......''

یقیناً جمہوریت بہت بڑا طاغوت ہے اور جمہوریت کی نفی اور غلبۂ دین کے لیے دعوت و جہاد ہی کے منہج کی طرف بلانا ہماری دعوت کا ایک بنیادی نکتہ ہے، مگر محترم بھائی! جہاں تک یہ بات ہے کہ ''اس میں کسی بھی طرح کی شمولیت کفر ہے'' تو یہ اس طرح مطلقاً کہنا ٹھیک نہیں ہے۔ علمائے جہاد نے اس کی تفصیل بیان کی ہے۔

جمہوریت کفر ہے، لیکن اگر کوئی مسلمان اسے کفر سمجھتے ہوئے اپنے خیال میں کسی دینی خدمت کی خاطر یا اپنے تئیں 'اسلامی جمہوریت' نامی تاویل کے ساتھ اس میں شامل ہوتا ہے تو یقیناً، یہ بھی اکثر حالات میں جائز نہیں ہوتا، مگر ایسے فرد پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جاتا، بلکہ اس کا ایسا کرنا موجبِ گناہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی جمہوری نظام کو کفر سمجھتا ہے، مگر اپنے اوپر سے ظلم ہٹانے کے لیے کسی سطح پر اس میں شامل ہو جاتا ہے تو بلاشبہ یہ بھی کوئی محمود فعل نہیں ہے، مگر اس حوالے سے فتویٰ تبدیل ہو جاتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ طاغوتی عدالتوں میں برضا ورغبت جانا اور خلافِ شرع قوانین کو شریعت سے بہتر سمجھ کر وہاں سے فیصلے کروانا موجبِ کفر ہوتا ہے؛ لیکن اگر کسی پر ظلم ہو رہا ہے اور وہ اپنے اوپر سے ظلم ہٹانے کے لیے ان عدالتوں میں جانا چاہے تو علمائے جہاد بھی اسے مشروط اجازت دیتے ہیں اور وہ اس طرح کہ محمود اور مستحسن تو یہ ہے کہ صبر کرو، لیکن اگر صبر نہیں کر سکتے ہو تو

پھر دل میں نفرت اور اس نظام سے عداوت کے ساتھ محض اپنا حق لینے کے لیے عدالت چلے جاؤ۔ یہ فتاوی ہی ہیں جن کے سبب، دنیا بھر میں تحریکِ جہاد سے جڑے افراد بھی امریکہ و ہندوستان تک کے عدالتی نظام میں اپنے کیس لڑتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جمہوریت کی نفی کرنا، اسے نظامِ کفر قرار دینا اور لوگوں کو اس میں شامل ہونے سے منع کرنا تو ہماری دعوت کا ایک بنیادی موضوع ہونا چاہیے، مگر علمائے جہاد اور مشائخ کے ہاں جمہوریت میں ہر طرح کی شمولیت پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جاتا، بلکہ شامل ہونے والے افراد کی ذہنیت، ان کے ہاں شمولیت کے اسباب و مقاصد اور خود اس ملک میں مسلمانوں کے حالات سمیت کئی دیگر پہلوؤں کو بھی دیکھا جاتا ہے اور پھر جا کر ایسے افراد کے متعلق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ لہٰذا ہمیں جمہوریت کو کفر کہنا چاہیے مگر اس میں ہر طرح کی شمولیت کو کفر قرار دینے سے گریز کرنا چاہیے۔

وصلی اللہ علی النبی، و آخر دعوانا أن الحمد للہ ربّ العالمین۔

حوالے:

1. ’’اس میں کوئی شک نہیں کہ جمہوریت ایک مستقل دین ہے، چنانچہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا کھلا انکار ہے، لیکن اس سے یہ مطلب لینا ہرگز درست نہیں ہوگا کہ جو شخص بھی اس نظام میں شریک نظر آئے اس پر آنکھیں بند کر کے کفر کا حکم لگا دیا جائے۔ کیونکہ کسی مسلمان کے قول یا عمل کا کفر ہونا ایک مسئلہ ہے اور اس قول یا فعل کے ارتکاب کے سبب خود اس شخص کو کافر قرار دینا دوسرا مسئلہ۔ اس نازک اور اہم فرق کی طرف متوجہ نہ ہونے اور افراد پر کفر کا حکم لگانے میں بے احتیاطی کرنے سے وہ غلو جنم لیتا ہے جسے نبی ﷺ نے امتوں کی ہلاکت کا باعث قرار دیا ہے۔‘‘(ادیان کی جنگ، مولانا عاصم عمر، طبع دوم، ص ۱۷۵)
2. ’’نیز جمہوریت کو کفر کہنے سے سیدھا یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں کسی بھی سطح پر اور کسی بھی انداز سے شریک ہونے والے تمام لوگ ہمارے نزدیک بلا تفریق دین سے خارج ہو گئے ہیں، یہ نہ تو ہم نے کہا ہے اور نہ ایسی غیر محتاط اور مبنی بر غلو آرا اختیار کرنا مجاہدین کا طریقہ ہے۔‘‘(ادیان کی جنگ، مولانا عاصم عمر، طبع دوم، ص ۱۷۸)
3. اس طرح مذکورہ بالا موضوعات کے لیے پڑھیے، مجلاتِ حطین میں جمہوریت پر علمائے جہاد کے مضامین، القاعدہ برّصغیر کا لائحۂ عمل، نیز شیخ عطیۃ اللہ کے ’الاعمال الکاملۃ‘ میں جمہوریت اور مظاہرات کے موضوع پر بحث، شیخ اسامہ بن لادن کے بہارِ عرب پر بیانات، شیخ عطیۃ اللہ و شیخ ابو یحییٰ کا اس موضوع پر السحاب سے نشر شدہ مذاکرہ اور فضیلۃ الشیخ ایمن الظواہری کے بہارِ عرب کے بعد کے بیانات۔

سوالات بھجوانے کے لیے ہمارا برقی پتہ (email):

aapkaysawalat@nawaighazwaehind.com

★★★★★

جب حضرتِ عیسیٰؑ آئیں گے!

شاعر: شیخ احسن عزیز شهید
رحمة الله عليه

تکمیلِ جہادِ حق کے لیے جب حضرتِ عیسیٰؑ آئیں گے
اللہ کے لیے لڑنے والے، اللہ کی زمیں پر چھائیں گے

اک حاکمِ عادل دنیا کی مسند کو میسر آئے گا
دجّال کے دھوکے میں آنے والے اُس دم پچھتائیں گے

احمدؐ ہی نبیؑ خاتم ہیں، اب اور شریعت کوئی نہیں
ابنِ مریمؑ جب اتریں گے، یہ راز سبھی پا جائیں گے

کچھ وقت و ہنر، کچھ خونِ جگر، اِن راہوں میں قربان تو ہو
تا وقتِ نزولِ عیسیٰؑ ہم، اُس لشکر میں مل جائیں گے

اللہ کی راہ میں جو نکلے اُن سے تو یہ دوری ٹھیک نہیں
اس طور ہے ڈر روزِ محشر وہ ہم پہ گواہ بن جائیں گے

اے اہلِ حرم! توبہ کرلو، اُس صبح کی تجلّی سے پہلے
جب غرب سے سورج نکلے گا، دروازے بند ہو جائیں گے

ہم تم ہی سمیٹیں گے جاکے، جو کچھ بھی گنوائیں گے یاں پہ
پھر مالکِ جاں سے بُخل یہ کیا؟ آخر کو وہیں تو جائیں گے

جب آٹھوں در کھل جائیں گے، جنت کو سجایا جائے گا
کس شان سے صدّیقِ اکبرؓ ہر در سے بلائے جائیں گے
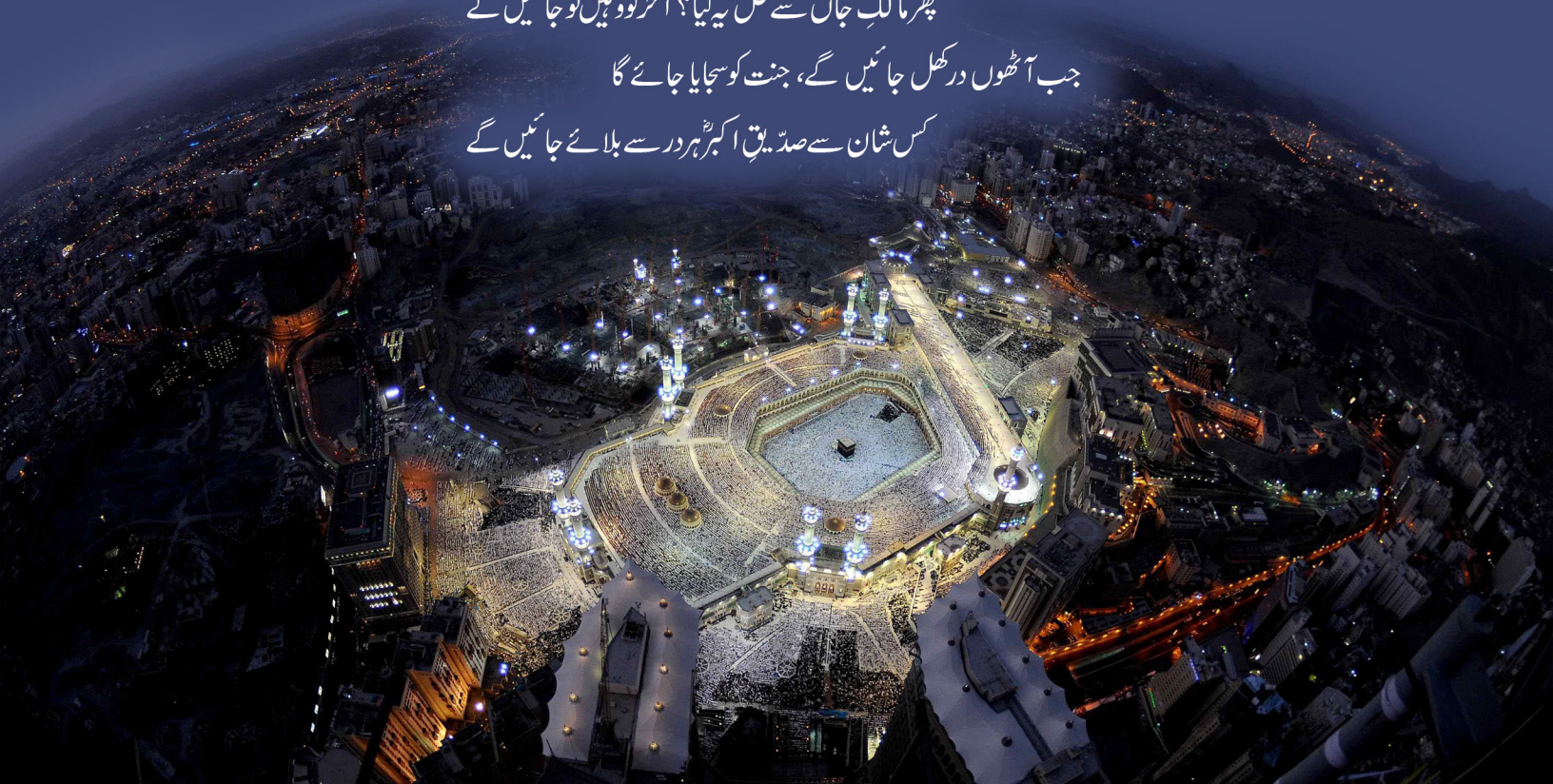
مسئلہ کم علمی کا نہیں کم عملی کا ہے!

’’آج مسئلہ علم یا کتابوں کی کمی کا نہیں، علم تو ماشاء اللہ خوب پھیل چکا ہے، آج مسئلہ حاصل شدہ علم پر عمل کا ہے، اور اس کمزوری کی اصل وجہ امانت، سچائی اور یقین کی کمی ہے!

یہ دین محض اپنے مال یا اپنے وقت کا کچھ حصہ دینے سے قائم نہیں ہوتا...... یہ دین تلواروں کے سائے میں ڈٹے رہنے سے قائم ہوتا ہے! چنانچہ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس مسئلے کو سمجھ لیا، نبیٔ رحمت اور نبی الملحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کی، اللہ کی خاطر قتل کیا اور بالآخر خود بھی قتل کر دیے گئے...... اللہ سے دعا ہے کہ وہ ایسے تمام خوش نصیبوں کی شہادت قبول فرمائے، آمین!‘‘

محسنِ امت شیخ اسامہ بن لادن شہید رحمۃ اللہ علیہ